دیوان



ہاشم علی خان ہمدم

دیوان



ہاشم علی خان ہمدم

دم

دیوان

اٹھارھواں مجموعہ کلام

ہاشم علی خان ہمدم

مکتبہء ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد

https://archive.org/details/@nzkiani

nzkiani@gmail,com

تعارف

نام: ہاشم علی خان ہمدم

ولدیت: زمرد خان

تاریخ پیدائش: 7 جولائی 1973ء

تعلیم: ایم اے اردو، ایم اے انگریزی، بی ایڈ (پنجاب یونی ورسٹی لاہور)

جائے پیدائش: خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

پیشہ: درس و تدریس

سرکاری ملازمت: اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) ایف جی ڈگری کالج واہ کینٹ

ادبی خدمات: بانی و منتظم موج غزل ادبی فورم (فیس بک)

اصناف سخن: حمد، نعت، غزل، نظم، سلام، منقبت، طنز و مزاح

تصانیف:

۱۔ موجِ کرم (حمد و نعت)

۲۔ پانچواں موسم (غزلیات)

۳۔ آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)

۴۔ موج غزل (طرحی غزلیات)

۵۔ محبت کی زباں (طرحی غزلیات)

۶۔ دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)

۷۔ چراغِ فکر (طرحی غزلیات)

۸۔ جہانِ خواب (طرحی غزلیات)

۹۔چشمِ تماشا (طرحی غزلیات)

۱۰۔سراب سے آگے (طرحی غزلیات)

۱۱۔تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)

۱۲۔آدھا سفر (طرحی غزلیات)

۱۳۔نمودِ سحر (طرحی غزلیات)

۱۴۔آخری چراغ (غزلیات)

۱۵۔ چراغِ حرف (غزلیات)

۱۶۔غزل پوش (غزلیات)

۱۷۔سبیل کرم (نعتیہ مجموعہ)

۱۸۔دم (دیوان)

زیر طبع کلام:

۱۹۔طیبہ ءجاں (نعتیہ نظمیں)

۲۰۔خواب سراب (نظمیں)

۲۱۔روشنی کے پھول (سلام ومناقب)

۲۲۔سیلفیاں (مزاحیہ کلام)

۲۳۔حبلِ متیں (نعتیہ مجموعہ)

۲۴۔خوش تاب (غزلیات)

پتہ: خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک فون نمبر:0311-5509555

کتاب: دم

شاعر: ہاشم علی خان ہمدم

پتہ: خودہ شریف تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک

itshamdam@gmail.com

0311-5509555

سن اشاعت: 2025ء

ایڈیشن: اوّل (برقی اشاعت)

سرورق: نوید ظفر کیانی

ناشر: مکتبہء ارمغانِ ابتسام، اسلام آباد

قیمت: مفت ڈاؤن لوڈ

ویب سائٹ لنک: archive.org

انتساب

محبت کرنے والوں کے نام

جن کے

دم

سے

ہمدم

ہوں

یہ کس نے مجھ پہ محبت کا دم کیا ہوا ہے
کہ اپنے آپ سے ملنا بھی کم کیا ہوا ہے

☆فہرست☆

7 ا 64

چراغ جل رہے تھے جو بجھا دیے تو کیا ہوا
ہوا نے اپنے رنگ بھی دکھا دیے تو کیا ہوا

8 ا 67

دیکھنا تھا جو وقت دیکھ لیا
ہم نے آنکھوں کا بخت دیکھ لیا

9 ا 70

مجبور ہوئے لیکن معذور نہیں رہنا
گلشن کے پرندوں نے محصور نہیں رہنا

10 ا 73

یہ عشق بھی ہے نرا خسارا، کبھی ہمارا، کبھی تمھارا
ملا نہیں تیرا کنارا، کبھی ہمارا، کبھی تمھارا

11 ا 77

میں نے کہا، یہ پیار ہے؛ آزار ہے، اس نے کہا
میں نے کہا، اقرار ہے؛ انکار ہے، اس نے کہا

12 ب 79

کھلتی ہے تیرگی میں کہاں یہ قبائے شب
ماہِ تمام پر ہی کھلے گی ردائے شب

13 ب 84

آئینے کا ہر افسانہ خواب سراب
دشت میں آنکھوں کا پیمانہ خواب سراب

14 ب 86

دریا کے لپیٹے سے نکلتا ہوا صاحب
میں وقت کے دھارے کو بدلتا ہوا صاحب

15 ب 89

دل کی دلی کو میسر ہے فضائے غالب
شعر کہتے ہوئے سجتی ہے سرائے غالب

16 ب 92

نئی صبح کے ستارے، نئی روشنی کے خواب
مرے ہم سفر ہوئے ہیں، مری زندگی کے خواب

17 ب 95

اقرار زیر لب ہے نہ انکار زیر لب
کیا رہ گیا ہے بر سر پیکار زیر لب

18 ب 98

تاروں کی روشنی سے نہ مہتاب کے سبب
جلتے رہے چراغ ترے خواب کے سبب

19 پ 101

یہی نہیں کہ ڈسیں دلدلی زمیں کے سانپ
ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں آستیں کے سانپ

20 پ 105

چاروں اور مسلسل چھائی دھوپ
جس کو سایہ سمجھا نکلی دھوپ

21 پ 107

سارے گا ما پا دھانی سا، سر سنگیت، الاپ
دھڑکن دھڑکن بہتا دریا، سر، سنگیت، الاپ

22 پ 110

عشق میں اپنی جان پہ کھیلے، میرا دل اور آپ
دونوں ہیں کردار البیلے، میرا دل اور آپ

23 پ 112

آج دل کی طلب، چائے کا ایک کپ
شاعری کا سبب، چائے کا ایک کپ

24 پ 114

ڈس رہی ہے مجھے ہم سفر، تیری چپ
مار دے گی مجھے چارہ گر، تیری چپ

25 ت 117

پیشِ نظر ہے آئنہ! سرکار! معذرت
جو کچھ ہوا ہے بر سرِ پیکار ! معذرت

26 ت 122

سا رے گا ما ، الاپ دل کی بات
اپنی دھڑکن سے ماپ دل کی بات

27 ت 124

مرے مزاج کا موسم، ترے مزاج کی بات
یہ زندگی ہے محبت بھرے مزاج کی بات

28 ت 126

دل وجان کے دروں ہے، مری آخری محبت
مرا عشق ہے، جنوں ہے، مری آخری محبت

29 ت 128

خامشی ہے ، شہر میں گہرا سکوت
جبر نے دیکھا نہ تھا، ایسا سکوت

30 ت 130

دل میں دھڑک رہی ہے مسلسل صدائے وقت
احساس کی نمو ہے نظر میں ضیائے وقت

31 تھ 134

قدیم رنگ نبھاتے ہوئے رواج کے ساتھ

ترا مزاج رہے گا مرے مزاج کے ساتھ

32 تھ 137

کھڑا ہوا ہے جو تصویر میں نئی کے ساتھ

زمانہ دیکھ چکا ہے اسے کئی کے ساتھ

33 ٹ 141

میزان پر کسی نے جو رکھا سفید جھوٹ

کالے زباں دراز نے بولا سفید جھوٹ

34 ٹ 146

جیسا بھی کٹ رہا ہے محبت میں وقت کاٹ

گر ہو سکے تو دل کی عبادت میں وقت کاٹ

35 ٹ 150

ٹکرا سفر کی دھول سے ، دیوار سے پلٹ

اے روشنی ! نگاہ کی رفتار سے پلٹ

36 ٹ 152

خوش رنگ اجالوں سے نمودار سحر بانٹ

آنکھوں کا تقاضا ہے محبت کی نظر بانٹ

37 ٹ 155

پیشِ نظر ہے آئنہ پیکار سب الٹ
جو کچھ ہوا ہے مجھ سے نمودار سب الٹ

38 ٹ 157

یہ نرم نرم لہجہ، یہ نرم نرم آہٹ، تری ایک مسکراہٹ
یہ دھڑکنوں کا نغمہ، یہ میٹھی گنگناہٹ، تری ایک مسکراہٹ

39 ٹ 159

ہلکے ہلکے سرور کی آہٹ
یہ غزل ہے شعور کی آہٹ

40 ٹھ 161

جاری ہے ابھی دل سے ملاقات، ذرا بیٹھ
جانے کا نہیں وقت مرے ساتھ ذرا بیٹھ

41 ث 164

جو کچھ ہو گا ، اچھا ہو گا ، اللہ وارث
تیرا میرا ، میرا تیرا ، اللہ وارث

42 ث 168

کار زارِ حیات ، کارِ عبث
زندگی کیا ہے ، روزگارِ عبث

43 ث 173

اونچا نظر آتا ہے جو کردار کے باعث
جلتا ہے دیا بام پہ دیوار کے باعث

44 ث 175

ہر خواب کی تعبیر، سخن زاد کی میراث
ادراک سے پائی ہے یہ اجداد کی میراث

45 ج 178

یہ انحراف ہے نہ یہ جدت، سو احتجاج
زندہ نہیں ہے سچی روایت، سو احتجاج

46 ج 183

سرخ، گلابی، کھلتا کھلتا، خوشبو رنگ مزاج
بادِ سحر کا تازہ جھونکا، خوشبو رنگ مزاج

47 ج 186

کیا تماشا دکھا رہا ہے آج
آئنہ مسکرا رہا ہے آج

48 ج 188

خواب چہرے پہ سحر تاب اجلتا سورج
کب سے دیکھا نہیں مشرق سے نکلتا سورج

49 ج 190

بنتی ہے، ذرا دل کی سنیں بات، مہاراج
نازک ہیں بہت دیس کے حالات، مہاراج

50 چ 193

بنی بنائی ہوئی راہ پر لکیر نہ کھینچ
کسی لکیر پہ بار دگر لکیر نہ کھینچ

51 چ 197

آئینے سے جمالِ یار بھی کھینچ
تیری آنکھ ہے تو پیار بھی کھینچ

52 چ 200

زنگار ہو نہ جائے کہیں بے قرار سوچ
تصویر ہو رہا ہوں مجھے بار بار سوچ

53 چ 203

دھڑکنوں پہ رہتا ہے رابطہ ہمارے بیچ
دل سے دل ملاتا ہے راستہ ہمارے بیچ

54 چ 206

ایسا نہیں کہ یار ہوں، دو تین، چار پانچ
بس میرے غم گسار ہوں، دو تین، چار پانچ

55 چ 209

سرخ لبوں پر نظم ہوئی ہے نیلی نیلی آنچ
تاپ رہی ہے دھڑکن دھڑکن میٹھی میٹھی آنچ

56 چھ 211

خیال و خواب کی سچی کہانیاں مت پوچھ
گزر گئی ہیں کئی نوجوانیاں مت پوچھ

57 ح 213

رکھا ہے طاقچے میں جو ہر دم چراغِ صبح
جلتا رہے گا یونہی مجسم چراغِ صبح

58 ح 219

عکسِ روئے جمال کی تشریح
آئنہ ہے خیال کی تشریح

59 ح 221

دل کا بیانیہ ہے، دکھانا صحیح صحیح
اے خوش نظر، نگاہ ملانا صحیح صحیح

60 ح 223

جلتا ہوا چراغ جو رکھا حضورِ صبح
احساس کی زمین پہ دیکھا وفورِ صبح

61 ح 226

خوب صورت خواب کا عنوان ہے قوسِ قزح
سات رنگوں سے کھلا جزدان ہے قوسِ قزح

62 خ 228

قرطاس کا سینہ ہے جنوں زاد کی تاریخ
لکھی ہے عجب خاک نے اجداد کی تاریخ

63 خ 232

سناٹے میں کان پڑی تھی پہلی چیخ
اس کے بعد سنائی دی ہے اپنی چیخ

64 خ 235

مہتاب سے اتری جو غزل زاد کرن شوخ
آنکھوں سے لپٹنے لگا بے باک بدن شوخ

65 خ 239

ڈوبے ہوئے دلوں کی کہانی ہے تلخ تلخ
لہجہ نمک ہے، آنکھ میں پانی ہے تلخ تلخ

66 خ 242

تیرا رخ ہے، میرا اپنا رخ
آئینے میں ہے، آئینے کا رخ

67 خ 244

کس محبت کی داستاں ہے سرخ
زرد مٹی ہے ، آسماں ہے سرخ

68 خ 247

پیش منظر ہے زندگی کا رخ
آئنہ ہے کہ آگہی کا رخ

69 خ 250

جینے نہیں دیتا ہمیں حالات کا برزخ
کیوں صبح میں حائل ہے سیاہ رات کا برزخ

70 د 254

احساس کے دروں ہے یہ جادو تمام شد
ہوتی نہیں ہے پھول پہ خوشبو تمام شد

71 د 257

جدت کے نام پر ہیں روایات مسترد
تازہ سخن پہ حرف و حکایات مسترد

72 د 261

لہجہ حسیں گلاب سا اسلوب منفرد
سب لوگ کہہ رہے ہیں ، بہت خوب ، منفرد

263 د 73

یاد رکھے گی کیا کیا دنیا، تیرے میرے بعد
تیرا ہے کیا؟ میرا ہے کیا؟ تیرے میرے بعد

266 دھ 74

احساس کے دھاگے سے مرے دل کی صدا باندھ
جینا ہے محبت میں تو پیمان وفا باندھ

268 دھ 75

پھر چھیڑ محبت سے غزل رنگ غنا باندھ
سرگم کے حسیں رنگ مرے نغمہ سرا! باندھ

270 ڈ 76

احساس کے رستے میں پڑے خاک بسر ڈھونڈ
آئیں جو ترے کام وہی لعل و گہر ڈھونڈ

275 ڈ 77

ہم فقیروں کی جھونپڑی مت ڈھونڈ
اپنے حصے کی دھوپ میں چھت ڈھونڈ

279 ڈ 78

ظلمت کدے میں کیوں ہے سیاہ رات کا گھمنڈ
جب صبح ہو چکی ہے تو کس بات کا گھمنڈ

79 ڈ 282

کھینچ لیتا ہے کتنے پیارے شیڈ
آئنے میں ہیں کیا ہمارے شیڈ

80 ذ 285

چھایا ہے عجب ذہن میں خنّاس، تعوّذ
آسیب کے سائے میں ہے احساس، تعوّذ

81 ذ 288

افسانہ ءحیات سے کیا کیجیے اخذ؟
اندر کی واردات سے کیا کیجیے اخذ؟

82 ذ 292

آسیب زدہ ہوں، مرے مرشد! کوئی تعویذ
سائے کے برابر ہے مرا قد، کوئی تعویذ

83 ر 295

آئنے کا جہاں، کچھ یہاں، کچھ وہاں، مختصر مختصر
یہ زمیں آسماں، یہ مکاں لامکاں، مختصر مختصر

84 ر 300

رازداری کا عمل ہے، اتنا سادہ تو نہ کر
آنکھ میں ٹھہرا ہوا غم بے لبادہ تو نہ کر

85 ر 303

رکتی ہیں کہاں آنکھیں خوش تاب نظارے پر
دل اور ہمکتا ہے خواہش کے ہلارے پر

86 ر 306

ظلمتوں کے دور میں روشنی کے بام پر
اک چراغ رکھ دیا زندگی کے بام پر

87 ڑ 310

ذرا سی بات پہ گھرے تعلقات نہ چھوڑ
بڑھا کے ہاتھ محبت سے میرا ہاتھ نہ چھوڑ

88 ڑ 314

جلے چراغ بجھاتے ہوئے ہوا کے موڑ
ہمارے بیچ کے رستے میں ہیں انا کے موڑ

89 ڑ 318

منظر منظر خواب دکھائے آئینوں کی بھیڑ
شہروں شہروں سیر کرائے کن رستوں کی بھیڑ

90 ڑ 321

شہر کی آلودگی سے دور میرے سبز پیڑ
زندگی کے حسن سے بھرپور میرے سبز پیڑ

91 ز 324

احساس کی لو کم ہے، ابھی کم ہے، ذرا تیز
اے دل کے دیے تجھ میں اگر دم ہے، ذرا تیز

92 ز 327

دل کی دھڑکن ، غزل نشیں آواز
زندگی ہے تری حسیں آواز

93 ز 330

فریبِ شہر تمنا، سراب سحر انگیز
دل و نگاہ میں رہتا ہے خواب سحر انگیز

94 ژ 333

ہوتی ہے کہاں سوچ کی دیوار سبوتاژ
ہو جاتے ہیں اس کھیل میں کردار سبوتاژ

95 ژ 336

داستانِ صبحِ نو ہے خواب کی رپورتاژ
خوش نظر جمال ہے سراب کی رپورتاژ

96 ژ 340

منافقت کا وتیرہ ، سخن تراش کی ژاژ
قبول عام ہے ٹی وی پہ بدمعاش کی ژاژ

342 ژ 97

ترے خیال کی دنیا ہے دل نشیں کولاژ
سجا لیا ہے محبت بھرا حسیں کولاژ

344 س 98

دیکھنے والے عجب موج میں آئے ہیں کہ بس
چشمِ حیرت نے وہ آئنے بنائے ہیں کہ بس

346 س 99

بجھے آئنہء دل کی نہ پیاس، ہذا القیاس
ملے ہم دم کوئی مردم شناس، ہذا القیاس

349 س 100

کہاں کہاں لیے چلتی ہے اک نگاہِ ہوس
کھلی نہیں مری آنکھوں پہ کارگاہِ ہوس

354 ش 101

تبدیل ہو رہا ہے سماں ، ہوشیار باش!
لٹ جائے نہ خوابوں کا جہاں، ہوشیار باش!

359 ش 102

مار ڈالے نہ کہیں اور سفر کی خواہش
مجھ کو سونے نہیں دیتی ہے سحر کی خواہش

103 ش 363

خوش تاب، خوش نظر ہے وہ کتنا حسین نقش
آئنہ ء خیال ہے ، دل کا مکین نقش

104 ش 366

کھلتی ہے غزل زار میں گل فام سی خواہش
قرطاس پہ رکھی ہے وہ بے نام سی خواہش

105 ص 369

دل کا ہر انداز نرالا ، دل کی ساری باتیں خاص
دل کے الھڑ کھیل نرالے، الٹی سیدھی گھاتیں خاص

106 ص 371

آئنہ ء خیال ہے ذوقِ جمالِ رقص
احساس کے بدن میں ہے کیا خیالِ رقص

107 ض 373

جو ہو رہا ہے ، اچھا نہیں ہے ، سو اعتراض
وہم و گماں کی حد پہ یقیں ہے، سو اعتراض

108 ض 375

مسندِ قرطاس پر اہلِ قلم ! آداب عرض!
حرف کے ادراک سے پایا ہے نم، آداب عرض!

109　ض　377

ایک مدت سے ہیں جو ہم ناراض
زندگی ہے قدم قدم ناراض

110　ض　379

چراغِ عشق پہ لازم ہے روشنی کا قرض
سو جان و دل سے اتاریں گے زندگی کا قرض

111　ض　382

بارش سے دھل گئی ہے جمی گرد الغرض
سر سبز ہو رہے ہیں کئی زرد الغرض

112　ط　384

میں بھی کیا، جو تو کیا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط
بس ہو گیا یہ فیصلہ، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

113　ط　388

یہ عشق بھی ہے مسندِ منصور ، احتیاط!
جی کا زیاں ہے وقت کا دستور ، احتیاط!

114　ط　392

دیدہ و دل کو میسر ہے سرِ خواب نشاط
صبحِ آئنہ ہوا ہے کوئی خوش تاب نشاط

115 ط 395

سات رنگوں سے نہ کر یوں اختلاط
آئنے کے سامنے کچھ احتیاط!

116 ظ 397

مرے شعور کے پہلے مکاں خدا حافظ
مری زمین، مرے آسماں خدا حافظ

117 ظ 401

یہ صبح دم، سیاہ رات، الامان، الحفیظ
چراغ ہیں ہوا کے ہاتھ، الامان، الحفیظ

118 ظ 404

جہان سنگ میں رکھا ہے آئنہ محفوظ
مرے وجود کے اندر ہے کیا سے کیا محفوظ

119 ع 408

جاری ہے ابھی پہلا سفر حسبِ توقع
مل جائے گی منزل پہ سحر حسبِ توقع

120 ع 410

ہوا کے نام آخری چراغ تھا، سو الوداع
اب اس کے بعد روشنی کا راستہ، سو الوداع

121 ع 414

لکھا ہے محبت سے ترے نام پہ مصرع
ہوتا ہے تری صبح ، تری شام پہ مصرع

122 ع 417

آنکھوں میں سجی دیدہ ء بے دار کی شمع
جلتی ہے سرِ خواب ترے پیار کی شمع

123 ع 421

قدم قدم پہ خارا نگر نگر ضائع
ترے بغیر ہوا ہے مرا سفر ضائع

124 غ 425

دل و نگاہ سے ملتا ہے زندگی کا سراغ
اسی ملاپ کے اندر ہے آگہی کا سراغ

125 غ 427

موج ہوا کے ہاتھ لگا آخری چراغ
ہر موڑ پر جلے گا مرا آخری چراغ

126 غ 430

غبارِ جاں میں بھی رکھا ہے آئنہ بے داغ
چراغِ دل سے چمکتا ہے راستہ بے داغ

127 غ 433

جلتے ہیں دل کے داغ ، اے شہر بے چراغ
ہم ہیں ترے چراغ ، اے شہر بے چراغ

128 غ 435

سبز نشیمن میں پلتے ہیں کالے کالے زاغ
کونپل کونپل نوچ رہے ہیں ہاتھوں پالے زاغ

129 غ 437

کیسے کروں میں کوچہ ء ادراک سے دریغ
کرنا پڑے گا پھر مجھے افلاک سے دریغ

130 ف 440

عکس میرا ہوگیا ہے آئنہ میرے خلاف
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگیا میرے خلاف

131 ف 443

پیش نظر ہے خواب کا امکان صاف صاف
تعبیر سے کھلے گا یہ وجدان صاف صاف

132 ف 446

آئنہ ء جہان ہے، قرآن صاف صاف
کتنی حقیقتوں کی ہے پہچان صاف صاف

133 ف 448

جاناتھامیں نے واہ سے لاہور کی طرف
رستہ بدل گیا ہے کسی اور کی طرف

134 ف 450

ظالم کے ہم نوا ہیں نہ کم زور کی طرف
ہم لوگ بھاگتے ہیں کس آخور کی طرف

135 ف 452

احساس کے دروں ہے مسلسل صدائے حرف
رکھا ہوا ہے دل نے مجھے آشنائے حرف

136 ق 455

کب مانتا ہے ہجر کی دیوار، میرا عشق
اس پار میرا عشق ہے، اس پار میرا عشق

137 ق 457

نورِ سحر سے ہو گا نمودار میرا عشق
کردے گا زندگی کو ضیا بار میرا عشق

138 ق 459

کھل رہا ہے آئنہ در آئنہ پہلا ورق
زندگی کے نام ہے احساس کا پہلا ورق

139 ق 462

دم دم صدائے ہو ، دم دم صدائے حق
دل کی زبان ہے ، پیہم صدائے حق

140 ک 465

زندگی کا سفر خواب سے خواب تک
میرے شام وسحر خواب سے خواب تک

141 ک 468

ترے سیاق، ترے متن اور سباق پہ خاک
اے کج کلاہ! ترے ایسے طمطراق پہ خاک

142 ک 472

پیش منظر ہوئی سیاہ سڑک
دیکھتی رہ گئی نگاہ سڑک

143 ک 475

کھلتا ہے مرے دل پہ وہ دروازہ ءادراک
پڑھتا چلا جاتا ہوں میں افسانہ ءادراک

144 ک 478

زخم حیات پر ہے مری جان کا نمک
ناخن میں آ گیا ہے ترے دھیان کا نمک

145 ک 487

زندہ ہے ترے نام سے احساس ابھی تک
رہتا ہوں محبت میں ترے پاس ابھی تک

146 کھ 491

کسی چراغ کا دکھ ہے نہ انقلاب کا دکھ
شکستِ ذات کا دکھ ہے شکستِ خواب کا دکھ

147 کھ 493

ہجر سے آباد تنہائی نہ دیکھ
دل کا دریا ہے یہ گہرائی نہ دیکھ

148 گ 496

روایتوں کے پجاری نہیں ہوئے ہم لوگ
وفا کے سندھ میں کاری نہیں ہوئے ہم لوگ

149 گ 499

خوش تاب، خوش خیال، محبت کے سات رنگ
مہتاب، مہ جمال، محبت کے سات رنگ

150 گ 503

آئنہ ء حیات نہیں ماورائے سنگ
پتھر کی آنکھ میں ہے ابھی تک صدائے سنگ

151 گ 506

ہم پر کھلی نہیں ہے کبھی کیمیائے سنگ
ہم لوگ دیکھتے ہیں وہی جو دکھائے سنگ

152 ل 510

حرفِ تقدیسِ سخن ہے، مرا معیارِ غزل
میں روایت سے نکالوں گا نیا زارِ غزل

153 ل 514

جمالِ حرفِ نمو ہے، ضیائے موجِ غزل
صریرِ غنچۂ جاں ہے، صدائے موجِ غزل

154 ل 520

توڑ دے ہر گماں نہ شک میں ڈال
ڈالنا ہے تو دل کسک میں ڈال

155 ل 523

عشق ہے یا کہ بے خودی کا کھیل
کون جیتا ہے زندگی کا کھیل

156 ل 525

سارے گاما پا دھانی سا، سرگم! کچھ تو بول
دل کی دھڑکن ڈول رہی ہے، ہم دم! کچھ تو بول

157 ل 529

ملا نہیں ہے محبت کو راستہ فی الحال
ہمارے بیچ رہے گا یہ فاصلہ فی الحال

158 ل 532

زندگی ہے ، جناب ! کوئی حل
مسئلہ ہے خراب ، کوئی حل

159 م 535

ایک ماہ تمام ہے ہم دم
زندگی جس کے نام ہے ہم دم

160 م 539

عشق ہے ، منہ زور دریا کی روانی اور ہم
سانس کی رفتار پر دل کی کہانی اور ہم

161 م 542

زندگی کے حصار میں گم صم
دل ہے کیسے خمار میں گم صم

162 م 546

دل مچلتا ہے ، پیار میں گم صم
دم نکلتا ہے ، پیار میں گم صم

163 م 549

آنکھوں میں اترتی ہے کوئی شام لبِ بام
کھلتا ہے ترا نام سرِ عام لبِ بام

164 م 552

آنکھوں سے کوئی جام ! اے گردشِ ایام
گرتا ہوں، مجھے تھام ! اے گردشِ ایام

165 م 555

دل و نظر سے کشیدہ کلام تیرے نام
مرا وجود، مرے صبح و شام تیرے نام

166 م 558

دنیا سے تو ایسے ہی گزرنے کے نہیں ہم
ہر عہد نبھائیں گے مکرنے کے نہیں ہم

167 م 560

سحر کے خواب رکھے ہیں سرِ موجِ غزل ہمدم
سخن کے بام پر کھلتے رہیں تازہ کنول ہمدم

168 ن 563

آئنہ ہے تیرا واصف اور میں ہوں انجان
دنیا تیرے حال سے واقف اور میں ہوں انجان

169　ن　566

آنکھوں سے بولتا ہے محبت میں کم سخن
خاموش تو نہیں مری چاہت میں کم سخن

170　ن　569

میں دشت قیس کو نکلا نہیں، دوانے سن!
مرا وجود یہیں ہے، مرے زمانے سن!

171　ن　572

فصل گل کا خراج ؛ ناممکن
کوئی خوشبو مزاج ؛ ناممکن

172　ں　575

مرے ہم سخن، مرے ہم زباں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟
کوئی فاصلہ نہیں درمیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

173　ں　579

مجھ پہ کھلتا ہے محبت میں درِ ذوقِ جنوں
نام لیتا ہوں کسی کا بر سرِ ذوقِ جنوں

174　ں　583

یہ نہیں کہ دھرتی پر اپنی جان دیتے ہیں
ہم تو سانس لینے پر بھی لگان دیتے ہیں

175 ں 587

ڈھلی ہیں پتھر سے آئنے میں، سراب آنکھیں نئی نئی ہیں
ہزار چہرے، ہر ایک چہرے میں داستانیں کئی کئی ہیں

176 ں 589

ملنے جلنے کو بھی تہذیب بنا لیتے ہیں
ہم ملاقات کو تقریب بنا لیتے ہیں

177 ں 591

من پسند صورت کو دیکھ کر مچلتے ہیں
ہم تو بس محبت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

178 ں 594

ایسا نہیں چمن میں ہرے ہی ہرے میں ہیں
کچھ زرد بھی خزاں کے سمے ہی سمے میں ہیں

179 ں 596

دلوں کے بیچ محبت ہی تال میل نہیں
یہ عشق جان کا سودا ہے کوئی کھیل نہیں

180 و 599

زندگی خواب ہے، اس خواب کی تعبیر ہے تو
میرے کمرے میں سجی آخری تصویر ہے تو

181 و 603

تجھ کو دیکھوں ، نظر ہو نہ ہو

تو ملے تو سحر ہو نہ ہو

182 و 607

خیال وخواب میں شامل نوائے اللہ ہو

صریر خامہ ءجاں ہے صدائے اللہ ہو

183 و 609

دل کے مصرعے پہ تازہ غزل تو کہو

ہم سخن شعر کوئی سجل تو کہو

184 و 612

الفاظ کی خوشبو ہے کہ قرطاس کی خوشبو

مہکی ہے کتابوں میں جو احساس کی خوشبو

185 و 615

محبت کا آغاز، تمہید تم ہو، مری عید تم ہو

نئی زندگی، میری تجدید تم ہو، مری عید تم ہو

186 ہ 617

مسکراتا ہوا حسیں لہجہ

پھول جیسا ہے دل نشیں لہجہ

187 ہ 621

عکس کھلنے لگا زاویہ زاویہ
میں سمٹنے لگا دائرہ دائرہ

188 ہ 625

آخری رہ گزر ، آخری راستہ
روشنی کا سفر آخری راستہ

189 ہ 632

نئے چراغ جلانے کا واقعہ ہے یہ
سحر کے بام پہ آنے کا واقعہ ہے یہ

190 ہ 637

مری زندگی ، مرا فلسفہ ، مرا مسئلہ
کوئی ناتمام سا دائرہ ، مرا مسئلہ

191 ہ 641

الجھ گیا ہوں زمانے کے ساتھ خواہ مخواہ
جڑا ہے نام فسانے کے ساتھ خواہ مخواہ

192 ہ 644

دیار جاں میں ہمارا ، کھلا ہے دروازہ
کسی نے دل سے پکارا ، کھلا ہے دروازہ

193 ی 648

دل میں رکھی ہوئی ہیں دلیلیں نئی نئی
جینے کے واسطے ہیں سبیلیں نئی نئی

194 ی 650

سفید کو تم سیاہ کر دو ، تمھاری مرضی
جسے بھی چاہو تباہ کر دو ، تمھاری مرضی

195 ی 653

سائے جدا ہوئے تو قیامت گزر گئی
جب ہم خفا ہوئے تو قیامت گزر گئی

196 ی 657

حسین نظر کے تبسم سے دل کی بات بنی
مجھے لگا تری آنکھوں سے کائنات بنی

197 ی 660

دل پر کسی بھی رنگ حقیقت نہیں کھلی
کہتا ہے کون مجھ پہ محبت نہیں کھلی

198 ے 663

سجتی ہے ترے دم سے مری خواب سرائے
احساس کی دنیا ہے یہی خواب سرائے

199 ے 667

دھوپ کی علامت سے دل کا درد کہنا ہے
سرخ سرخ ظلمت کو زرد زرد کہنا ہے

200 ے 669

یہ آئنے کا تماشا خرید سکتا ہے
کوئی تو ہے جو زمانہ خرید سکتا ہے

201 ے 671

دو لفظوں کی دو دھاری تلوار سے خطرہ ہے
شاعر کو اب اپنے ہی اشعار سے خطرہ ہے

202 ے 674

کہتے ہیں زندگی کا پرانا رواج ہے
جینا تو آدمی کا پرانا رواج ہے

203 ے 677

پڑھنے لگے تو کتنے سرابوں میں کھو گئے
ہم لوگ زندگی کی کتابوں میں کھو گئے

204 ے 680

دنیا سے لیا ہے نہ زمانے کو دیا ہے
جو وقت ملا ہے وہ ترے سنگ جیا ہے

205 ے 682

احساس کے سفر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟
اک خواب کی سحر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

206 ے 685

خوش تابی نظر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟
خوابوں کی رہ گزر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

207 ے 688

کتنے سرسبز ہیں اشجار خزاں سے پہلے
موسم گل میں ہیں سرشار خزاں سے پہلے

208 ے 691

ساتھ چلتے ہیں کڑی دھوپ کے سائے، ہائے!
کون سورج سے مری جان چھڑائے، ہائے!

209 ے 694

غزل سرا ہے وہ شیریں مقال، کیا کہنے
نہال ہونے لگے ہیں غزال، کیا کہنے

210 ے 698

غلام عہد میں آزاد بھی تڑپتا ہے
وہ جبر ہے کہ ستم زاد بھی تڑپتا ہے

211 ے 701

مشرقی حسن کا انداز الگ رکھا ہے
اس نے ساڑھی میں چھپا راز الگ رکھا ہے

212 ے 703

غزل بھری بہار ہے، بہار ہی بہار ہے
سخن پہ جو نکھار ہے ، بہار ہی بہار ہے

213 ے 706

ہم نے لگائے دام تو کھوٹے کھرے ہوئے
جو زرد ہو چکے تھے وہ پھر سے ہرے ہوئے

214 ے 709

ایک دوجے کو ہم کتنے پیارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے
عشق دریا ہوا ہم کنارے ہوئے ، تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

215 ے 712

یہ کس نے مجھ پہ محبت کا دم کیا ہوا ہے
کہ اپنے آپ سے ملنا بھی کم کیا ہوا ہے

216 ے 715

دل و نگاہ کا رشتہ بہم کیا ہوا ہے
ترا وجود خیالوں میں ضم کیا ہوا ہے

پیش رس

ریختہ میں نے بھی دیوان کیا ہے ہمدم
میر کے در سے اٹھائی ہے صدائے غالب

اردو شاعری میں دیوان کی روایت ولی دکنی سے شروع ہے جنھیں پہلا صاحب دیوان شاعر سمجھا جاتا ہے۔ دبستان دکن، دبستان دلی اور دبستان لکھنو میں صاحب دیوان ہی مستند شاعر ہوئے۔ شاعری دربار سے مشاعرے تک پہنچی تو شعری مجموعے کی اشاعت تاریخی تقاضا ٹھہری۔ دراصل شعری مجموعہ ہی دیوان کہلایا جسے اساتذہ نے عربی و فارسی روایت کے تحت ردیف وار ترتیبِ حروفِ تہجی سے مرتب کیا۔ کئی اساتذہ ایک سے زائد دواوین کے شاعر ہوئے۔ میر کے چھے دیوان شائع ہوئے۔ دیوان غالب منتخب غزلیات پر مشتمل ہے جسے غالب کے ہونہار شاگردوں نے مرتب کیا۔ مصحفی، انشا، جرات، امیر مینائی، ناسخ، آتش، درد، نظیر، حالی، سودا، مومن، داغ جیسے اساتذہ کے دیوان اردو شاعری کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

دیوان کی روایت اردو شاعری میں فارسی سے منتقل ہوئی ہے۔ فارسی میں دیوان کا تصور بہت پہلے سے موجود تھا۔ جب اردو نے اپنی ادبی شناخت پائی تو یہ روایت بھی اس کا حصہ بنی۔ اردو کی ابتدائی حالت میں صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا شرف امیر خسرو کو حاصل ہے تاہم، باقاعدہ دیوان کی شکل دکن میں ملتی ہے۔

دکنی دور میں محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی اور ولی دکنی جیسے شعرا نے دیوان کی روایت کو پروان چڑھایا۔ ولی دکنی کو اردو غزل کا بابا آدم بھی کہا جاتا ہے اور ان کے دیوان کی اشاعت نے شمالی ہند میں اردو شاعری کو ایک نئی سمت دی۔ ان کے دیوان کی دہلی آمد کے بعد شمالی ہند کے شعرا میں اردو شاعری کا رجحان بڑھا اور یوں اردو شاعری نے فارسی کے اثر سے نکل کر اپنی انفرادی پہچان بنانا شروع کی۔

کلاسیکی دور (دبستانِ دہلی اور لکھنؤ) میں دیوان کا تصور اپنے عروج پر پہنچا۔ اس دور کے ہر بڑے شاعر نے اپنا دیوان مرتب کیا جس میں نہ صرف زبان و بیان کی خوبصورتی ملتی ہے بلکہ اس دور کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔ غالب کے دیوان کو اردو شاعری کی معراج سمجھا جاتا ہے۔

بیسویں صدی اردو شاعری میں نئے رجحانات کی صدی ہے۔ رومانوی اور ترقی پسند تحریک کے زیرِ اثر نظم و غزل کے شعری مجموعے عنوانات کے تحت شائع ہونے کا رجحان بڑھا۔ علامہ اقبال، اختر شیرانی، جوش ملیح آبادی، جگر مرادآبادی، حسرت موہانی، فراق گورکھ پوری، ن م راشد، میرا جی، فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ناصر کاظمی، تابش دہلوی، حفیظ جالندھری، مجید امجد، قیوم نظر، ساحر لدھیانوی، بشیر بدر، ثروت حسین، شکیب جلالی، قتیل شفائی، ظفر اقبال، احمد فراز، ساغر صدیقی، منیر نیازی، جمال احسانی، جون ایلیا، سلیم کوثر، محسن نقوی، پروین شاکر، احمد مشتاق، افتخار عارف، فرحت عباس شاہ، عدیم ہاشمی، عباس تابش، منصور آفاق، ڈاکٹر خورشید رضوی جیسے اہم شعرا کے ساتھ ساتھ بہت سے دیگر شعرا کے شعری مجموعے روایت سے جدت تک تخلیقی ارتقا رکھتے ہیں۔ اس دور انیے میں کم کم شعرا نے باقاعدہ دیوان مرتب کیے۔ عصر حاضر میں منصور آفاق نے خوب صورت

دیوان مرتب کیا۔حال ہی میں نوجوان شاعر دلاور علی آزر نے اپنا دیوان مرتب کیا ہے۔کچھ نعت گوشعرا نے نعتیہ دیوان بھی مرتب کیے ہیں۔

اکیسویں صدی کا آغاز ذرائع ابلاغ میں انقلاب سے ہوا۔سماجی رابطے میں سوشل میڈیا کا کردار بہت اہم ہے۔اردو زبان وادب کے فروغ میں سوشل میڈیا نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔فیس بک ادبی گروپ وجود میں آئے تو ہفتہ وار طرحی وغیر طرحی مشاعروں کا سلسلہ شروع ہوا۔کچھ گروپس میں دیوان کی روایت کی تجدید کے لیے پابند حرفی ردیف کے ساتھ غزل کہنے کی تحریک سے بہت سے شعرا صاحب دیوان ہوئے۔

موج غزل ادبی فورم فیس بک پر ایک متحرک گروپ ہے جس کا آغاز ہم نے اپریل 2016 میں کیا۔نوید ظفر کیانی، روبینہ شاہین بینا اور قدسیہ ظہور میرے ساتھ اس کے بانی منتظمین تھے۔اس گروپ میں ابتدائی طور پر ہفتہ وار طرحی مشاعرے ہوئے مگر پچاس مشاعروں کے بعد غیر طرحی مشاعروں کی داغ بیل ڈالی گئی اور منفرد قوافی اور منفرد ردیف کے ساتھ ساتھ پابند حرفی ردیف رکھتے ہوئے تمام حروف تہجی کے مطابق مشاعروں کا سلسلہ شروع کیا گیا۔اب تک اسی سے زائد ایسے مشاعرے منعقد ہو چکے ہیں جن میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرنے والے بیسیوں شعرا صاحب دیوان ہو چکے ہیں۔

زیر نظر دیوان بہ عنوان ”دم“ میں شامل غزلیات زیادہ تر موج غزل کے گذشتہ آٹھ سال میں منعقدہ مشاعروں کے پابند حرفی ردیف رنگ میں کہی گئی ہیں۔یہ غزلیات میرے کسی اور شعری مجموعہ میں شامل نہیں ہیں۔

روایت سے محبت اور جدت کی خواہش میرے خمیر میں ہے۔کچھ نیا کہنے کی جستجو میری تخلیق کا بنیادی محرک ہے۔دیوان کی مٹتی روایت کی تجدید میں اپنا شعری سرمایہ اعزاز سمجھتا

ہوں۔میری غزل داخلی وخارجی کیفیات کا آئینہ ہے۔میرے جذبات واحساسات زندگی سے کشیدہ ہیں۔میری فکر حسبِ حال اور تہذیب حاضر کا منظرنامہ ہے۔مجھے ادراک ہے کہ تخلیق کی پیاس کبھی ختم نہیں ہوتی۔فکری وفنی تشنگی ہی دراصل کچھ نیا کہنے کی تحریک ہے۔میرے شعور میں سمائے ادھورے مصرعے غزل ہونے تک دل و دماغ متحرک رکھتے ہیں۔یہی رزقِ سخن میرا سرمایہ ہے۔امید ہے اردو ادب میں میرا یہ نذرانہ شرفِ قبولیت پائے گا۔خوش مرادی میری منزل ہے۔اللہ مجھے بامراد فرمائے۔آمین

دم کی برقی اشاعت کا اہتمام مکتبہء ارمغان ابتسام اور موج غزل کے منتظم جناب نوید ظفر کیانی نے کیا ہے۔میں ان کی بے لوث محبت کا مقروض ہوں۔اللہ ان کو صحت وسلامتی کے ساتھ شاد باد اور سرسبز وشاداب رکھے۔آمین

ہاشم علی خان ہمدم

26 ستمبر 2025ء

(حمد باری تعالیٰ)

الحمد ! میرے رہ بر ، اللہ کرم کرنا
حاضر ہوں ترے در پر ، اللہ کرم کرنا

دامن میں یقیں تیرا ، ایمان رہیں تیرا
رحمت کے امیں ، داور ، اللہ کرم کرنا

مشرق میں ترا جھنڈا، مغرب میں ترا چرچا
ہر سمت ترا منظر ، اللہ کرم کرنا

تو خالقِ خشک و تر، تو مالکِ بحر و بر
تو بود و نمو ، جوہر ، اللہ کرم کرنا

یہ چاند ستارے بھی، قدرت کے نظارے بھی
کہتے ہیں تجھے اکبر ، اللہ کرم کرنا

میں دھوپ نگر میں ہوں، سورج کے سفر میں ہوں
سر پر ہے تری چادر ، اللہ کرم کرنا

صرصر کو صبا کرنا ، رحمت سے عطا کرنا
سرسبز ہو دل بنجر ، اللہ کرم کرنا

دربار حسیں رکھا ، ایوان بریں رکھا
عالی ہے ، توئی برتر ، اللہ کرم کرنا

چلتے ہیں سوئے بطحا، منزل ہے کوئے طیبہ
لبیک ! کرم ہم پر ، اللہ کرم کرنا

فیضِ شہ عالم سے ، سرکارِ دوعالم سے
دل تیرا ہوا خوگر ، اللہ کرم کرنا

دل نے بھی درودوں سے اک عرض سجائی ہے
اے حرفِ دعا ، انور ، اللہ کرم کرنا

مقصود کرم تیرا ، مطلوب کرم تیرا
ہمدم پہ سرِ محشر ، اللہ کرم کرنا

(ہدیہء عقیدت بہ حضور سرور کائنات وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تخلیق رنگ و بو کا ارادہ کیا گیا
اک اسم کی نمو کا ارادہ کیا گیا

محبوب اور محب میں محبت کے واسطے
من کے حضور تو کا ارادہ کیا گیا

چاہا گیا کہ چاہنے والا بھی کوئی ہو
اک حسنِ خوب رو کا ارادہ کیا گیا

اک نقش کائنات کی بود و نمو میں تھا
جب کیمیائے ہو کا ارادہ کیا گیا

عرشِ بریں پہ لا کے خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
معراجِ رو برو کا ارادہ کیا گیا

رمزِ مقطعات کی صورت کتاب میں
اک خاص گفتگو کا ارادہ کیا گیا

مے خانۂ کثیر کی بنیاد پڑ گئی
جب بادہ و سبو کا ارادہ کیا گیا

سرکارِ دو جہاں کی فضیلت کے باب میں
صَلُّو وَسَلِّمُو کا ارادہ کیا گیا

اک نور کا وفور سرِ لامکاں ہوا
نورانی آب جو کا ارادہ کیا گیا

ظاہر کیا گیا ہے ستارا زمین پر
وہ جس کی جستجو کا ارادہ کیا گیا

کامل ہوا ہے دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے
تکمیلِ آرزو کا ارادہ کیا گیا

ہمدم شعورِ نعت رکھا جب خمیر میں
اک حرفِ موبہ مو کا ارادہ کیا گیا

(۱)

حرف تازہ کشید کرتا ہوا
میں غزل سے اٹھا نکھرتا ہوا

پھول جیسا ہے مجھ کو رزقِ سخن
رنگ موجِ غزل میں بھرتا ہوا

نفرتوں سے مجھے نہیں ڈرنا
مارا جاؤں گا پیار کرتا ہوا

بھیک میں زندگی نہیں لی ہے
مر کے پہنچا ہوں یار مرتا ہوا

مجھ کو تازہ ہواؤں نے چوما
میں نکھرتا گیا بکھرتا ہوا

ہر قدم پر چراغ جلتے ہیں
کون گزرا یہاں ٹھہرتا ہوا

من کے جنگل کو چاٹتا ہوا میں
اپنی خواہش کی گھاس چرتا ہوا

زرد ٹہنی کو سبز کرتے ہوئے
پنکھ زیتون پر اترتا ہوا

سلسلہ قیس تک تو پہنچے گا
عشق میں دشت سے گزرتا ہوا

کتنے دریاؤں سے الجھتا ہوں؟
ایک دریا کو پار کرتا ہوا

تم جسے خاک دان کہتے ہو
خالی برتن ہے میرا برتا ہوا

تیرے پہلو میں ڈوبتا ہوا میں
میرے دامن سے تو ابھرتا ہوا

کیسے رستے پہ چل پڑا ہمدم
دل کی دھرتی پہ پاؤں دھرتا ہوا

(ا)

یہ تماشا بھی مرے یار ! کئی بار ہوا
آئنہ مجھ سے نمودار کئی بار ہوا

کیا کہوں ؟ تجھ سے مجھے پیار کئی بار ہوا
میں محبت میں گرفتار کئی بار ہوا

میری یک طرفہ محبت کو یہ تاثیر ملی
میرا مطلوب ، طلب گار کئی بار ہوا

ایک بوسے کی حرارت کو سخن پوش کیا
لمس کا نقش غزل دار کئی بار ہوا

آنکھ کھلتے ہی ترے قرب کا منظر دیکھا
خواب در خواب میں بے دار کئی بار ہوا

وہ ستارا جو مری شام سحر کرتا ہے
رات پھیلی تو ضیا بار کئی بار ہوا

میں خزاؤں میں بھی سرسبز ہوا، کھلتا رہا
دل بہاروں سے ثمر بار کئی بار ہوا

ایک لمحے کی ملاقات میں سرشار ہوئے
اور پھر قرب لگاتار کئی بار ہوا

میں نے ہر بار محبت کی قسم کھائی ہے
میرے جینے کا یہ معیار کئی بار ہوا

ایک دوجے کی جدائی میں نہیں جی سکتے
دونوں جانب سے یہ اقرار کئی بار ہوا

نام سنتے ہی ترا دل کو سکوں ملتا ہے
میری دھڑکن سے یہ اظہار کئی بار ہوا

وقت کے ہاتھ جو لگ جائے وہ بچتا کب ہے؟
اس خرابے سے میں دوچار کئی بار ہوا

اپنے محدود وسائل میں ترقی کی ہے
ورنہ میں جبر سے پے کار کئی بار ہوا

چشمِ رحمت نے لگاتار مری لاج رکھی
میں تھا انسان ، زیاں کار کئی بار ہوا

اپنے احساس پہ اک جنگ مسلط رکھی
خود سے بھی بر سرِ پے کار کئی بار ہوا

میں جو کہتا تھا وہی بات خبر بنتی گئی
مجھ سے مشہور یہ اخبار کئی بار ہوا

کھینچ لیتا تھا مجھے آنکھ کا دریا ہمدم
دو کناروں پہ چلا ، پار کئی بار ہوا

(۱)

جو سوچنے لگا تھا وہ اندھا کیا گیا
ظلمت کا نقش ذہن میں کندہ کیا گیا

کتنے خدا تراش کے سینے میں رکھ دیے
پتھر جو سرگراں تھا وہ رندہ کیا گیا

دھوبی کے گھاٹ پر بھی تماشا عجب ہوا
جو پاک ہو رہا تھا وہ گندہ کیا گیا

اہلِ جہانِ زر کے بھی اپنے اصول تھے
دنیا کے کار و بار کو مندا کیا گیا

تاریخ کہہ رہی ہے کہانی وجود کی
تعمیر کر کے خاک سے بندہ کیا گیا

انسان بک رہا ہے نظامِ حیات میں
مجبوریاں خرید کے دھندا کیا گیا

وہ خودکشی کے وقت بڑا خوش لباس تھا
جس کے کفن کے واسطے چندہ کیا گیا

صیّاد کے قفس میں یہ کیسا رواج ہے؟
ہر ذی نفس کی سانس کو پھندہ کیا گیا

کاسب خدا کا دوست ہے کسبِ کمال میں
جینے کی آرزو میں جو تندہ کیا گیا

خاموش کیوں نہیں ہے وہ شعلہ مزاج شخص
جس کو سخن کے جرم پہ دندا کیا گیا

ہمدم غزل کا رنگ اسی سرخ رو کا ہے
جو پھول شاخِ حرف پہ خندہ کیا گیا

(۱)

میں خود سے ہم کلام سرِ آئنہ ہوا
ملنے کا اہتمام سرِ آئنہ ہوا

دھڑکن میں آگہی کا ستارا ٹھہر گیا
دل کا دیا دوام سرِ آئنہ ہوا

اک نقشِ آگہی نے منور کیا مجھے
اک عکس خوش خرام سرِ آئنہ ہوا

پھر اس کے بعد کوئی کنارہ نہیں ملا
دل بے کراں دوام سرِ آئنہ ہوا

چہرے بدل بدل کے دکھائی دیے مجھے
لوگوں کا اژدہام سرِ آئنہ ہوا

پھر بے خودی میں کچھ بھی سجھائی نہیں دیا
پہلی نظر کا جام سرِ آئنہ ہوا

دیکھی جبینِ حسن بھی آنکھوں سے چوم کر
چاہت بھرا سلام سرِ آئنہ ہوا

تمثال گر خیال نے خود بین کر دیا
اپنا ہی دل غلام سرِ آئنہ ہوا

جو کچھ بھی دیکھنا تھا دکھایا گیا مجھے
آنکھوں کا فیض عام سرِ آئنہ ہوا

پتھر کی داستان بھی شیشے میں آ گئی
قصہ مرا تمام سرِ آئنہ ہوا

پہلے تو پتھروں کو مری آنکھ مل گئی
پھر یوں ہوا یہ کام سرِ آئنہ ہوا

خوش تاب چاندنی تھی ستاروں کی جھیل میں
چہرہ مہ تمام سرِ آئنہ ہوا

شب کٹ گئی ، چراغ بجھے ، روشنی ملی
اک خواب صبحِ بام سرِ آئنہ ہوا

پھر اس کے بعد بام پہ کتنے دیے جلے
سورج چراغِ شام سرِ آئنہ ہوا

زلفوں میں چھپ گیا ہے فسانہ شباب کا
اک حسن زیرِ دام سرِ آئنہ ہوا

بس اور اور اور مری آرزو رہی
خواہش کا یہ نظام سرِ آئنہ ہوا

اک روشنی کا پھول درِ صبح پر کھلا
ہمدم سحر کے نام سرِ آئنہ ہوا

(۱)

چراغ جل رہے تھے جو بجھا دیے تو کیا ہوا
ہوا نے اپنے رنگ بھی دکھا دیے تو کیا ہوا

لکیر کھینچ دی گئی ہے جبر کی فصیل پر
دلوں پہ نقش نام تک مٹا دیے تو کیا ہوا

وہی انا کا شہر ہے، دلوں پہ جبر و قہر ہے
محبتوں کے سلسلے بڑھا دیے تو کیا ہوا

قفس میں بند سوچ کو دبا سکا نہیں کوئی
کٹے ہوئے تمام پر ، اڑا دیے تو کیا ہوا

نصیب میں جو خار تھے وہ چبھ گئے ہیں روح میں
ہتھیلیوں پہ پھول بھی بنا دیے تو کیا ہوا

سفر کی دھوپ میں وہی تو شام کے سراغ تھے
جو سنگ تھے گراں کبھی ، ہٹا دیے تو کیا ہوا

وہ چنتخب نصاب تو سراب ہی سراب تھا
سبق پڑھے ہوئے سبھی بھلا دیے تو کیا ہوا

وفا کا باب سرخ ہے مرے بدن کی خاک سے
قدم قدم پہ جان و دل بچھا دیے تو کیا ہوا

یہ ظلمتوں کی داستاں کچھ اور بڑھ گئی تو کیا؟
کہ صبحِ نو کے خواب تک جلا دیے تو کیا ہوا

وطن کا جسم جبر کی فضا میں چور چور ہے
اسے طرب کے گیت بھی سنا دیے تو کیا ہوا

جو گر چکے، سو گر چکے نگاہِ حق شناس میں
گرے ہوئے علم اگر اٹھا دیے تو کیا ہوا

چمن کی آن بان تو نمودِ سبزگی میں ہے
قلم کیے ہوئے شجر اگا دیے تو کیا ہوا

سفید پھول کھل رہے ہیں آگہی کے نور سے
سیاہ برگ رات میں چھپا دیے تو کیا ہوا

نوائے ہمدمِ سخن ، شعور کی پکار ہے
غزل غزل حروف بھی سجا دیے تو کیا ہوا

(۱)

دیکھنا تھا جو وقت دیکھ لیا
ہم نے آنکھوں کا بخت دیکھ لیا

دل کی چوپال میں قدم رکھا
داستاں گو درخت دیکھ لیا

جنگ کیسی ؟ عدو کے چہرے پر
ہم نے خوف شکست دیکھ لیا

کیسی دھمال میں پڑا ہوا تھا؟
دل کو مستِ الست دیکھ لیا

بیل انگور کی تھی کیکر پر
نرم لہجہ کرخت دیکھ لیا

اپنی تہذیب ہم نے کیا دیکھی ؟
نسخہ ء سنگ و خشت دیکھ لیا

دل کو جب عین شین قاف کیا
عشق کا بند و بست دیکھ لیا

اتنی وحشت ہوئی خموشی سے
اپنے گھر میں ہی دشت دیکھ لیا

آنکھ میں خاک سے بنا جگنو
پرتوِ بود و ہست دیکھ لیا

اتنا پانی نہیں سمندر میں
جتنا آنکھوں نے کشت دیکھ لیا

کیسے موسم ؟ بہار آتی ہے
ہر شجر لخت لخت دیکھ لیا

بادشاہوں سے دور بیٹھے ہیں
جن فقیروں نے تخت دیکھ لیا

خود سے آنکھیں ملا نہیں سکتے
کس بلندی کو پست دیکھ لیا

دیکھنے کی رہی نہ تاب مجھے
تو نے کیا مست مست دیکھ لیا

برق تازی نے روشنی بخشی
واقعہ پیش دست دیکھ لیا

کس خدائی کی بات کرتے ہو؟
کون سا خود پرست دیکھ لیا؟

اک ستارا تھا سبز دھرتی پر
ہم نے چودہ اگست دیکھ لیا

آئینے سے نظر ملی ہمدم
خوش نظر ، پیش رفت دیکھ لیا

(۱)

مجبور ہوئے لیکن معذور نہیں رہنا
گلشن کے پرندوں نے محصور نہیں رہنا

یہ بیل محبت کے پھولوں سے ہری ہو گی
کانٹوں بھری شاخوں پر انگور نہیں رہنا

یہ حسن کا سونا بھی چاندی میں بدلتا ہے
سوہنی ترے ماتھے پر سیندور نہیں رہنا

کٹتے ہوئے پیڑوں سے مٹ جائیں گی تہذیبیں
فولاد کے جنگل میں دستور نہیں رہنا

شیشے سے بنے پیکر ہم خاک نشیں ہوں گے
آئینہء ہستی میں ، بے نور نہیں رہنا

ہم نے تو روایت بھی اس طور نبھانی ہے
اسلاف کی نسبت سے مشہور نہیں رہنا

خوشبو کے جھروکے سے آ گئے بھی بہت کچھ ہے
ہر وقت گلابوں سے مسحور نہیں رہنا

چلتے ہوئے راہٹ سے یہ راز کھلا مجھ پر
بھرتے ہوئے لوٹوں نے معمور نہیں رہنا

چڑھتا ہوا سورج ہے، ہر نقش دکھاتا ہے
دنیا کی حقیقت نے مستور نہیں رہنا

ہر خواب حقیقت میں لانے کی تمنا ہے
یوں ہی تری یادوں میں مسرور نہیں رہنا

جھونکا تری خوشبو کا جینے کی علامت ہے
ٹوٹی ہوئی سانسوں سے دل چور نہیں رہنا

رہنا ہے ترے دل میں احساس کے پردے پر
ہنستی ہوئی آنکھوں سے اب دور نہیں رہنا

ہر چوٹ سکھاتی ہے جینے کا سبق ہمدم
حالات کے ہاتھوں سے رنجور نہیں رہنا

(۱)

یہ عشق بھی ہے نرا خسارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا
ملا نہیں تیرا کنارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

گلاب چہرے بہار کرنا ، کبھی ستارے شمار کرنا
حسین خوابوں کا گوشوارہ ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

یہ زندگی کا حسین چہرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں
حسین منظر ، حسین نظارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

غلام گردش میں کٹ رہے ہیں ہمارے دن بھی، تمھارے دن بھی
محل سرا ہے جہان سارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

کوئی تو ہے جو ہماری مٹی کے خاص لہجے میں بولتا ہے
وجود یوں ہی نہیں پکارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

لکیر کھینچی گئی ہماری نہ رمز توڑی گئی تمھاری
زمیں کے سینے پہ نقش اتارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

بدل بدل کے دکھا رہا ہے، چراغ رستہ بنا رہا ہے
چمک رہا ہے کوئی ستارا ، کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

ہم ایک دریا کے دو کنارے، ملے نہ لیکن جدا نہیں ہیں
بس ایک دوجے پہ ہے گزارا ،کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

ہوا نے کتنے چراغ پھونکے،خزاں نے کتنے چمن اجاڑے
بجھا نہیں ہے مگر شرارا ،کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

حسین آنکھوں نے خواب دیکھے،کبھی ہمارے،کبھی تمھارے
دلوں پہ کیسے رہا اجارا ، کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

بس ایک دل ہے، دھڑک رہا ہے،تڑپ رہا ہے، پھڑک رہا ہے
یہ سانس لیتا ہوا غبارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

جدھر بھی دیکھا،سب اپنے اپنے دکھوں پہ روتے ہوئے ملے ہیں
جہاں کو غم کیا ہوا گوارا ؟ کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

یہی کنایہ ہمارے خوابوں کی ڈوریوں کو ملا رہا ہے
ادھر ادھر ہے جو استعارا ، کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

ہم اپنے حصے کے خاص لمحے ،ہنسی ہنسی میں گزار بیٹھے
نہیں ہوا ایک پل دوبارا ، کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

دلوں سے مٹتے ہوئے زمانے کی داستاں تو رہے نہیں ہم
کہیں ،کوئی نام لے خدارا !کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

صبا چلی، پھول مسکرائے ،اداس آنکھوں میں رنگ آئے
حسین موسم نے دل بہارا ،کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

یہی وفا ہے کہ ایک دوجے کو اپنا اپنا ہی جانتے ہیں
انا کی بستی میں دل نہ ہارا ،کبھی ہمارا ،کبھی تمھارا

یہ کیسی خوشبو ہے زرد پتے نکھارتی ہے، بہارتی ہے
یہ کس ہوا نے چمن سنوارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

غزل غزل ہے ہماری دھڑکن، سخن سخن ہے ہمارا لہجہ
مزاج ہمدم ہے پیارا پیارا ، کبھی ہمارا ، کبھی تمھارا

(۱)

میں نے کہا، یہ پیار ہے؛ آزار ہے، اس نے کہا
میں نے کہا، اقرار ہے؛ انکار ہے، اس نے کہا

آسانیوں کا راستہ، کیوں ہجر کا باعث بنا
میں نے کہا، ہموار ہے؛ دیوار ہے، اس نے کہا

میں نے جسے غنچہ کہا، اس نے اسے شعلہ کہا
میں نے کہا، گل زار ہے؛ سب خار ہے، اس نے کہا

دل سے سنا، دل سے کہا، دل سے پڑھا، دل سے لکھا
میں نے کہا شہکار ہے؛ بے کار ہے، اس نے کہا

بے خود ہوا، بے کل ہوا، دل عشق میں پاگل ہوا
میں نے کہا سرشار ہے؛ مے خوار ہے، اس نے کہا

ہم آگہی، ہم آسری، ہم دلبری، ہم صفحگی
میں نے کہا غم خوار ہے؛ ناچار ہے، اس نے کہا

غمزہ، ادا، عشوہ، نظر، نخرہ، چلن، لہجہ، سخن
میں نے کہا، دلدار ہے؛ بے زار ہے، اس نے کہا

ادراک سے لپٹی ہوئی، احساس پر چھائی ہوئی
میں نے کہا، مہکار ہے؛ بے بار ہے، اس نے کہا

دل گردشِ ایام سے، اک حسرتِ ناکام سے
میں نے کہا دوچار ہے؛ بیکار ہے، اس نے کہا

جلتا چراغِ آگہی، کھلتا سراغِ زندگی
میں نے کہا، ضوبار ہے؛ نم دار ہے، اس نے کہا

مجھ کو رہی وارفتگی، اس کو رہی بے گانگی
میں نے کہا، منجھدھار ہے؛ بس یار ہے، اس نے کہا

ہمدم دلوں کا فیصلہ ٹھہرا ہوا ہے بیچ میں
میں نے کہا، اس پار ہے؛ اس پار ہے، اس نے کہا

(ب)

کھلتی ہے تیرگی میں کہاں یہ قبائے شب
ماہِ تمام پر ہی کھلے گی ردائے شب

اچھا ہے روشنی کا کوئی سلسلہ تو ہے
ملتا ہے خواب زاد کوئی آشنائے شب

تعبیر گر نصیب نہیں ہے تو کیا ہوا؟
دیکھیں گے خواب ہم بھی کبھی ماورائے شب

آئے گا کوئی آج مری خواب گاہ میں
رکھا ہے خواب دان سجا کر برائے شب

پچھلی صدی کے وسط سے چھائی ہے تیرگی
یہ کاروانِ خواب یہاں سے اٹھائے شب

وہ جس کو دیکھتے ہوئے عمریں گزار دوں
مجھ کو بھی ایک خواب عطا ہو خدائے شب

ہم نے دیارِ شام سے ہجرت ہے کی ہوئی
آغوش میں لیے ہے ہمیں بھی سرائے شب

میں خواب سے اٹھوں تو اجالے ہوں بام پر
اے کاش! زندگی میں وہ دن بھی دکھائے شب

دیکھیں یہ روشنی کا سفر کس طرح کٹے؟
سورج کے ہاتھ میں بھی وہی ہے ضیائے شب

میں جس قدر چراغِ سحر سے پرے جلوں
بجھتے دیے سے اور بھی دل کو جلائے شب

اندھی ہوا کو اپنے اندھیرے میں روک لے
جلتے دیے کی پیاس کبھی تو بجھائے شب

یہ کیا کہ خدّ و خال وہ دکھتے نہیں کہیں
کتنے ہی نقش دل پہ بنائے، مٹائے شب

وقتِ سحر میں خواب کی دنیا کو چھوڑ دوں
پھر خواب دے کہ مجھ کو ہنسائے، رلائے شب

کتنے حسین خواب ابھی دیکھنے کو ہیں
آنکھوں کے راستے میں نہ کانٹے بچھائے شب

سو کر اٹھوں تو سامنے ماضی دکھائی دے
دن بھر کسی کی یاد دلائے، ستائے شب

مے سے وضو کرے گا وہ ساقی اذان دے
آئے گا مے کدے میں کوئی پارسائے شب

ہے ظلمتوں کا دور میسر ہمیں بہت
ہے ابتدائے شب تو کبھی انتہائے شب

اہلِ نظر کی آنکھ میں نورِ چراغِ صبح
اہلِ ہوس کے دل میں فقط اشتہائے شب

مجھ سے گناہ گار کا کیسے حساب ہو؟
بحرِ کرم سے بھیک عطا ! کبریائے شب

اندھی گلی میں راستہ اتنا طویل تھا
کہ تیرگی کا سانپ ہوا اژدہائے شب

میں روشنی کے رنگ کا ایسا اسیر ہوں
ہر پل ہے راس مجھ کو جہاں میں سوائے شب

شامِ غمِ فراق سے صبحِ وصال تک
کیا کیا دکھائے روز ہمیں ارتقائے شب

گورا بدن کھلا ہے جو کالے لباس میں
لگ جائے نہ سحر کو کہیں بد دعائے شب

لائیں گے آسمان سے تارے بھی توڑ کر
یوں ہی یہ روشنی جو رہی مبتلائے شب

تجھ پر دیے بجھانے کا الزام تک نہیں
حاصل رہا ہے تجھ کو ہوا اعتنائے شب

اذنِ جنوں نہیں کہ شرر کو اجال دوں
روشن کروں گا گھر کو مگر ماورائے شب

کتنے سیاہ داغ ہیں دل پر لگے ہوئے
پردہ رخِ حیات سے کیسے ہٹائے شب

ہمدم کسی کی آنکھ سے دیکھا نہیں گیا
ٹوٹا ہوا تھا خواب رہا نارسائے شب

(ب)

آئینے کا ہر افسانہ خواب سراب
دشت میں آنکھوں کا پیمانہ خواب سراب

خوابوں کا ہر دور تیقن سے بھرپور
لیکن تعبیروں کا زمانہ خواب سراب

شہر سے باہر دشت میں جا کر دیکھے کون؟
دل کے ارمانوں کا خزانہ خواب سراب

دھوپ میں جلتا بلتا سایہ میرے ساتھ
عشق نگر میں دل کا ٹھکانہ خواب سراب

کس کی خاطر گھر سے نکلا پاگل قیس
کھوج رہا ہے کیوں دیوانہ خواب سراب

وصل کے سپنے میرے سات سمندر پار
ہجر کا صحرا اور ویرانہ خواب سراب

مست رتوں کے ساقی میرے سب مے خوار
ریگستان کا ہے مے خانہ خواب سراب

ارمانوں کے تازہ تازہ کھلتے پھول
پلتے ہیں دل میں روزانہ خواب سراب

خواہش کی مٹی کے خالی برتن کیوں؟
سینچ رہا ہے کوزہ خانہ خواب سراب

میں نے تو بس عشق نبھانا چاہا، یار!
کس نے کیا مجھ پر جرمانہ خواب سراب

عشق نگر میں ہوش، خرد کا کام نہیں
کرتے ہیں خود سے بیگانہ خواب سراب

آئینے پر کب سے ہمدم رکھی آنکھ
پھر بھی دیکھا دل کا فسانہ خواب سراب

(ب)

دریا کے لپیٹے سے نکلتا ہوا صاحب
میں وقت کے دھارے کو بدلتا ہوا صاحب

احساس کی ڈوری پہ ہمکتے ہوئے دل سے
پہنچا ہوں ترے در پہ مچلتا ہوا صاحب

کس جذب کی حدت سے ملا جون کا موسم؟
یخ بستہ دسمبر ہے پگھلتا ہوا صاحب

یہ لہر محبت کی مجھے پار کرے گی
نکلوں گا میں طوفان سے چھلتا ہوا صاحب

دیکھے ہیں چراغوں سے نکلتے ہوئے پاؤں
کیا نقش ہے دیوار پہ چلتا ہوا صاحب

تعبیر کہیں چشمِ تمنا ہی نہ مانگے
دیکھا ہے دیا خواب میں جلتا ہوا صاحب

پر کاٹ کے رکھے ہیں کسی سبز شجر پر
پنچھی ہوں ترے باغ میں پلتا ہوا صاحب

سائے میں رہا جو بھی وہی خام رہا ہے
میٹھا ہے ثمر دھوپ میں پھلتا ہوا صاحب

ٹیرس پہ کسی زلف کے لہراؤ سے نکلا
دالان میں سورج ہے اجلتا ہوا صاحب

چھوڑے گا کنارا تو کہاں چین پڑے گا؟
ساحل پہ سمندر ہے اچھلتا ہوا صاحب

اک تو کہ کسی رنگ مطابق ہی نہیں ہے
اک میں کہ ترے رنگ میں ڈھلتا ہوا صاحب

پیمانِ وفا باندھ کے تعویذ کی صورت
زندہ ہوں ترے عہد پہ ٹلتا ہوا صاحب

اک رنگ ہے پر کیف محبت کی نظر میں
اک جذب ہے سینے میں ابلتا ہوا صاحب

ادراک ترے نام سے منظوم ہوا ہے
ہمدم ہے ترا حسن غزلتا ہوں صاحب

(ب)

دل کی دلی کو میسر ہے فضائے غالب
شعر کہتے ہوئے سجتی ہے سرائے غالب

سانس چلتی ہے، سخن زار مہک اٹھتا ہے
دل دھڑکتا چلا جاتا ہے برائے غالب

لوگ کہتے ہیں سخن جی کا زیاں ہے لیکن
مجھ سے بیمار کو ملتی ہے دوائے غالب

حرف ادراک سے دھڑکن کی طرف بہتا ہے
نام ہے حسن تغزل کا غنائے غالب

وقت کی قید سے آزاد سخن کرنا ہے
ہم روایت سے نبھائیں گے ادائے غالب

یوں ہی جذبات کا اظہار نہیں ہو سکتا
لوگ کہتے ہیں محبت میں بھی ہائے! غالب

اس طرح چاک گریباں نہیں ہونا بنتا
بات بنتی ہے اگر بات بنائے غالب

عشق کی آگ لگانے سے نہیں لگ سکتی
یہ وہ آتش ہے جسے دل سے لگائے غالب

برزخ شہر خموشاں سے کوئی خط لکھتا
میرے حالات پہ دیتا کوئی رائے غالب

پردہ ء ساز سے ملتی ہے صریر خامہ
دل کے مضراب میں شامل ہے نوائے غالب

لوگ کہتے ہیں کہ غالب کے طرف دار ہو تم
اوڑھ رکھی ہے کچھ اس طرح قبائے غالب

نقش کو رمز میں ڈھلتے ہوئے دیکھا میں نے
میرے اطراف کھلا رنگ ضیائے غالب

مجھ پہ کھلتا ہی کہاں تھا یہ جہانِ معنی
وہ تو اک روز مرے خواب میں آئے غالب

جب سے احساس کی دنیا میں قدم رکھا ہے
کوئی جچتا ہی نہیں مجھ کو سوائے غالب

کوئی کاٹے نہ مجھے نقشِ مکرر کہہ کر
میں بھی لکھا ہوں سرِ حرفِ دعائے غالب

میں کسی شہ کا مصاحب ہوں نہ درباری ہوں
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے خدائے غالب

حرفِ تشبیب سرِ حسنِ طلب رکھا ہے
یہ غزل فام قصیدہ ہے ثنائے غالب

ریختہ میں نے بھی دیوان کیا ہے ہمدم
میر کے در سے اٹھائی ہے صدائے غالب

(ب)

نئی صبح کے ستارے، نئی روشنی کے خواب
مرے ہم سفر ہوئے ہیں، مری زندگی کے خواب

مرے ہم زبان موسم، مرے ہم کلام پھول
مرے ساتھ چل رہے ہیں، مری آگہی کے خواب

کوئی نقش پابریدہ ، کوئی رمز بے وجود
مرے سامنے پڑے ہیں، مری بے خودی کے خواب

مری صبح تیرے دم سے، مری شام تیرے نام
تری جستجو کے صدقے، مری ہر خوشی کے خواب

مری آگہی کا حاصل، مری فکر کی نمود
یہ شعور عہد رفتہ، یہ نئی صدی کے خواب

مری کیمیا گری ہے ، نئے عہد کا شعور
مری خاک سے ملیں گے، نئے آدمی کے خواب

کوئی آنکھ ہے نہ دل ہے، جسے ہم کہیں چراغ
مجھے دیکھنا پڑیں گے، یہاں ہر کسی کے خواب

اسی بحر میں نہاں ہے، کسی دشت کا سکوت
مری آنکھ سے عیاں ہیں، مری تشنگی کے خواب

دل و جاں پہ چھا گیا ہے، ترا بے مثال حسن
مجھے سحر میں رکھے ہیں، تری ساحری کے خواب

مجھے وہ خوشی ملی ہے تری دوستی کے ساتھ
کہ عدو بھی دیکھتا ہے، مری دوستی کے خواب

مرے شہر میں بسی ہے، مرے بچپنے کی یاد
وہی گاؤں کی فضائیں، وہ گلی گلی کے خواب

جسے جانتا نہیں میں، وہی راستہ ہے دور
کسی کام کے نہیں ہیں، رہ اجنبی کے خواب

کہیں تتلیوں کے پر ہیں، کہیں سرخ، سبز رنگ
کہ چراغ ہو رہے ہیں، مری ڈائری کے خواب

مری آرزو مطابق، مری خوش خیال فکر
مری زندگی ہیں ہمدم، مری شاعری کے خواب

(ب)

اقرار زیر لب ہے نہ انکار زیر لب
کیا رہ گیا ہے برسر پیکار زیر لب

کچھ کہتے کہتے بات حلق میں اٹک گئی
کچھ ہوتے ہوتے ہوگیا اظہار زیر لب

خاموش ہوگئی ہے محبت بھری نظر
لہجے میں رہ گیا ہے فقط پیار زیرلب

آنکھوں سے دل کا حال سنایا گیا مگر
کیوں رہ گئی ہے حرف کی دیوار زیرلب

ہونٹوں پہ جن کا رنگ گلابی کیا گیا
کچھ پھول ہیں ابھی بھی ثمر بار زیر لب

دل کی صدا سنی ہے کسی سے کبھی کبھی
آیا ہے میرا نام کئی بار زیر لب

دونوں طرف ہے ایک کہانی لکھی ہوئی
اس پار زیر لب ہے جو اس پار زیر لب

تب جا کے شعر و نثر کی صورت کہے گئے
چومے گئے ہیں حرف سخن زار زیر لب

اترے سماعتوں میں محبت کی کوئی بات
دو بول ! جن کے ہم ہیں سزاوار؛ زیر لب

خواہش ہے اور بندشِ تہذیب ہے بہت
بوسے تڑپ رہے ہیں طرح دار زیر لب

اب کے خزاں میں زرد بہاروں کی خیر ہو
کچھ کہہ رہے ہیں بھیگتے اشجار زیر لب

سچ سننے اور سنانے پہ قدغن ہے آج کل
میں پڑھ رہا ہوں شہر کے اخبار زیر لب

یوں گنگنا رہی ہے محبت بھری غزل
ہمدم ہیں تیرے شعر ضیا بار زیرِ لب

(ب)

تاروں کی روشنی سے نہ مہتاب کے سبب
جلتے رہے چراغ ترے خواب کے سبب

کچھ اور ہی طرح مری دھڑکن میں بس گئی
دل کو لگی ہے لاگ جو مضراب کے سبب

دل ہی نہیں جڑا ہے محبت کے نام سے
تجھ سے ملا ہوں میں کئی اسباب کے سبب

کیسی تھکن سے درد کا احساس تک نہیں
ادراک مضمحل نہیں اعصاب کے سبب

زیر و زبر سے بات کے معنی بدل گئے
تجنیس تام کھل گئی اعراب کے سبب

تو جو نہیں تو کچھ بھی نہیں کائنات میں
یہ داستانِ دل ہے ترے باب کے سبب

کب جانتے ہیں دل سے یہ کس کے مرید ہیں؟
ملتے ہیں مجھ کو لوگ جو احباب کے سبب

مجھ کو اڑا رہا ہے ہواؤں کے ہاتھ سے
پرواز ہے مری کسی سرخاب کے سبب

اتنے پہاڑ ٹوٹ کے دریا کے ساتھ ہیں
صحرا بھی ڈوب جائے گا سیلاب کے سبب

ایسا نہیں کہ اذنِ تمنا نہیں مجھے
کچھ کہہ نہیں سکا ادب آداب کے سبب

مشکل پڑی تو جذبِ جنوں اور کھل گیا
موج رواں تھمی نہیں گرداب کے سبب

نبض سکوت ہجر میں یوں ہی نہیں چلی
بے تاب دل ہوا کسی بے تاب کے سبب

ہمدم در غزل پہ کنول یوں نہیں کھلے
خوش تابیٔ نظر ہے سحر تاب کے سبب

(پ)

یہی نہیں کہ ڈسیں دلدلی زمیں کے سانپ
ہمیشہ تاک میں رہتے ہیں آستیں کے سانپ

نہ بین بجانا ہنر ہے، نہ ناچنے کا فن
یہ کس نگر کے سپیرے ہیں؟ کس زمیں کے سانپ؟

ازل سے ان کا وتیرہ ہے، ڈستے رہتے ہیں
خدا کے گھر سے نکالے گئے مدیں کے سانپ

ترے لیے میں عصا پر یقین رکھتا ہوں
لپیٹ پھن کو! ارے! بھاگ جا! لعیں کے سانپ

فضا میں زہر اگلتے ہیں سامنے والے
سموم زاد نہیں ہیں فقط کمیں کے سانپ

زمین چاٹ کے رستہ یہی بنائیں گے
لکیر کھینچنے والے ہیں پاک چیں کے سانپ

اسی خیال سے ڈستی ہے آگہی مجھ کو
مرے گمان میں پلتے ہیں کس یقیں کے سانپ؟

مرا نگینہ ٔ دل ہے انہی میں رکھا ہوا
مرا تمام خزانہ ہیں کچھ نگیں کے سانپ

میں ایک سجدہ کیا تھا نیاز مندی میں
زمیں پہ لوٹ رہے ہیں یہ کس جبیں کے سانپ؟

کوئی خلش ہے جو رستے میں ساتھ چلتی ہے
سفر شریک ہیں سائے کہ ہم نشیں کے سانپ

میں جانتا ہوں مگر پھر بھی چلتا جاتا ہوں
کہاں کہاں پہ ڈسیں گے عدو کمیں کے سانپ؟

مرے خلاف اتارے گئے سرِ میداں
کہیں کے ناگ اکٹھے ہوئے، کہیں کے سانپ

عجیب لہر میں کھوئی ہوئی ہے موجِ خیال
نظر کی بیل سے لپٹے ہیں ماہ جبیں کے سانپ

عجیب شہر بسایا ہے مہ جبینوں نے
یہیں کا زہر ہے میٹھا، حسیں یہیں کے سانپ

مرا علاج وہیں ہے جہاں پہ رہنا ہے
جہاں پہ زہر کا تریاق ہے وہیں کے سانپ

یہ جنگلی تو نہیں ہیں کہ مارے جائیں گے
ہمارے شہر میں ہیں بس یہیں کہیں کے سانپ

مٹھاس رکھتے ہیں لہجے میں زہر گھولتے ہیں
منافقت کا لبادہ ہیں انگبیں کے سانپ

عجیب سحر اتارا کسی سپیرے نے
نکل کے بل سے چلے رقص گاہ، بیں کے سانپ

یہ ذائقہ تو کسی زہر کا نہیں ہمدم
نہیں نہیں یہ نہیں ہیں مرے قریں کے سانپ

(پ)

چاروں اور مسلسل چھائی دھوپ
جس کو سایہ سمجھا نکلی دھوپ

گھور اندھیروں میں جلتے اشجار
ہائے کالا سورج ، کالی دھوپ

میں نے اپنی چھاؤں کی قربان
اور مرے حصے میں آئی دھوپ

چنبیلی کے پھول سنہرے خواب
خوب کھلی ہے بالی بالی دھوپ

ہائے ! روشن لمحوں کا نقصان
سایہ بیچا اور خریدی دھوپ

نقش ہوئے ہیں نیلے پیلے رنگ
ہلکے ہلکے بادل ، ہلکی دھوپ

کس نے کیا سورج میرا ہم زاد؟
ہو گئی رنگت پیلی پیلی دھوپ

کب تک مجھ پر تان رکھے گی آس؟
سائے پر منڈلاتی ، کملی دھوپ

اک دوجے کا نغمہ ، سر ، آہنگ
شام کنارہ ، میں اور ڈھلتی دھوپ

جانے کیسے بدلی کالی رات؟
سورج اوڑھا اور اٹھائی دھوپ

آنکھوں میں سائے جیسی تعبیر
آئینے کا چہرہ ، اجلی دھوپ

دھوپ کنارے ہم دونوں کے بیچ
جیسا ہمدم سایہ ویسی دھوپ

(پ)

سارے گاما پا دھانی سا، سرسنگیت، الاپ
دھڑکن دھڑکن بہتا دریا، سر، سنگیت، الاپ

دل دھرتی سے اٹھنے والی آوازوں کے رنگ
بولی ، دوہا ، ڈھولا ، ٹپہ ، سر ، سنگیت ، الاپ

موسیقی کا انگ نرالا ، روپ سروپ، ترنگ
تک دھنا دھن، تھیا تھیا، سر، سنگیت، الاپ

شہنائی کا سوز ، گھڑے پر گھنگھرو کی چھن چھن
ڈھولک، طبلہ، مرلی، چمٹا، سر، سنگیت، الاپ

سندھ سے گندھارا تک پھیلی ہند کہانی سن!
صدیوں کی تہذیب کا قصہ، سر، سنگیت، الاپ

کہساروں کا میٹھا چشمہ ، دریاؤں کی لہر
بہتا جھرنا، گاتی ندیا، سرسنگیت، الاپ

سیدھے سادے رستے پر ہے خوشیوں کا انداز
سچی باتیں، میٹھا لہجہ، سر، سنگیت، الاپ

مٹی سے پانی کا ملنا دھرتی کا وجدان
راوی، نیلم، گنگا، جمنا، سر، سنگیت، الاپ

شور آلود نگر سے باہر، خاموشی کا حسن
گاؤں کی چکی کا نغمہ، سر، سنگیت، الاپ

راہٹ کی چرچوں، گھڑ گھوں پہ گھوں گھوں کرتا دل
کھیت کی پیاس بجھاتا جھرنا، سر، سنگیت، الاپ

خیبر، سندھ، بلوچستان ہے دل میرا پنجاب
پاکستان ہے جاں سے پیارا، سر، سنگیت، الاپ

درباری سے عام غزل تک سوز و ساز کی لے
اردو میں خسرو کا لہجہ، سر سنگیت، الاپ

جیون کے ماحول مطابق، ہر موسم کا راگ
بارش، دھوپ، صبا کا جھونکا، سر، سنگیت، الاپ

لڈی، بھنگڑا اور دھمال میں مست ملنگ فقیر
خٹک ناچ ہے جھومر دل کا، سر، سنگیت، الاپ

بلھے شاہ سے باہو تک ہے وارث شاہ کا عشق
کافی، ٹھمری، بیت، قصیدہ، سر، سنگیت، الاپ

سوز و ساز کا رشتہ ہمدم، شاعر کی آواز
شعر و نغمہ، مصرع مصرع، سر، سنگیت، الاپ

(پ)

عشق میں اپنی جان پہ کھیلے، میرا دل اور آپ
دونوں ہیں کردار البیلے ، میرا دل اور آپ

سب نے اپنی جوت جگائے جانا ہے اس پار
رہ جائیں گے جنگل بیلے، میرا دل اور آپ

دل دھرتی سے رزق کمانا کیوں بنتا ہے روگ
مانگتے ہیں کیوں اپنے دھیلے، میرا دل اور آپ

صدیوں کی ترتیب یہی ہے، جینے کی تہذیب
کاٹ رہے ہیں اپنے ویلے، میرا دل اور آپ

اپنی اپنی دنیائیں ہیں ، اپنے اپنے خواب
اپنے اپنے گھر میں اکیلے، میرا دل اور آپ

کیسی آگ لگی تھی دل میں، کیسا تھا سنجوگ
آسانی سے مشکل جھیلے ، میرا دل اور آپ

جب دھمال پڑی تو ہم بھی ٹھہرے مست ملنگ
جھوم اٹھے مرشد کے میلے، میرا دل اور آپ

بلھے شاہ کی کافی سنتے، وارث شاہ کی ہیر
عشق میں تھے جب نئے نویلے، میرا دل اور آپ

اہلِ دل سے اب تو ہمدم پوچھنا بنتا ہے
عشق میں کس نے آن دھکیلے، میرا دل اور آپ

(پ)

آج دل کی طلب ، چائے کا ایک کپ
شاعری کا سبب، چائے کا ایک کپ

آؤ ! پی کر کوئی شام تازہ کریں
مل گئے ہو تو اب، چائے کا ایک کپ

کوئی میٹھی کسک مسکراتی رہے
رکھ چلیں زیر لب ، چائے کا ایک کپ

خاص لمحات میں یاد آتے ہو تم
ہاتھ آتا ہے جب ، چائے کا ایک کپ

بے گھری کی تھکن سے نکلتے ہوئے
دکھ مٹاتا ہے سب، چائے کا ایک کپ

خواب کے ذائقے میں سحر ہو چلے
آؤ ! لیں نیم شب ، چائے کا ایک کپ

وقت کی میز پر زندگی اور میں
سامنے کچھ کتب ، چائے کا ایک کپ

شعر در شعر محفل سجاتا رہے
رنگ بزم ادب ، چائے کا ایک کپ

تلخیاں گھل رہی ہیں لب سوز پر
جل رہا ہے عجب، چائے کا ایک کپ

تم بنا کر پلاؤ تو محسوس ہو
ذائقے میں غضب،چائے کا ایک کپ

حال دل کہنے سننے کی صورت ہے بس
ملنے جلنے کا ڈھب ، چائے کا ایک کپ

تم سے ہمدم ملاقات ہوتے ہوئے
ختم ہوتا ہے کب، چائے کا ایک کپ

(پ)

ڈس رہی ہے مجھے ہم سفر، تیری چپ
مار دے گی مجھے چارہ گر، تیری چپ

دھڑکنوں کو بھی آخر قرار آئے گا
دل پہ کرتی رہے گی اثر ، تیری چپ

کون جانے یہ طرز تکلم ہے کیا ؟
کون سمجھے؟ کہاں دل، کدھر تیری چپ

ان کہے کرب سے دل جلاتی رہی
چاندنی میں بھی رشک قمر، تیری چپ

جبر کی برف آخر پگھلنے کو ہے
ہو رہی ہے جو زیر و زبر ، تیری چپ

زندگی ہجر کا آئنہ ہو گئی
پیش منظر ہے پیش نظر، تیری چپ

میں نے شام و سحر تجھ کو آواز دی
مستقل ہے پہر در پہر ، تیری چپ

روشنی دل کا پیغام دینے لگی
لے چلی ہے مجھے کس نگر ، تیری چپ

نقش میں، رمز میں، رنگ میں، ساز میں
دل مرا ہے ادھر، ہے جدھر، تیری چپ

آنکھ کی روشنی بے صدا تو نہیں
دل کی ٹھنڈک ہے جانِ جگر، تیری چپ

دھڑکنیں دھڑکنوں سے نوا پائیں گی
منتظر ہے مری منتظر ، تیری چپ

کرب ہے ، سوز ہے ، ہجر کا روگ ہے
راکھ میں ہے جو مثلِ شرر، تیری چپ

تیرے لہجے کی خوش بو کا احساس ہے
سن رہا ہے مرا دل اگر، تیری چپ

آنکھ پتھرائے گی، سانس تھم جائے گی
پھر نہ رہ پائے گی بے خبر، تیری چپ

میں نے دل کی زباں سے پکارا تجھے
ٹوٹتی ہی نہیں ہے مگر، تیری چپ

رہ گئی آنکھ سے آنکھ تک شاعری
خامشی ہے کہ حرف گہر، تیری چپ

تیری آواز ہے صبح سے شام تک
آنکھ سے بولتی ہے سحر تیری چپ

دل سے ہمدم ہوئی آخری گفتگو
ہم سخن رہ گئی مختصر تیری چپ

(ت)

پیشِ نظر ہے آئنہ! سرکار! معذرت
جو کچھ ہوا ہے بر سرِ پیکار ! معذرت

سورج کے ساتھ ساتھ ہے میرا سفر ابھی
خود چل پڑا ہوں، سایۂ دیوار! معذرت

اس عشقِ نامراد کے قابل نہیں ہوں میں
سوری! مرے رقیب! مرے یار! معذرت

تیری کوئی مثال کسی لفظ میں نہیں
حسنِ خیال ! حسنِ رخِ یار ! معذرت

افسوس ہم نہیں ہیں خوشامد کے واسطے
لو آ گئے ہیں حاشیہ بردار ! معذرت

دونوں طرف ہے جنگ اناؤں کے بیچ میں
اس پار معذرت ہے نہ اس پار معذرت

پشتوں سے ان کے سائے کا احسان مند ہوں
مجھ سے نہیں کٹیں گے یہ اشجار! معذرت

ہم کج رووں کا بوجھ اٹھانے کے واسطے
گرنے لگی ہے آپ کی دستار! معذرت

اپنے سوا کسی کو کسی کی خبر نہیں
ہیں لوگ اپنے آپ سے دوچار! معذرت

ممکن ہے مارا جاؤں گا گھمسان میں کہیں
میری طرف سے آخری ہے وار! معذرت

کوئی نہیں جو تیری کہانی سمجھ سکے
اے بے ہنر زمین کے فنکار! معذرت

اس بار میرے پاؤں میں زنجیر ہی نہیں
اس بار! میرے قافلہ سالار! معذرت

میں قیس تو نہیں کہ بھٹکتا پھروں یہاں
اے دشت میں بھٹکتی ہوئی ڈار! معذرت

جچتی نہیں ہے تجھ پہ عزاداریِ ستم
تف! تجھ پہ اے یزید کے کردار! معذرت

مجھ کو کسی ثبوت کی حاجت نہیں رہی
میں جانتا ہوں آپ کا کردار ! معذرت

میں جن کی معذرت پہ مسلسل خموش ہوں
کیوں کر رہے ہیں مجھ سے لگاتار معذرت

مر کر بھی زندگی میں غلامِ حسینؑ ہوں
مردہ نہیں ہوں میرے عزادار! معذرت

دامن پھٹا ہوا ہے مرے پاس کیا بچا؟
سچی محبتوں کے طلب گار ! معذرت

مت بول میرے پاؤں کی زنجیر اس طرح
سمجھیں گے لوگ اس کو سرِ دار! معذرت

شہرِ منافقت پہ تبرّیٰ دوام ہے
لازم ہوئی ہے گرمیِ گفتار ! معذرت

سچ بات ہی کہوں گا کہ تازہ خیال ہوں
صدیوں سے اپنی سوچ کے بیمار! معذرت

لفظوں کے پھول اور بھی مہکیں گے آگ میں
جلتا رہے گا شہر کا اخبار ! معذرت

اک چیز بھی نہیں ہے یہاں میرے کام کی
بکھرے ہوئے شعور کے انبار! معذرت

ہمدم سرائے میر سے مصرع اٹھا کے لا
نا ! نا! ترا نہیں ہے یہ معیار! معذرت

ہمدم سرِ غزل یہ قضیہ بھی نوٹ کر
کیسے؟ کہاں؟ سے آتے ہیں اشعار! معذرت

(ت)

سا رے گا ما ۔۔۔ الاپ دل کی بات
اپنی دھڑکن سے ماپ دل کی بات

خامشی میں بھی ان کہی ہے عشق
دھڑکنوں کا ملاپ دل کی بات

آتشِ ہجر کا الاؤ ہے
سرد ہونٹوں پہ تاپ دل کی بات

موتیوں کی لڑی پروئے جا!
دانے دانے پہ جاپ دل کی بات

اٹھ رہا ہے دھواں کنارے سے
ہے سمندر کی بھاپ دل کی بات

گونج اٹھے مری سماعت میں
جیسے طبلے کی تھاپ دل کی بات

حرف ادراک سے چمکتے ہیں
کورے کاغذ پہ چھاپ دل کی بات

سرخ پھولوں میں دھڑکنوں کا رس
سبز خوشبو کی چاپ دل کی بات

دل کی بس دل ہے جانتا ہمدم
سن رہے ہیں نا ! آپ دل کی بات

(ت)

مرے مزاج کا موسم، ترے مزاج کی بات
یہ زندگی ہے محبت بھرے مزاج کی بات

تری پسند الگ ہے، ترا خیال جدا
مرے شعور کا محور، مرے مزاج کی بات

میں سرخ ہو کے بھی نیلا دکھائی دیتا ہوں
وہ زرد ہو کے بھی کر دے ہرے مزاج کی بات

یہاں تو کان ترستے ہیں نرم لہجے کو
کوئی تو آن ملے جو کرے مزاج کی بات

میں تلخ بات بھی سنتا ہوں، ٹال دیتا ہوں
سماعتوں میں بھری ہے بھلے مزاج کی بات

کھرے لباس میں لپٹا کھرا دکھاؤں گا
کروں گا میں تو ہمیشہ کھرے مزاج کی بات

اک ایسا دوست میرا غم گسار ہو جائے
کہے مزاج کا قصہ، سنے مزاج کی بات

تلاشتا ہوں میں لوگوں کی بھیڑ میں کیسے؟
گہے رواج کا پہلو ، گہے مزاج کی بات

میں گفتگو سے محبت کشید کرتا ہوں
تجھے خلوص مبارک! مجھے مزاج کی بات

نئی غزل کا تقاضا ہے تیسرا مصرع
نیا خیال ہو ہمدم، نئے مزاج کی بات

(ت)

دل و جان کے دروں ہے، مری آخری محبت
مرا عشق ہے، جنوں ہے، مری آخری محبت

سرِ حرف اور کیا ہے؟ مرا شعر اور کیا ہے؟
ترے نام کا فسوں ہے، مری آخری محبت

مرے پیار کا فسانہ، مری ذات کا حوالہ
تو سنو کہ بات یوں ہے، مری آخری محبت

سرِ خوابِ زندگی میں اک شمع جل رہی ہے
تری روشنی فزوں ہے، مری آخری محبت

مرا سائباں یہی ہے، مرا آسماں یہی ہے
در و بام کا ستوں ہے، مری آخری محبت

یہ وصال آرزو ہے کہ ملال آرزو ہے
غمِ ہجر میں سکوں ہے، مری آخری محبت

مری آگہی کا منظر، مری بے خودی کا پیکر
مرے دل کے اندروں ہے، مری آخری محبت

مری بندگی یہی ہے کہ فقیر ہوں کسی کا
در دل پہ سرنگوں ہے، مری آخری محبت

یہ ستارہ ء سحر ہے کہ سراب کا کنارا
شب دشت سے بروں ہے، مری آخری محبت

اسی موجہ ء جنوں سے مری سانس چل رہی ہے
رگ جاں میں گرم خوں ہے، مری آخری محبت

تری آنکھ میں سجے ہیں مرے خواب کیسے ہمدم
ترے سنگ سنگ کیوں ہے؟ مری آخری محبت

(ت)

خامشی ہے، شہر میں گہرا سکوت
جبر نے دیکھا نہ تھا، ایسا سکوت

آئنے کی آنکھ پتھر ہو گئی
پیش منظر کیا ہوا ؟ میرا سکوت

ان کہی میں داستاں کہنی پڑی
لب پہ انگلی رکھ کے بس لکھا، سکوت

سحر میں ڈوبی ہوئی تھیں بستیاں
نیند طاری تھی ، سبھی پر تھا سکوت

بولتی تصویر چپ ہو جائے گی
وقت کی دیوار پر ہو گا سکوت

لے چلی جب موج طوفاں کی طرف
بے کراں ہوتا ہوا دیکھا سکوت

سوچنا ، کیا دیکھنا ، کیا بولنا ؟
کچھ نہ کہہ ! خاموش رہ ! دنیا ! سکوت !

سانس لینے کی سہولت تھی کہاں؟
پاؤں کی زنجیر نے توڑا سکوت

ظلم سہہ کر بولنا بھی جرم ہے
کس نے لازم کر دیا اتنا سکوت

ظلمت شب میں دیا جلتا رہا
روشنی کے رنگ میں ٹھہرا سکوت

ہم سخن ، ہمدم کنارے ہو گئے
کہہ رہا ہے مجھ سے دریا کا سکوت

(ت)

دل میں دھڑک رہی ہے مسلسل صدائے وقت
احساس کی نمو ہے نظر میں ضیائے وقت

یہ آگہی کا ورد کشیدہ ہے عشق سے
لب پر سجا ہوا ہے جو حرفِ دعائے وقت

قدرت کے انتقام سے بچتا نہیں کوئی
تاریخ کے ورق پہ لکھی ہے سزائے وقت

سورج کو پوجنے کی روایت نہیں مٹی
انسان رہ گیا ہے فقط ہم نوائے وقت

ادراک اپنی حد سے گزرتا نہیں کبھی
خوابوں کا یہ سفر ہے کہاں ماورائے وقت

کس چاک پر رکھے گا زمانہ خبر نہیں
کوزہ گروں کے ہاتھ نہیں کیمیائے وقت

بہلا رہی ہے دل کو خیال و سراب سے
کیا کیا دکھا رہی ہے مجھے اپسرائے وقت

کہتا ہے کون اپنا ٹھکانہ نہیں رہا
آباد ہم کریں گے وفا میں سرائے وقت

توڑیں گے ہم نہ عہد محبت کے ہاتھ سے
عہد وفا کریں گے یہ عہد وفائے وقت

جو پل گزر گیا ، وہ کسی کا نہیں رہا
سمجھے نہیں ہیں لوگ ابھی تک ادائے وقت

یہ کس نے مجھ سے کھلتی ہوئی دھوپ چھین لی
افسوس! شام ہوتی ہوئی صبح ، ہائے! وقت

کس کی مجال خوف کے بت کو گرا سکے
مسند نشیں ہے شہر انا میں خدائے وقت

ہونا ہے جو بھی ہو گا زمانے کے ہاتھ سے
ٹلتی نہیں کسی پہ بھی آئی بلائے وقت

لوگوں کے تجربے سے اٹھایا ہے فائدہ
خیرات میں ملی ہے مجھے بھی گدائے وقت

تنہا گزر رہی ہے ہماری بھی زندگی
بھرتا ہے کب کسی کا تصور خلائے وقت

جلتا ہے روز و شب کی حدود و قیود میں
پہرہ دیے ہوئے ہے دیے پر ہوائے وقت

دامن ہے تار تار گریباں رفو نہیں
کیوں اوڑھ کر چلے ہو جہاں میں قبائے وقت

یہ کون اپنی ذات کی حد سے گزر گیا
لے جا رہا ہے ہانک کے کس کو عصائے وقت

منزل اسی کے موڑ پہ مل جائے گی مجھے
رستہ دکھا رہا ہے جو مشکل کشائے وقت

مڑ مڑ کے دیکھنا مرا ذوق سفر مگر
نقش قدم دکھا تو سہی پارسائے وقت

جو کچھ میں دیکھتا ہوں دکھاتا ہوں شعر میں
ہمدم غزل غزل سے عیاں ہے نوائے وقت

(تھ)

قدیم رنگ نبھاتے ہوئے رواج کے ساتھ
ترا مزاج رہے گا مرے مزاج کے ساتھ

ملا کے ہاتھ کریں گے دعا محبت کی
رہیں گے ساتھ ہمیشہ اس امتزاج کے ساتھ

ہزار خواب لٹائے ہیں دل کے رستے میں
ترے خیال کی دنیا ملی خراج کے ساتھ

یہ عشق اب مری غیرت کا مسئلہ بھی ہے
تجھے میں اپنا بناؤں گا اپنی لاج کے ساتھ

میں روزگار بھی تجھ سے الگ نہیں رکھتا
ترے ہی دھیان میں رہتا ہوں کام کاج کے ساتھ

ترے خیال کی خوشبو نہال رکھتی ہے
اسی لیے تو لگاتا ہوں پھول کاج کے ساتھ

ترا وجود ضروری ہے زندگی کے لیے
تجھے قبول کیا میں نے احتیاج کے ساتھ

تری یہ چارہ گری جان لے کے چھوڑے گی
مریض ہونے لگا ہوں ترے علاج کے ساتھ

میں اپنے عہد کی تہذیب سے نہیں نکلا
مرا شعور بدلتا نہیں سماج کے ساتھ

میں اپنی خاک سے اپنا جہاں بناؤں گا
نہیں چلوں گا کسی طور سامراج کے ساتھ

عجیب شخص کے ہاتھوں میں اپنا بھاؤ ہے
انا بھی سود میں لیتا ہے جو اناج کے ساتھ

دلوں کی بات سمجھتا نہیں امیرِ شہر
یہاں تو رزق بھی ملتا ہے احتجاج کے ساتھ

تمام عمر کی پونجی جہیز بنتی ہے
نصیب مل نہیں سکتا کسی کو داج کے ساتھ

سبھی کے سامنے رکھا ہوا ہے مستقبل
وہی کرے گا ترقی ، چلا جو آج کے ساتھ

کروں گا دل کو چراتا ہوا سخن ہمدم
غزل سرائی کروں گا دلوں پہ راج کے ساتھ

(تھ)

کھڑا ہوا ہے جو تصویر میں نئی کے ساتھ
زمانہ دیکھ چکا ہے اسے کئی کے ساتھ

کوئی تو خواب ستارہ زمین پر اترے
مجھے بھی دیکھ کبھی چشم سرمئی کے ساتھ

یہ ہجر بھی کسی بیوہ کا بے کراں دکھ ہے
سماج کیا نہیں کرتا اجڑ گئی کے ساتھ

یہ کس نے جھانک کے دیکھا ہے ٹھہرے پانی کو
کنول بھی جھیل میں کھلنے لگے لئی کے ساتھ

یہ رنگ یوں ہی اترتا نہیں ہے دھرتی پر
زمین سونا اگلتی ہے سبز جئی کے ساتھ

پہاڑ کھینچ رہا ہے کسی کی نسبت سے
حسین ہے گل لالہ، کسی گلئی کے ساتھ

چلو ! قریب سے تاریخ دیکھ لیتے ہیں
سیاہ رات کا ہندسہ ہے نومئی کے ساتھ

مرے خیال کی جنت جدید دنیا ہے
نیا جہان بناؤں گا اذنِ حیٔ کے ساتھ

مرا وجود ہے پردیس میں کماتے ہوئے
جڑا ہوا ہے محبت میں دل دبئی کے ساتھ

یہ سبز شال میں لپٹی ہے زندگی میری
ملا کے دیکھ رہا ہوں جسے مکئی کے ساتھ

وہ دودھیا ہوئی جاتی ہے کچھ گلابی سی
اجل رہی ہے مری دھوپ نقرئی کے ساتھ

یہ کون اتنی محبت سے پیش آنے لگا؟
جھکے ہوئے ہیں دل و جاں بھی مجرئی کے ساتھ

صبا کے رنگ نمودار میرے دل میں ہوئے
بہار مجھ پہ اترتی رہی پلئی کے ساتھ

میں گھوم گھوم کے پھر بھی اسی مقام پہ ہوں
مرے نصیب میں گردش ہے کس چکئی کے ساتھ

تری نظر میں یہ کیا ہے؟ مثال جس کی نہیں
کہ بے خودی نہیں ہوتی کسی نشئی کے ساتھ

ہمارے خواب تو بنجر زمیں کے پودے ہیں
نلئی کے ساتھ اگے ہیں نہ یہ بجئی کے ساتھ

وہ جانتا ہے کہ فصلِ ہنر دکھائی ہے
اناج چھان رہا ہے کسی کرئی کے ساتھ

یہ خد و خال کی مٹی اسی سے مہکے گی
میں خاکزاد رہوں گا کسی کتھئی کے ساتھ

میں جانتا ہوں مرے پاس کچھ نہیں ہمدم
غزل تمام کروں گا میں حرفِ رئی کے ساتھ

(ٹ)

میزان پر کسی نے جو رکھا سفید جھوٹ
کالے زباں دراز نے بولا سفید جھوٹ

چیرا ہجومِ شہر نے اجلے لباس کو
دامن کے چاک چاک نے کھولا سفید جھوٹ

گر میں جنونِ عشق سے واقف نہیں ابھی
دریا مرا فضول ہے، صحرا سفید جھوٹ

دریا پوتر جو نہ کرے من فضول ہے
گنگا سفید جھوٹ ہے، جمنا سفید جھوٹ

اک شخص کو لباس میں تقویٰ نہیں پسند
گورا سفید جھوٹ ہے، کالا سفید جھوٹ

یہ پیار و یار، عشق، محبت فریب ہے
دل مانتا نہ ہو تو ہے سارا سفید جھوٹ

ایسی منافقت بھی نہ دیکھی تھی میں کبھی
آدھا سیاہ جھوٹ ہے، آدھا سفید جھوٹ

غالب رہی ہیں جھوٹ پہ سچی کہانیاں
سچ آ گیا تو ہو گیا عنقا سفید جھوٹ

اس نامراد جھوٹ کا سر پیر ہی نہیں
کس کوکھ سے ہوا ہے یہ پیدا سفید جھوٹ

اب کیا کوئی کسی کو یہاں رہ نما کرے
بینا سفید جھوٹ ہے، اندھا سفید جھوٹ

ٹھہرا نہیں کبھی بھی حقیقت کے سامنے
دیتا ہے کب کسی کو یہ کندھا سفید جھوٹ

اندھی ہوا کے سامنے بجھتا چراغ ہے
کس نے کیا ہے شہر میں برپا سفید جھوٹ

سارے سخن فروش اسے چھوڑ جائیں گے
رہ جائے گا جہان میں تنہا سفید جھوٹ

ممکن ہے ایک جھوٹ میں کتنے ہی جھوٹ ہوں
ثابت کیا گیا ہے جو سچا سفید جھوٹ

مسکان عارضی تھی میں دیکھا کیا جسے
پردہ کھلا ہنسی کا جو رویا سفید جھوٹ

نکلا تھا کس لعین کی جھوٹی زبان سے
ہوتا ہے سچ کے سامنے رسوا سفید جھوٹ

پھر یوں ہوا کہ لگ گئے تالے زبان پر
کچھ دیر میرے سامنے ٹھہرا سفید جھوٹ

مجھ کو کوئی ادا بھی متاثر نہ کر سکی
دل میں کسی بھی طور نہ دھڑکا سفید جھوٹ

دل نے جدا کیا ہے سیاہ و سفید کو
تاریخ میں لکھا تھا سراپا سفید جھوٹ

نکلے گا آفتاب تو اترے گا یہ فسوں
لپٹا ہوا ہے دھند میں کیا کیا سفید جھوٹ

گویا کسی کو جراتِ اظہار ہی نہیں
بولا گیا ہے آج بھی گویا سفید جھوٹ

کیا یہ سخن کا کھیل بھی سرکس کا کھیل ہے
کب تک بنا رہے گا تماشا سفید جھوٹ

کوئی سراب کھل کے دکھائی نہیں دیا
آئنہ ء خیال ، دھندلکا ، سفید جھوٹ

ہلکا سا اک گمان ہے لہجے نہ لفظ پر
نیلے سمندروں سے ہے گہرا سفید جھوٹ

ق

جھوٹے سخن تراش مرا پیش لفظ تھے
سو میں نے اختتام پہ لکھا سفید جھوٹ

ورنہ مری زبان پہ کس کو یقین تھا؟
ہمدم کیا ہے جنگ میں پسپا سفید جھوٹ

(ٹ)

جیسا بھی کٹ رہا ہے محبت میں وقت کاٹ
گر ہو سکے تو دل کی عبادت میں وقت کاٹ

پھولوں کو دیکھ ، رنگ سے خوشبو کشید کر
جنگل ہرا بھرا ہے تو فطرت میں وقت کاٹ

دوزخ بنی ہوئی ہے مرے شہر کی فضا
اے دل! خیال و خواب کی جنت میں وقت کاٹ

میں نے سنا ہے دشت بھی آباد ہو چکا
صحرا سے دور شہر کی وحشت میں وقت کاٹ

خواب و خیال چھوڑ ! کوئی فائدہ نہیں
کچھ دیر میرے ساتھ حقیقت میں وقت کاٹ

دل کا علاج دل کے مسیحا کے پاس ہے
دھڑکن شریک شخص کی قربت میں وقت کاٹ

تجھ کو پتہ چلے کہ یہ بے گانگی نہیں
کچھ دیر اپنے آپ سے ہجرت میں وقت کاٹ

یہ دل مرا نہیں ہے، ترا ہی مقام ہے
آ جا! مرے وجود کی خلوت میں وقت کاٹ

تھوڑا سا وقت اپنے لیے بھی بچا کے رکھ
تھوڑا سا دوستوں کی رفاقت میں وقت کاٹ

سب کو ہے اس جہان میں اپنی پڑی ہوئی
جا! تو بھی جا کے اپنی ضرورت میں وقت کاٹ

خود کو کسی شجر کے لبادے میں شاد رکھ
مٹی پہ سبز رنگ کی خلعت میں وقت کاٹ

سورج بھی ڈھل رہا ہے ترے قد کے ساتھ ساتھ
چھتری کو چھوڑ! سائے کی صحبت میں وقت کاٹ

میں نے کہا بھی تھا کہ یہ پنگا عذاب ہے
اب بیٹھ دردِ عشق کی شدت میں وقت کاٹ

تجھ سے سنبھل سکے نہ محبت کے چار دن
اب تا حیات ہجر کی عدت میں وقت کاٹ

تجھ پر نمازِ عشق محبت میں فرض ہے
تو پانچ وقت رب کی اطاعت میں وقت کاٹ

تجھ پر وصال رات اترنے میں دیر ہے
ماہِ شبِ فراق ! ریاضت میں وقت کاٹ

تیری نمود و بود مرے دشتِ دل میں ہے
بنجر زمیں سنبھال ! زراعت میں وقت کاٹ

گزرا ہوا خیال ہے ، واپس نہ آئے گا
یہ وقت کی صدا ہے کہ فرصت میں وقت کاٹ

ہمدم حدودِ حرف سے باہر نہ جا ابھی
اس در پہ دل لگا کے اسی چھت میں وقت کاٹ

(ٹ)

ٹکرا سفر کی دھول سے ، دیوار سے پلٹ
اے روشنی ! نگاہ کی رفتار سے پلٹ

پہلے تو دائرے کے مماثل خطوط کھینچ
پھر نقش کھینچتی ہوئی پرکار سے پلٹ

ایسا نہ ہو کہ دھڑکنیں صحرا کو چیر دیں
اے دل جنونِ عشق کے معیار سے پلٹ

پھر ماند پڑ رہا ہے تری چائے کا سرور
کچھ دیر اپنے شہر کے اخبار سے پلٹ

کہنے کو حق نہیں ہے مگر دل کی بات سن!
اک بار اپنے آخری انکار سے پلٹ

پھر تجھ سے اپنی جان کو وارا نہ جائے گا
یہ عشق وشق چھوڑ ، درِ یار سے پلٹ

اے دل پلٹ کے دیکھ کمیں گاہ کی طرف
پیشِ نظر نہیں ہے عدو، وار سے پلٹ

تھوڑا کہا، بہت ہے، مری زندگی سمجھ
تجھ سے سہا نہ جائے گا آزار سے پلٹ

سب کچھ فریبِ چشمِ تماشا کا عکس ہے
آئنہ ء جمال کے زنگار سے پلٹ

یہ سلسلہ رہا تو سفینہ ڈبوئے گا
موجِ رواں کے ٹوٹتے پندار سے پلٹ

تازہ خیال، تازہ زمیں سے کشید کر
ہمدم پرانے دور کے اشعار سے پلٹ

(ٹ)

خوش رنگ اجالوں سے نمودارِ سحر بانٹ
آنکھوں کا تقاضا ہے محبت کی نظر بانٹ

احساس ترستا ہے کسی نرم صدا کو
موسم کی سماعت میں کوئی تازہ خبر بانٹ

سب لوگ ترا حسنِ نظر دیکھ رہے ہیں
تو دیکھنے والوں میں کوئی خواب نگر بانٹ

سورج سے ملا آنکھ ، اجالوں کو خبر دے
دیکھے ہوئے خوابوں کی حقیقت کا اثر بانٹ

پنجرے سے رہائی بھی ضروری ہے مگر سن!
صیّاد نے چھینے ہیں پرندوں سے جو پر بانٹ

گر تیری اجازت ہے تو میں کوچ کروں گا
بیٹھا ہوں ترے در پہ مرا زادِ سفر بانٹ

آسیب کوئی ، تازہ ہوا چھین رہا ہے
فولاد کے جنگل میں ہرے سبز شجر بانٹ

صدقہ تری آنکھوں سے اتارا نہیں جاتا
آیا ہوں ترے شہر مری جان ! شکر بانٹ

دنیا کے مسائل میں تو مصروف بہت ہے
اپنوں کی محبت میں بھی دو چار پہر بانٹ

تقسیم ہوا پیار کبھی کم نہیں ہوتا
واجب ہے محبت میں یہ مخلوط کر بانٹ

رستہ کوئی نکلے گا مرے دل کی طرف بھی
اس موڑ پہ لازم ہے کہ تو راہ گزر بانٹ

تجھ سے تو کوئی اور قضیہ نہیں ممکن
اے شعلہ نفس ! آگ جلا اور شرر بانٹ

قطعہ

یہ رزقِ سخن تیری ریاضت کا ثمر ہے
ہمدم یہ ترا فرض ہے تو حرفِ گہر بانٹ

(ٹ)

پیشِ نظر ہے آئنہ پیکار سب الٹ
جو کچھ ہوا ہے مجھ سے نمودار سب الٹ

کہنہ روایتوں نے یہ جدت بھی دیکھ لی
فکر ونظر، مشاہدہ، اخبار سب الٹ

یہ آئنہ ہے خواب کا منظر نہیں کوئی
سیدھی نظر سے دیکھیے سرکار! سب الٹ

دنیا کا کاروبار ہے، یہ عشق تو نہیں
سودا، دکان دار، خریدار سب الٹ

موجِ ہوا کی نغمگی دل کش سہی مگر
مجھ کو دکھائی دیتے ہیں آثار سب الٹ

کس پر یقین کیجیے، کس کو قبولیے
گڑبڑ، غلط، مغالطہ، بےکار، سب الٹ

یارب! مرے فسانۂ یاراں کی خیر ہو
بگڑی ہے داستان ، سو کردار سب الٹ

کیوں کر لکیر کھینچیے نقشِ دوام پر
کوزہ گری فضول ہے ، پرکار سب الٹ

مینائے لاجورد نے سب کچھ الٹ دیا
ساقی، شراب ، مے کدہ ، مے خوار سب الٹ

ہمدم جنونِ عشق میں کیا کیا بدل گیا
دیوار و در الٹ گئے ، گھر بار سب الٹ

(ٹ)

یہ نرم نرم لہجہ ، یہ نرم نرم آہٹ ، تری ایک مسکراہٹ ﷺ
یہ دھڑکنوں کا نغمہ، یہ میٹھی گنگناہٹ، تری ایک مسکراہٹ

نور سحر ، اجالا ، یہ روشنی کا ہالہ ، ترے حسن کا حوالہ
چہرے پہ چاندنی سی، تاروں سی جگمگاہٹ، تری ایک مسکراہٹ

سر تا قدم ترنم، سر، لے، الاپ، سرگم، تری پائلوں کی چھن چھن
کنگن کی کھنکھناہٹ، چوڑی کی چھنچھناہٹ، تری ایک مسکراہٹ

خوش تاب، خوش نظر میں، خوشبو بھرے نظارے، یہ شباب کے ہلارے
پھولوں پہ تتلیوں کی خوش رنگ کھلکھلاہٹ، تری ایک مسکراہٹ

اترا ہے چاند جیسے، شفاف پانیوں میں، تری خوش خیالیوں میں
آنکھوں میں خواب جیسے تاروں کی جھلملاہٹ، تری ایک مسکراہٹ

چڑیوں کا چہچہانا ، کلیوں کا لہلہانا ، ترے دم سے ہے سہانا
تتلی کا یہ تبسم، جگنو کی مسکراہٹ، تری ایک مسکراہٹ

رنگِ خیال تو ہے، حسنِ جمال تو ہے، سرِ خواب صرف تو ہے
احساس کی زمیں پر، جذبوں کی تھرتھراہٹ، تری ایک مسکراہٹ

تصویر جو بنی ہے ، دیوار پر سجی ہے ، تری خوش نما ہنسی ہے
کرتی ہے دور میرے کمرے کی سنسناہٹ ، تری ایک مسکراہٹ

اک پیاس ہے ادھر بھی ، اک پیاس ہے ادھر بھی ، ترے سنگ پی رہا ہوں
ہونٹوں پہ رہ گئی ہے چاہت کی ایک تلچھٹ ، تری ایک مسکراہٹ

کتنی حسین تر ہے ، کتنی جمیل تر ہے ، یہی پیار کی سحر ہے
تھوڑی سی کسمساہٹ ، تھوڑی سی ہچکچاہٹ ، تری ایک مسکراہٹ

پلکوں پہ مسکرانا ، ہونٹوں پہ مسکرانا ، ترا کھل کے مسکرانا
احساس میں ہے قربت ، قربت میں ہے لگاوٹ ، تری ایک مسکراہٹ

وجدان ہے تجھی سے ، مسکان ہے تجھی سے ، مری تان ہے تجھی سے
ادراک کی نمو ہے ، احساس کی سجاوٹ ، تری ایک مسکراہٹ

ہمدم یونہی نہیں ہے ، یہ بے خودی حسیں ہے ، ترے دم سے زندگی ہے
ہونٹوں پہ کپکپاہٹ ، دھڑکن میں گدگداہٹ ، تری ایک مسکراہٹ

(ٹ)

ہلکے ہلکے سرور کی آہٹ
یہ غزل ہے شعور کی آہٹ

دھڑکنوں میں کوئی تو شامل ہے
دل بھی سنتا ہے دور کی آہٹ

میں اندھیرے میں دیکھ سکتا ہوں
آگہی ہے کہ نور کی آہٹ

لمس دست صبا سے لگتا ہے
شاخ گل پر ہے بور کی آہٹ

ایسا لہجہ ، ارے ! نہیں صاحب !
یہ ادا ہے غرور کی آہٹ

کس نے دیکھا ہے دم تجلی کا
کس نے سمجھی ہے طور کی آہٹ

پیش منظر ہی پیش خیمہ ہے
وقت میں ہے نشور کی آہٹ

دل میں ٹھہرا ہوا سمندر ہے
چشم تر ہے وفور کی آہٹ

یہ خموشی نہیں ہے ، طوفاں ہے
سن رہا ہوں فتور کی آہٹ

دل کی دھڑکن پہ غور کر ہمدم
کیا ہوئی ناصبور کی آہٹ

(ٹھ)

جاری ہے ابھی دل سے ملاقات، ذرا بیٹھ
جانے کا نہیں وقت مرے ساتھ ذرا بیٹھ

احساس کی دنیا میں نہ تو اور نہ میں اور
ملتے ہیں ترے میرے خیالات، ذرا بیٹھ

رہنے دے محبت سے بھرا لمس مرے پاس
کچھ دیر مرے ہاتھ میں دے ہاتھ، ذرا بیٹھ

آنکھیں نہ چرا، حال سنانے کی گھڑی دیکھ
دھڑکن سے لپٹتی ہے کوئی بات، ذرا بیٹھ

تنہا نہیں کٹتا ہے کبھی ہجر کا آزار
ہم مل کے لگائیں گے کوئی گھات، ذرا بیٹھ

چھایا ہے فصیلوں پہ کسی جبر کا آسیب
مشکل ہیں ابھی شہر کے حالات، ذرا بیٹھ

کیوں دل کے دھڑکنے سے تھرکتا ہے کوئی جسم
دل تجھ کو دکھائے گا کرامات، ذرا بیٹھ

کیا کیا نہیں ہوتا ہے زمانے میں سرِ عشق
کیا کیا نہیں ہوتے ہیں کمالات، ذرا بیٹھ

آ تجھ کو دکھاؤں میں حقیقت کے حسیں رنگ
بے کار نہیں، حرف و حکایات، ذرا بیٹھ

باقی ہیں ابھی کتنے حسابات مرے یار
تشنہ ہیں ابھی کتنے سوالات، ذرا بیٹھ

ہر بات بتانے سے نہیں کھلتی مرے دوست
کچھ اور بھی ہوتے ہیں اشارات، ذرا بیٹھ

آنسو ہیں نشاطِ رخِ جاناں کے سزاوار
کہتی ہے یہ نمناک سی برسات، ذرا بیٹھ

قربت میں محبت کا نشہ کیا ہے؟ شب و روز
آ بیٹھ مری صبح ! مری رات ! ذرا بیٹھ

ہمدم ترے لہجے سے مرے لفظ ہوئے پھول
مہکے ہیں ترے دم سے یہ جذبات، ذرا بیٹھ

(ث)

جو کچھ ہو گا ، اچھا ہو گا ، اللہ وارث
تیرا میرا ، میرا تیرا ، اللہ وارث

سب اپنا کردار نبھا کر مر جائیں گے
پیچھے رہ جائے گی دنیا ، اللہ وارث

مجھ سے میرے خوف نے پوچھا اب کیا ہو گا؟
میں نے اپنے عزم سے لکھا ، اللہ وارث

مست قلندر! مست قلندر! مست قلندر!
سا رے گا ما پا دھا نی سا ، اللہ وارث

طوفانوں کا رخ موڑیں گے ، تیرنے والے
دریا جتنا بھی ہو گہرا ، اللہ وارث

واہ تہذیب کا گہوارہ ہے شہر ہمارا
بستی لالہ رخ ، گندھارا ، اللہ وارث

سینہ تان ہوا کے آگے ڈٹ جائیں گے
ساتھ رہے گا تنکا تنکا ، اللہ وارث

بنجر کھیتی سبز کرے گا نم بیج گا
بارش کا ہے پہلا قطرہ ، اللہ وارث

دل کی باتیں ، دل کی گھاتیں ، دل ہی جانے
سود ، خسارہ ، دل کا سودا ، اللہ وارث

سچی باتیں ، سچے جذبے ، ماند نہ ہوں گے
عشق ، محبت ، پیار ہے زندہ ، اللہ وارث

ماضی جیسا حال ہمارا ہو جائے گا
روشن ہے امروز کا فردا ، اللہ وارث

سانس کی ڈوری سلجھ رہی ہے، تیرے دم سے
ریشم ہے احساس کا دھاگہ، اللہ وارث

چلتے چلتے مل جائیں گے خواب کنارے
پورا ہو گا ہر اک سپنا ، اللہ وارث

اپنے ساتھ میں اپنا سایہ ہی رکھتا ہوں
کافی ہے بس ایک سہارا ، اللہ وارث

مٹی آخر مٹی ہے جو مٹ جائے گی
میں بھی مایا تو بھی مایا ، اللہ وارث

ہم دونوں کے بیچ رہے گی ایک مثلث
عشق ، جنوں اور ہجر کا صحرا ، اللہ وارث

سات سمندر پار سے پانی لے آیا ہوں
پیاس بجھائے گا یہ دریا ، اللہ وارث

سورج اپنی آب و تاب سے روشن ہو گا
چھٹ جائے گا گھور اندھیرا ، اللہ وارث

چاند ستارہ سبز زمیں پر کھلتا رہے گا
اونچا رہے گا دیس کا جھنڈا ، اللہ وارث

ڈھل جائیں گے غم خوشیوں میں دیکھتے رہنا
مٹ جائے گا دل کا دکھڑا ، اللہ وارث

حرفِ نو کی بیعت ہمدم ہوتی رہے گی
زندہ رہے گا تازہ مصرع ، اللہ وارث

(ث)

کار زارِ حیات ، کارِ عبث
زندگی کیا ہے ، روز گارِ عبث

جی رہے ہیں انا کے مارے ہوئے
آستیں میں رہا ہے ، مارِ عبث

روشنی تو دھوئیں کے ساتھ گئی
اڑ رہا ہے فقط غبارِ عبث

کون سینے کا چاک ڈھانپے گا؟
چاک دامن ہوا ہے تارِ عبث

عشق تو نور کی تجلی ہے
ورنہ حرص و ہوس ہے نارِ عبث

سنگ دل پر اٹھانا پڑتا ہے
ہجر ہوتا نہیں ہے بارِ عبث

اک جہاں اور مل گیا بھی تو
کیا کروں گا میں کارزارِ عبث

ہم تو ویسے بھی دور ہوتے گئے
پیچ اٹھتی رہی دوارِ عبث

یہ مرے پھول کیوں نہیں کھلتے؟
بے نمودی ہے یا بہارِ عبث

روز جینا ہے روز مرنا ہے
بے قراری ہے یا قرارِ عبث

آج تک وہم سے نہیں نکلا
میں کیا تھا کبھی فرارِ عبث

ہم ہیں صفری معالطے کے لوگ
کون رکھتا ہمیں شمارِ عبث

مطمئن ہوں ، جہاں کہیں بھی ہوں
کھینچتا ہے مجھے مدارِ عبث

یہ اجالا ہے یا دھندلکا ہے
لیل ہے یا کوئی نہارِ عبث

ہوش کب تھا کہ بے خرد ہوتے
بے خودی میں رہا خمارِ عبث

بوسہ ء لب سکون دیتا ہے
یوں اترتا نہیں بخارِ عبث

بند گلیوں میں راستہ ہی نہیں
کس طرف جائے گا سوارِ عبث

میں نے اک بار اور ہجرت کی
چھوڑنا پڑ گیا دیارِ عبث

خون تھوکا گیا نہیں یونہی
رنگ لائے گا یہ فشارِ عبث

میں تو خود سے بھی مل نہیں سکتا
کیوں کھڑی ہے یہاں قطارِ عبث

موج طوفاں سے کب نکلتی ہے
منتظر ہی رہا کنارِ عبث

لوگ مطلب کی بات سنتے ہیں
کون سنتا مری پکارِ عبث

جس کو آنا تھا وہ نہیں آیا
ہاتھ آیا ہے انتظارِ عبث

جس کے دم سے تھیں بستیاں آباد
مر گیا ہے وہ شہر یارِ عبث

کوئی رکتا نہیں سرِ راہے
رہ گئی ہے وہ یادگارِ عبث

نوچ ڈالی ہیں کس نے تصویریں
بکھرا بکھرا ہے شاہ کارِ عبث

اب کوئی جان کیوں نہیں دیتا
کتنا مشکل ہوا ہے دارِ عبث

ہو چکی دوستی ، سو ہو چکی ہے
بس مرے یار ! میرے یارِ عبث

خواہشوں کے اسیر پر ہمدم
اور چجتا نہیں حصارِ عبث

(ث)

اونچا نظر آتا ہے جو کردار کے باعث
جلتا ہے دیا بام پہ دیوار کے باعث

میں نے تو فقط حسن کی تعریف کری تھی
ہنگامۂ محشر ہے مرے یار کے باعث

یو ٹرن بھی آتا ہے محبت کے سفر میں
اقرار بھی ہو جائے گا انکار کے باعث

گم راہ قبیلے کا سفر دیکھ رہا تھا
رہوار گرا تندیِ رفتار کے باعث

یا دیکھنے والوں کی نظر صاف نہیں ہے
یا گرد سے الجھا ہوں میں زنگار کے باعث

ورنہ میں غمِ ہجر میں گھٹ گھٹ کے مروں گا
پھیلے گا مرا درد عزا دار کے باعث

خاموش تمنا کی سڑک پر میں رواں ہوں
میں بھی ہوں ستم کوش، ستم گار کے باعث

الجھی ہوئی سوچوں کو رفو کون کرے گا؟
یہ دائرہ بنتا نہیں پرکار کے باعث

ورنہ مرے لشکر میں کوئی میر نہیں تھا
میں مارا گیا، قافلہ سالار کے باعث

یہ دیپ محبت سے ضیا بار ہوئے ہیں
آنکھوں میں چمک ہے ترے رخسار کے باعث

ہم درد مجھے چین سے رونے نہیں دیتا
خوش تاب ہوں میں بھی کسی غم خوار کے باعث

جوڑا ہے کسی دستِ ہنر نے مجھے ہمدم
تخریب سے تعمیر ہے معمار کے باعث

(ش)

ہر خواب کی تعبیر، سخن زاد کی میراث
ادراک سے پائی ہے یہ اجداد کی میراث

بس ایک تصور سے در و بام سجے ہیں
آئینہ دکھاتا ہے تری یاد کی میراث

خوش تاب نظر اور ہی دنیا پہ لگی ہے
احساس پہ لکھی ہے پری زاد کی میراث

ہر دور کا صیاد ہمیں قید رکھے ہے
ہم صید زبوں ہیں کسی صیاد کی میراث

اک دیپ بجھایا تو جلایا ہے اسی سے
زندہ ہے چراغوں سے درباد کی میراث

تاریخ بخارا و سمرقند کا قصہ
تہذیب مری طیبہ و بغداد کی میراث

اسرار سبھی علم لدنی سے کھلیں گے
یہ علم ریاضی تو ہے اعداد کی میراث

جو حد سے گزرتے ہیں وہ مٹتے ہیں ہوا سے
عبرت کا نشاں چھوڑ گئی عاد کی میراث

اب خلد گروں کا بھی گزارا نہیں ہوتا
دوزخ کی طرح ہو گئی شداد کی میراث

جو جتنا تونگر تھا وہی لے کے چلا ہے
تقسیم ہوئی ملک خداداد کی میراث

جو برسر پیکار عناصر سے عیاں ہے
رہتی ہے مرے دل میں وہ اضداد کی میراث

لو ، آج غلامی کا سبق بھول گئے ہیں
ہم لے کے چلے خطۂ آزاد کی میراث

جو دل میں اترتی ہے وہی بات کریں گے
یہ دل کا فسانہ ہے، طبع زاد کی میراث

ہمدم یہ مرے شعر بھلانے کے نہیں ہیں
رہ جائے گی دنیا میں مرے بعد کی میراث

(ج)

یہ انحراف ہے نہ یہ جدت، سو احتجاج
زندہ نہیں ہے سچی روایت ، سو احتجاج

جب تک فریبِ چشمِ تمنا تھا، چپ تھے ہم
آئنہ ہو گیا ہے حقیقت ، سو احتجاج

یہ جبر اور صبر تو مردوں کا کھیل تھا
ماری گئی ہے مفت میں عورت، سو احتجاج

فٹ پاتھ بھی نہیں ہے میسر غریب کو
صد حیف! تجھ پہ شہرِ قیامت، سو احتجاج

ورنہ ہمارا قافلہ نادان تو نہیں
بھٹکا رہی ہے سب کو قیادت ، سو احتجاج

اہلِ ہوس کے سامنے اٹھو محبتی!
رد ہے خلوص اور مروت ، سو احتجاج

کرنی پڑے گی بات بھی کھل کر یہاں میاں!
سنتے نہیں ہیں اہلِ سیاست ، سو احتجاج

اہلِ جنوں نے سب کو یہ منزل دوام کی
لائے گا رنگ ذوقِ شہادت ، سو احتجاج

ورنہ یہ تاج و تخت کا سودا نہیں ہمیں
توڑی گئی ہے دل کی حکومت ، سو احتجاج

ہم اہلِ دل وفا کے دیے یوں جلائیں گے
لازم ہوئی ہے ہم پہ اطاعت ،سو احتجاج

رستہ دکھا گئے ہیں جو اہلِ زباں کو
اہلِ جنوں نے کی ہے سہولت ، سو احتجاج

اب تو لہو بھی بیچ کے جینا محال ہے
گرنے لگی ہے درد کی قیمت ، سو احتجاج

اربوں روپے کی بات نہیں سچ کی بات ہے
لوٹی ہے اعتماد کی دولت ، سو احتجاج

اے دل جو کھو چکا ہے وہ رتبہ بحال کر
بھولی نہیں ہے پہلی محبت ، سو احتجاج

کرب و بلا میں صبر کا پرچم بلند ہے
ہوتی نہیں یزید کی بیعت ، سو احتجاج

کوئی تو آئے حبس کا موسم ہرا کرے
چھائی ہوئی ہے شہر پہ وحشت،سواحتجاج

کاٹے ہیں پھلتے پھولتے پودے ہرے بھرے
اب ہے کہاں زمین کی عصمت،سواحتجاج

کوئی تو آ کے خوشہ ء گندم پہ دم کرے
اٹھنے لگی ہے رزق سے برکت ، سو احتجاج

پکے مکان چھوڑ کے جنگل نہ کیوں چلیں
لازم ہوئی ہے شہر سے ہجرت، سو احتجاج

یونہی تو انقلاب کو رستہ نہیں ملا
کرنی پڑے گی ہم کو بھی حرکت، سو احتجاج

اٹھو یزیدِ وقت سے لڑنے کا وقت ہے
زندہ رہے حسینؓ کی سنّت ، سو احتجاج

ذہنی غلام بن تو گئے حکمراں مگر
بدلی نہیں ہے قوم کی حالت ، سو احتجاج

کچھ تو سرائے فکر میں عملی قدم اٹھے
دل میں ہے انقلاب کی حسرت، سو احتجاج

موقع بھی ہے، مقام بھی ہے، حوصلہ بھی ہے
پھر کب؟ کہاں؟ کسی کو یہ فرصت، سو احتجاج

ہم نے کہاں کسی کو کرپشن کی چھوٹ دی
ہم پر لگی ہے جھوٹ کی تہمت ، سو احتجاج

امر و نہی کا حکم ہے واجب شعور پر
پیغام دے رہی ہے یہ آیت ،سو احتجاج

بنتی نہیں ہیں آپ کی خاموشیاں حضور!
سو احتجاج کیجیے ! حضرت ! سو احتجاج

دنیا تو داستان سے آگے کی چیز ہے
بے کار ہے یہ حرف و حکایت،سو احتجاج

روشن رہے چراغ اندھیروں کے سامنے
ناداں یہی ہے حکمِ شریعت ، سو احتجاج

کیا کیا سخن کے نام پہ ہمدم روا ہوا
لازم ہے تجھ پہ حرف کی حرمت،سو احتجاج

(ج)

سرخ ، گلابی ، کھلتا کھلتا خوش بو رنگ مزاج
بادِ سحر کا تازہ جھونکا خوش بو رنگ مزاج

جاگ اٹھی احساس کی کوئل ، خواہش کا سرخاب
تتلی کی پرواز پہ لپکا خوش بو رنگ مزاج

کلیوں پر شبنم پڑتے ہی ، بھیگ اٹھی مہکار
غنچے کی آواز پہ لہکا ، خوش بو رنگ مزاج

ہر جھرنے کی لے کا دھارا ، ہر چشمے کی موج
سات سروں کا بہتا دریا ، خوش بو رنگ مزاج

دل کے لان میں پھول کھلے تو چمک اٹھا دالان
ٹیرس پر کرنوں سے پھیلا ، خوش بو رنگ مزاج

نیلے نیلے ، اودے اودے سپنے ٹھہرے پھول
آنکھوں کی گفتار سے چھلکا خوش بو رنگ مزاج

موسم نے انگڑائی لی تو جھوما روشن دان
کھڑکی کے پردے سے جھانکا، خوش بورنگ مزاج

شام سہانی، پیارا موسم، چائے کے دو کپ
اور چائے سے پیار میں ڈھلتا، خوش بورنگ مزاج

پیار بھری آواز کا جادو، لہجے کا آہنگ
دل میں اترا میٹھا میٹھا، خوش بورنگ مزاج

سادہ سا اک شخص بنایا ہے اپنا محبوب
سیدھا سادھا، سلجھا، سنورا، خوش بورنگ مزاج

باتیں تازہ کلیوں جیسی، لہجہ نرم نسیم
پھول کھلائے صحرا صحرا، خوش بورنگ مزاج

کون محبت غمزہ جانے؟ سمجھے عشق انداز
سات سمندر سے بھی گہرا، خوش بورنگ مزاج

بھینی بھینی ٹیولپ خوشبو، سانسیں ہم آغوش
دھیرے دھیرے دل میں دھڑکا، خوش بو رنگ مزاج

ہجر کنارہ اور ہوا میں قربت کا احساس
قدموں کی آہٹ سے مہکا، خوش بو رنگ مزاج

چاروں سمت ہیں کانٹوں جیسے چبھنے والے لوگ
سب سے الگ ہے لیکن اپنا، خوش بو رنگ مزاج

ایک محبت کا صدقہ ہے، قدرت کا انعام
جو بھی پیار کرے گا، اس کا، خوش بو رنگ مزاج

ہر انداز میں رکھ رکھاؤ، تہذیبی گفتار
ہمدم تجھ سا کوئی نہ دیکھا، خوش بو رنگ مزاج

(ج)

کیا تماشا دکھا رہا ہے آج
آئنہ مسکرا رہا ہے آج

روشنی کی طلب زیادہ ہے
اک دیا سا جلا رہا ہے آج

ایک دریا جو دیکھتا ہے مجھے
خود سے آنکھیں ملا رہا ہے آج

پیش منظر ہے نقش آنکھوں میں
دل کا رستہ بنا رہا ہے آج

اتنی وحشت ہے دھوپ نگری میں
اپنا سایہ بھی کھا رہا ہے آج

کس کی آمد بہار لائے گی
کون غنچے کھلا رہا ہے آج

جس پہ لکھی ہے داستان دل
کیا کہانی سنا رہا ہے آج

جو عداوت کے بانیوں میں تھا
کیوں محبت سکھا رہا ہے آج

آنے والا جہان دیکھے گا
جو زمانہ پڑھا رہا ہے آج

میرے جانے پہ لوگ جانیں گے
کون دنیا سے جا رہا ہے آج

جس کو دیکھا تھا خواب میں ہمدم
دھڑکنوں میں سما رہا ہے آج

(ج)

خواب چہرے پہ سحر تاب اجلتا سورج
کب سے دیکھا نہیں مشرق سے نکلتا سورج

زرد موسم سے شجر زادز میں چاٹ گیا
گرم لہجے میں بھری آگ اگلتا سورج

وادی ہجر میں یخ بستہ ہوا چلتی ہے
برف کی آنچ سے جلتا ہے پگھلتا سورج

دھوپ نگری میں تجھے ساتھ لیے چلتا ہوں
سر پہ رہتا ہے مرے ساتھ بدلتا سورج

جذبہء دل: کہ سمندر کی طلب رکھتا ہے
کن سرابوں سے الجھتا ہے ابلتا سورج

شام ڈھلتے ہی اندھیرے سے نکل آتے ہیں
ہم چراغوں کو میسر ہے مچلتا سورج

ہم نے تو خود کو جلایا اسی ہم سفری میں
کام آتا ہے کہاں دیکھیے ! ڈھلتا سورج

میری رفتار سے جلتا ہے زمانہ ورنہ
دیکھتا دھوپ کی دیوار پہ چلتا سورج

شاعری آنکھ سے چھلکے تو غزل ہوتی ہے
دیکھنا ! چشمِ غزالاں سے غزلتا سورج

روشنی موج تخیل کی نمو ہے ہمدم
میرے احساس میں شامل نہیں جلتا سورج

(ج)

بنتی ہے، ذرا دل کی سنیں بات، مہاراج
نازک ہیں بہت دیس کے حالات، مہاراج

انگلی ہی نہیں سر بھی کٹاتے ہیں یہاں لوگ
اٹھتے ہیں لہو رنگ سوالات ، مہاراج

میں آخری کردار کہانی میں بچا ہوں
شاید نہ ہو پھر اپنی ملاقات، مہاراج

ٹھہری ہے سوئی ایک جگہ میری گھڑی میں
لے دے کے یہی ہے مری اوقات، مہاراج

دھرتی کے خزینے میں پسینے کی نمو ہے
ہے سرخ بہت رزق کی سوغات، مہاراج

بس ایک نظر ناز بہ انداز تغافل
مستی میں کوئی جنبش اثبات، مہاراج

پھر زرد خزاؤں نے ہمیں گھیر لیا ہے
لازم ہے کہ ہو امن کی برسات ، مہاراج

مانا ، ترے اوتار اجازت نہیں دیتے
لیکن بہ تقاضائے مفادات ، مہاراج

کیا دل کی سنائیں ، تجھے رنجور بہت ہیں
لاحق ہے ہمیں درد کی بہتات ، مہاراج

کس جبر میں ہم جان گنوانے کو پڑے ہیں
باقی ہے فقط عزت سادات ، مہاراج

بندوق سے کس شے کی حفاظت پہ لگے ہو
کیا خون سے مہنگے ہیں یہ آلات ، مہاراج

انسان نما چیز دکھائی نہیں دیتی
بس کیڑے مکوڑے ہیں یہ حشرات ، مہاراج

فولاد کے جنگل میں ہرا کون رہے گا ؟
کیوں شہر میں ڈھلنے لگے دیہات، مہاراج

دیوار پہ لکھا ہے کوئی حرف تمنا
خاموش فضا میں بھی ہیں جذبات، مہاراج

اب کوئی کسی جان کا صدقہ نہیں دیتا
ملتی ہے فقط بھیک میں خیرات، مہاراج

مٹی کے دیے بجھتے ہوئے چیخ رہے ہیں
آباد ہے کیوں کوچہ ء ظلمات ، مہاراج

گر ذوق سماعت ہے تو سن ظل الٰہی
بے تال نہیں ہیں مرے نغمات، مہاراج

غالب کا قصیدہ نہیں ، ہمدم کی غزل ہے
اشعار کی صورت ہیں مناجات، مہاراج

(چ)

بنی بنائی ہوئی راہ پر لکیر نہ کھینچ
کسی لکیر پہ بار دگر لکیر نہ کھینچ

جو کھینچنے ہیں تو واضح خطوط کھینچ اپنے
جو کھینچنی ہیں شعاعیں تو ہر لکیر نہ کھینچ

اسی خمیر سے مٹی نمود پائے گی
مرے بدن پہ مرے چارہ گر! لکیر نہ کھینچ

یہ معجزہ تو مرے آخری نبی ﷺ کا ہے
نہ ہو گا پھر کوئی شقُّ القمر لکیر نہ کھینچ

میں دو قدم بھی تری سمت اڑ نہیں سکتا
کٹے ہوئے ہیں مرے بال و پر لکیر نہ کھینچ

یہ وہ جگہ ہے جہاں پر ہمارے دل ملے تھے
یہ راستہ ہے وہی رہ گزر لکیر نہ کھینچ

اسی زمیں سے انیس و دبیر گزرے ہیں
اسے فلک نہ سمجھ خاک پر لکیر نہ کھینچ

فضائے شہرِ تمنا یہ گھر مکمل ہے
مجھے بہت ہیں یہ دیوار و در لکیر نہ کھینچ

کوئی تو راستہ باقی رہے محبت کا
کر اختیار جدائی مگر لکیر نہ کھینچ

یہ نقش ہجر کے رستے کو تنگ کرتا ہے
پکارتی ہے ڈگر در ڈگر لکیر ! نہ کھینچ

ہر ایک چیز کا اپنا مقام ہوتا ہے
یہ زیر ہو نہ سکے گا زبر لکیر نہ کھینچ

خیال و خواب کے چکر غلط بھی ہوتے ہیں
حقیقتوں سے نہ رہ بے خبر لکیر نہ کھینچ

منافقت کا رویہ مجھے قبول نہیں
ادھر لکیر مٹا کر ادھر لکیر نہ کھینچ

یہ تیرے بس میں نہیں کہ جدا رہے مجھ سے
دیارِ ہجر کی وحشت سے ڈر لکیر نہ کھینچ

ہماری سوچ کا رستہ ہے منسلک ہم سے
انا کو پیار میں حائل نہ کر لکیر نہ کھینچ

ترے وجود میں باقی نہیں ہے دردِ دل
تو کھو چکا ہے مقامِ بشر لکیر نہ کھینچ

نہ تجھ میں فقر نہ صدق وصفا نہ ذوقِ وفا
اٹھا یہ نیزہ و خنجر، سپر لکیر نہ کھینچ

ہے طفلِ مکتبِ دل تو ! ذرا بڑا ہو جا!
تجھے نصیب ہو عمرِ خضر لکیر نہ کھینچ

کسی کی یاد کا سورج غروب ہونے دے
ذرا سی دیر پہر دو پہر لکیر نہ کھینچ

یہ ریگزارِ محبت ہے ننگے پاؤں چل!
سرابِ دشت سے آگے گزر لکیر نہ کھینچ

یہ کیا کہ ایک ہی رستے کو ماپتے جائیں
نہیں نہیں یہ نہیں ہے ہنر لکیر نہ کھینچ

کہاں تلک تو گنوائے گا روشنی اپنی
نہیں ملے گا یہ حدِّ نظر لکیر نہ کھینچ

سخن جدید نہیں ہے ترا، میں جانتا ہوں
یہی بہت ہے سمجھ، مختصر! لکیر نہ کھینچ

نہ دیکھ مجھ کو ادھوری نگاہ سے ہمدم
بنوکِ تیر درونِ جگر لکیر نہ کھینچ

(چ)

آئینے سے جمالِ یار بھی کھینچ
تیری آنکھ ہے تو پیار بھی کھینچ

ہجر کا گھر بنا لیا ہے تو پھر
بیچ میں اب کوئی دوار بھی کھینچ

اے مری آنکھ اس کو غور سے دیکھ!
حسن کے پیڑ سے بہار بھی کھینچ

میں ترا اضطراب جانتا ہوں
چین لے لے ! مرا قرار بھی کھینچ

شوخ آنکھوں سے دیکھنے والے
تشنگی سے بھرا خمار بھی کھینچ

میٹھی آنکھوں سے دیکھتا ہوا چل
باغ سے رس بھرے انار بھی کھینچ

میں دھواں ہو رہا ہوں تیرے لیے
آ ! بدن میں بھرا غبار بھی کھینچ

آ گیا ہے جو میرے ہونٹوں پر
بوسہ ء جاں سے وہ بخار بھی کھینچ

پیار ہے تو نہ دیکھ سود و زیاں
چھوڑ رکھا ہے جو ادھار بھی کھینچ

پھر کہاں یہ خطوط کھنچتے ہیں
دائرہ ، زاویہ ، ابھار بھی کھینچ

یہ فسانہ ہے چور لمحوں کا
آج منٹو کو پڑھ ، ازار بھی کھینچ

آج دریا مرا عروج پہ ہے
قطرہ قطرہ یہ آبشار بھی کھینچ

دل کسی حد میں رہ نہیں سکتا
یہ سمندر ہے بے کنار بھی کھینچ

جو لگائی ہے وہ بجھا بھی دے
جل رہا ہوں مرا شرار بھی کھینچ

دل کو لگتی ہے یہ ادا کم کم
تیر سینے سے آر پار بھی کھینچ

میں تری دسترس میں ہوں ہمدم
جو میسر ہے اختیار بھی کھینچ

(چ)

زنگار ہو نہ جائے کہیں بے قرار سوچ
تصویر ہو رہا ہوں مجھے بار بار سوچ

پتھر پگھل رہے ہیں محبت کی آگ سے
ہے برف زاد جسم کے اندر چنار سوچ

تخریب ہو رہی ہے درونِ دیارِ دل
مسمار کر رہی ہے یہ سینہ فگار سوچ

کھلتے ہوئے گلاب سے خوشبو چرا کے لا
خوش رنگیِ خیال میں موجِ بہار سوچ

کھو کر حسیں خیال سے خوشیاں کشید کر
بس پیار پیار پیار مرے یار پیار سوچ

گھٹنے لگی ہے کیوں یہ مرے شہر کی فضا
دیوار و در پہ جبر ہے، کیا حصار سوچ

ادراک میں سمیٹ دھند لکا سراب کا
لپٹا ہے آئنے سے جو گرد و غبار سوچ

ممکن ہے تیرے خواب کی تعبیر مل سکے
شام و سحر خیال کے لیل و نہار سوچ

وہ آرزو ہے کیا ؟ کہ تمنا کہیں جسے
کس چیز پر خوشی کا ہے دار و مدار سوچ

بے کل وجود کیوں ہے ؟ محبت کے باوجود
چڑھتا ہے روز روز یہ کیسا بخار سوچ

چھپتا نہیں ہے کوئی بھی منظر کھلا ہوا
چہرے سے ہو رہی ہے عجب آشکار سوچ

ان دوریوں کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہے
ہجراں کا درد بانٹ ! مرے غم گسار سوچ

ہمدم غـزل کا رنگ ، نمودِ جمال ہے
تہذیب کا لباس ہے، یہ وضع دار سوچ

(چ)

دھڑکنوں پہ رہتا ہے رابطہ ہمارے بیچ
دل سے دل ملاتا ہے راستہ ہمارے بیچ

خود کو دیکھ لیتے ہیں، ایک دوسرے میں ہم
زندگی کا چہرہ ہے ، آئنہ ہمارے بیچ

کس قدر سریلی ہے، بانسری محبت کی
شہد سے بھی میٹھا ہے ، ذائقہ ہمارے بیچ

چاند ہو کہ جگنو ہو ، پھول ہو کہ تارا ہو
کتنا خوب صورت ہے، سلسلہ ہمارے بیچ

گفتگو کوئی بھی ہو ، ہم خیال رکھتا ہے
ہم ردیف رہتا ہے قافیہ ہمارے بیچ

دور جا نکلتا ہے سلسلہ محبت کا
دو گھڑی نہیں رہتا تخلیہ ہمارے بیچ

اک قدم بڑھاؤ تم! اک قدم اٹھاؤں میں
چلتے چلتے مٹ جائے فاصلہ ہمارے بیچ

اس کے بعد خود سے بھی دور دور رہنا ہے
آخری محبت ہے ، فیصلہ ہمارے بیچ

ہر گھڑی حقیقت کا زاویہ بدلتا ہے
گردشِ زمانہ ہے دائرہ ہمارے بیچ

ایک لفظ ''سوری'' پر بات آ کے رکتی ہے
اور پھر نہیں رہتا مسئلہ ہمارے بیچ

دردناک کتنا ہے خاتمہ کہانی کا؟
ہچکیوں میں بدلا ہے قہقہہ ہمارے بیچ

دل سے مان لیتے ہیں ، ہم بھی فیصلہ دل کا
خود کو بھول جاتا ہے فلسفہ ہمارے بیچ

ہم سخن محبت سے شعر ہونے لگتا ہے
ہم خیال ، ہمدم ہے، غزلیہ ہمارے بیچ

(چ)

ایسا نہیں کہ یار ہوں ، دو تین ، چار پانچ
بس میرے غم گسار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

بے شک مرا جہاں میں کوئی ایک بھی نہ ہو
لیکن وفا شعار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

برگد کی چھاؤں میں وہ سرِ شام چاہئیں
اپنوں میں جو شمار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

برگِ خزاں سرشت میں بود و نمو نہیں
میرے لیے بہار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

بس آرزوئے وصل کا محور ہو ایک شخص
ہجراں میں بے قرار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

بزمِ تصورات میں صورت کوئی تو ہو
احساس کا حصار ہوں ، دو تین ، چار پانچ

اتری ہے فصل گاؤں میں ونگار چاہیے
بے شک سے رشتے دار ہوں، دو تین، چار پانچ

تاریخ کے سفر میں جنھیں ڈھونڈتا ہوں میں
تہذیب کا وقار ہوں ، دو تین ،چار پانچ

رستے جدا جدا سہی ، منزل تو ایک ہے
ہر ناؤ پر سوار ہوں ، دو تین ،چار پانچ

معیار ہو تو کم بھی زیادہ لگے مجھے
کھل جائیں تو ہزار ہوں ، دو تین ،چار پانچ

گہرائی اور بہاؤ کا رخ دیکھنے کے بعد
دریا سے ہم کنار ہوں ، دو تین ،چار پانچ

کچھ بے مثال مر کے بھلائے نہ جا سکیں
ہر دور کی پکار ہوں ، دو تین ،چار پانچ

یہ دوستی کا سلسلہ بھی کارواں بنے
بےلوٹ، جاں نثار ہوں، دو تین، چار پانچ

خوابوں کے پھول کھل اٹھیں کوہِ خیال پر
برفاب سے چنار ہوں، دو تین، چار پانچ

خوش تاب وادیوں میں کبھی بھیگتے سمے
لمحات آب شار ہوں، دو تین، چار پانچ

یوں تالیوں کی گونج میں بزم غزل سجے
ہمدم، سخن شعار ہوں، دو تین، چار پانچ

(چ)

سرخ لبوں پر نظم ہوئی ہے نیلی نیلی آنچ
تاپ رہی ہے دھڑکن دھڑکن میٹھی میٹھی آنچ

پلکوں پر کچھ روشن روشن جگنو ہوتے خواب
جھانک رہی ہے نم آنکھوں سے ہلکی ہلکی آنچ

لمس کی لہر جبیں سے گالوں تک سرخی کی موج
پیاس لبوں سے کھینچ رہی ہے کیسی کیسی آنچ

پاگل دل کو کر دیتا ہے بے تابی کا رنگ
بے خود کر دیتی ہے مجھ کو پیاسی پیاسی آنچ

کچھ لمحے وجدان ہوئے جب کھڑکی سے اس پار
یاد کے آتش دان سے مہکی دھیمی دھیمی آنچ

پھولوں کی خوش رنگی میں ہے تتلی کا انداز
آنچل کے لہراؤ میں ہے بھینی بھینی آنچ

چارہ گر کے ہاتھ کی نرمی ، لہجے کی تاثیر
گرم لہو میں رینگ رہی ہے ٹھنڈی آنچ

سر تا پا اب سانس کی لے پر جھومیں ہم خوش تاب
آخر دم تک آ پہنچی ہے پیاری پیاری آنچ

چہرے کی خوش رنگی میں ہے جینے احساس
تیرے بدن کی خوشبو جیسی مہکی آنچ

کون جلا ہے دھوپ نگر میں کس کو کیا معلوم؟
اپنی اپنی آگ ہے ہمدم اپنی اپنی آنچ

(چھ)

خیال وخواب کی سچی کہانیاں مت پوچھ
گزر گئی ہیں کئی نوجوانیاں مت پوچھ

قدم قدم پہ ہمارا سراغ ملتا ہے
گئے دنوں کی پرانی نشانیاں مت پوچھ

دبی دبی ہیں جو چنگاریاں بھڑک نہ اٹھیں
وفا کے دشت میں آتش فشانیاں مت پوچھ

جہانِ سنگ میں گزری ہے زندگی کیسے؟
پڑی ہیں دل پہ مرے کیا گرانیاں مت پوچھ

یہ بے کنار محبت کی داستاں ہے کیا؟
یہ بحر عشق ہے کیا؟ بے کرانیاں مت پوچھ

وہ کس سے فون پہ باتوں میں رات کٹتی تھی
وہ کس کے قرب سے تھیں شادمانیاں مت پوچھ

یہ پھول، چاند، ستارے سبھی ہمارے ہیں
ہمارے حال کی سب ترجمانیاں مت پوچھ

انا کے موڑ پہ بچھڑے ہوئے کبھی نہ ملے
دلوں کے بیچ ہیں کیا بدگمانیاں مت پوچھ

کوئی تو ہے جو مرے دل پہ راج کرتا ہے
ہیں کس کی دل پہ مرے حکمرانیاں مت پوچھ

ہر ایک حال میں مست و ملنگ رہتا ہوں
مرے خدا کی ہیں سب مہربانیاں مت پوچھ

سحر نما کسی چہرے کی جستجو کرتے
بچھڑ گئی ہیں جو راتوں کی رانیاں مت پوچھ

بس ایک نام سے حسنِ کلام ہے ہمدم
وفورِ موجِ غزل میں روانیاں مت پوچھ

(ح)

رکھا ہے طاقچے میں جو ہر دم چراغِ صبح
جلتا رہے گا یونہی مجسّم چراغِ صبح

مشرق سے آفتاب نکلنے کی دیر تھی
پھر سے جلانے لگ گئی شبنم چراغِ صبح

ویسے تو شہرِ ذات میں اندھیر ہے مگر
ہے تیرگی کے زخم کا مرہم چراغِ صبح

میں بے کراں شیوں کی انا کا سفیر ہوں
آنم چراغِ صبح نہ دانم چراغِ صبح

یہ آن بان، شان، یہ وجدان اسی سے ہے
لہرا رہا ہے دل پہ بہ پرچم چراغِ صبح

خود بجھ گیا میں، خواب کو بجھنے نہیں دیا
رکھا جلا جلا کے مقدّم چراغِ صبح

یہ خواب کا سفر تھا اسے ختم کیوں کیا؟
کس نے اٹھا کے پھینک دیا ہم چراغِ صبح

تھوڑی سی زندگی میں ستارے کشید لو!
جلتا ہے زندگی میں یہ کم کم چراغِ صبح

میں نے اسی کی لو سے جلائے ہیں کچھ دیے
رہنے دے میرے پاس شبِ غم چراغِ صبح

ورنہ ترے بغیر یہ جینا عذاب تھا
رکھا فراق و ہجر کا محرم چراغِ صبح

مجھ پر شبِ وصال کا ایسا خمار تھا
دیکھا ہے دور دور سے مدھم چراغِ صبح

بہتی ہے روشنی سی چناروں کے بیچ میں
نیلم چراغِ شام ہے، جہلم چراغِ صبح

بجھ بھی گیا تو کم نہ کبھی ہو گی روشنی
دائم رہے گا نور کا عالم چراغِ صبح

رنگینیِ بہارِ سحر کا سراغ ہے
ہوتا ہے رنگ و نور کا سنگم چراغِ صبح

یہ نارسائی خون رلائے گی عمر بھر
کرتا رہے گا ہجر پہ ماتم چراغِ صبح

دیپک سروں پہ رقص کرے گا تمام رات
چھیڑے گا سوز و ساز پہ سرگم چراغِ صبح

دل کا دیا جلا کے دکھاتے چلے گئے
رکھا ہے ہر قدم پہ مقدّم چراغِ صبح

دو چار دن کے بعد ہے کرب و بلا کی شام
سو رکھ دیا ہے ، ماہِ محرّم چراغِ صبح

شعلہ کہیں ہے، بات کہیں، تیل ہے کہیں
کرنا پڑے گا پھر سے منظم چراغِ صبح

لازم ہے روشنی کا عمل زندگی کے ساتھ
ظلمت کے شہر میں ہے مسلّم چراغِ صبح

رکھتا ہوں حرف میں کنج خیال میں
کرتا ہے روشنائی فراہم چراغِ صبح

یہ تال میل یونہی مقدّس نہیں ہوا
رقصِ قلندری ہے دما دم چراغِ صبح

شب بھر ترے نشے میں بجھائیں گے تشنگی
اے محترم ایاغ! مکرّم چراغِ صبح

ہیں جاگتی رتوں میں ابھی روشنی کے پھول
بدلے گا میرے شہر کا موسم چراغِ صبح

اک پل شب سیاہ کا دھوکہ نہیں ہوا
شب بھر رہا چراغِ مجسّم چراغِ صبح

صدیوں سے خاک داں میں اندھیروں کا راج تھا
ظلمت کدے میں لے کے چلے ہم چراغِ صبح

سوزِ نہاں کے کرب سے آزاد تو نہیں
سورج کے سامنے ہے جو پرنم چراغِ صبح

سینہ سپر ہوا ہے ہواؤں کے سامنے
دیکھا نہ تیرگی میں کبھی خم چراغِ صبح

تیرہ شبی میں نور کا سچا سفیر ہے
موتی بنا رہا ہے جو شبنم چراغِ صبح

کب تک رہے گی رات کی منزل یوں ہم سفر
کب تک جلے گا دیکھیے پیہم چراغِ صبح

یہ تو مری ریاضتِ شب کا کمال ہے
جلتا ہے کب کسی کا یہ ہمدم چراغِ صبح

(ح)

عکس روئے جمال کی تشریح
آئنہ ہے خیال کی تشریح

پیش منظر دکھائی دیتا ہے
زندگی ہے کمال کی تشریح

کر دیا لاجواب آنکھوں نے
مسکرائی سوال کی تشریح

موت کو بھی وصال کہتے ہیں
کون کرتا وصال کی تشریح

جو بھی ہو گا ، وہ سوچنا ہو گا
فکرِ فردا ہے حال کی تشریح

یہ سیاق و سباق کچھ بھی نہیں
متن میں ہے زوال کی تشریح

رنگ بدلا گلاب چہرے کا
ایک بوسہ ہے گال کی تشریح

ایک آنسو جواز رونے کا
ایک ہچکی ملال کی تشریح

چند پھولوں کی مسکراہٹ ہے
رنگ ، خوشبو ، نہال کی تشریح

ایک مصرعے میں دشت ہے ہمدم
ایک مصرع غزال کی تشریح

(ح)

دل کا بیانیہ ہے ، دکھانا صحیح صحیح
اے خوش نظر ! نگاہ ملانا صحیح صحیح

ممکن ہے پہلا پیار ہی ، ہو آخری ترا
پہلا سبق ہے ، دل کو پڑھانا صحیح صحیح

یہ دل کا راستہ ہے ، محبت کا راستہ
اس رہ گزر پہ خود کو چلانا صحیح صحیح

ایسا نہ ہو کہ تجھ سے نہ تصویر ہو سکے
نقشِ خیال دل میں بٹھانا صحیح صحیح

تجھ پر جو در کھلا ہے وہ شاید نہ پھر کھلے
آنکھوں سے میرے دل میں سمانا صحیح صحیح

دستورِ عشق بھی ہے ، اصولی رواج بھی
عہدِ وفا کیا تو نبھانا صحیح صحیح

آتے سمے کی روشنی ہے تیرے ہاتھ میں
بجھتے ہوئے چراغ جلانا صحیح صحیح

طوفان جو اٹھا ہے ، تجھے روکنا بھی ہے
جو آگ لگ چکی ہے، بجھانا صحیح صحیح

اک بار اور دل سے محبت کی بات کر
میں نے سنا نہیں ہے فسانہ صحیح صحیح

ہر شخص بے مراد قبیلے کا فرد ہے
ملتا ہے کب کسی کو ٹھکانا صحیح صحیح

یہ پیار کا سفر ہے ، یہاں واپسی نہیں
اس بار میرے خواب میں آنا صحیح صحیح

ہمدم ترے سخن پہ دلوں کا مدار ہے
تازہ غزل کے شعر سنانا صحیح صحیح

(ح)

جلتا ہوا چراغ جو رکھا حضورِ صبح
احساس کی زمین پہ دیکھا وفورِ صبح

موجِ گل بہار چلی ہے پون پون
سرسبز ہو رہا ہے چمن میں سرورِ صبح

تارے چلے ، چراغ بجھے ، روشنی ہوئی
تیرہ شبی کے در سے ہوا ہے ظہورِ صبح

مشرق سے آفتاب ابھرتا دکھائی دے
بامِ فلک پہ نورِ سحر ہے کہ طورِ صبح

چڑیوں کے چہچے ہیں ، کہیں قمریوں کی لے
نغمہ سرا ہوئے ہیں چمن میں طیورِ صبح

نعم البدل نہیں ہے کوئی آب و تاب کا
شبنم کی خیرگی ہے سراسر غرورِ صبح

اک خواب سے نکل کے میں چلتا ہوں خواب میں
والّیل ! کھینچتا ہے مجھے بھی نشورِ صبح

آ بھی گئی تو ہجر گزیدہ پہ بار ہے
شب زاد پر گراں ہے سراپا صبورِ صبح

ننھا سا یہ چراغ دکھائے گا روشنی
جگنو پڑا ہوا ہے جو بین السطور صبح

کیا نغمگی کھنکتی ہوئی خاک میں رکھی؟
دھڑکن میں گونجتی ہے مسلسل زبورِ صبح

رقصِ قلندری میں بلا کا وفور ہے
یہ روشنی کا جام رہے گا طہورِ صبح

حسنِ سحر، طلوعِ سحر تک دکھائی دے
خوشِ تابی نظر ہے کہ آنکھوں میں حورِ صبح

تازہ روایتوں کا پرانا امین ہوں
ہمدم سخن کروں گا غزل میں شعورِ صبح

(ح)

خوب صورت خواب کا عنوان ہے قوسِ قزح
سات رنگوں سے کھلا جزدان ہے قوسِ قزح

خوش نظر، خوش تاب آنکھوں میں ہزاروں شعر ہیں
شاعری کے رنگ میں دیوان ہے قوسِ قزح

آئینے کے سامنے اک خوب رو احساس ہے
زندگی کے بام پر وجدان ہے قوسِ قزح

راز یہ دل پر کھلا ادراک کے منشور سے
آفتابی حسن کی پہچان ہے قوسِ قزح

ہر گھڑی کھلتی رہے گی میرے خوابوں کی دھنک
دیدہ و دل میں بسا عرفان ہے قوسِ قزح

میری خوش تابی مرے احساس کی تصویر ہے
مطلع جاں سے عیاں ہر آن ہے قوسِ قزح

زرد چہرے ابر سے سرسبز ہیں، شاداب ہیں
موسم گل کا حسیں امکان ہے قوس قزح

دھڑکنوں کے رنگ سارے آسماں پر چھا گئے
دو دلوں کے درمیاں رومان ہے قوس قزح

روشنی کے پھول ہیں، کچھ تتلیوں کے رنگ ہیں
کائنات حسن کا دالان ہے قوس قزح

ایک جھولا جھولتی بڑھیا ہے افسانہ نما
بادلوں سے کھیلتی ہر تان ہے قوس قزح

یہ نظارا مختصر ہے، اک نظر میں دیکھیے
آسماں پر دو گھڑی مہمان ہے قوس قزح

کس نظر سے دیکھتے ہیں تجھ کو ہمدم کیا خبر؟
تیرے اک اک رنگ پر قربان ہے قوس قزح

(خ)

قرطاس کا سینہ ہے جنوں زاد کی تاریخ
لکھی ہے عجب خاک نے اجداد کی تاریخ

آئینہ بہت بعد میں ایجاد ہوا ہے
ہم شکل سے ملتی نہیں ہم زاد کی تاریخ

آثار بتاتے ہیں کہ ہم نقشِ کہن ہیں
لکھی ہے زمانے نے بہت بعد کی تاریخ

شادی ہو مرے شہر میں یا عید کا تہوار
ہر یومِ محبت ہے تری یاد کی تاریخ

طوفان کا رخ اہلِ جنوں موڑ رہیں گے
بنتی ہے چراغوں سے درِ باد کی تاریخ

میں جان سے گزرا ہوں تو پہنچا ہوں یہاں تک
مت پوچھیے مجھ سے دلِ برباد کی تاریخ

ہم لوگ تو سورج کے پجاری ہیں ، رہیں گے
دیکھی نہیں ہم نے کبھی اسناد کی تاریخ

خواہش کا جہنم کبھی جنّت نہیں ہوتا
کیوں بھول گیا ہے کوئی شدّاد کی تاریخ

ہر دور کے چنگیز نے برباد کیا ہے
کیوں دل کو جلاتی ہے یہ بغداد کی تاریخ

یہ لوگ کبھی اعلیٰ نسب ہو نہیں سکتے
ناپاک ضمیروں سے ملی کھاد کی تاریخ

افکار و دلائل سے یہ اعداد بنے ہیں
یہ علم کی دنیا تو ہے استاد کی تاریخ

اس روز نمودار ہوئے جانِ دوعالم
آغازِ مودّت ہے یہ میلاد کی تاریخ

ہر بار نئے جال میں پھنستے ہی گئے ہیں
نخچیر سمجھتے نہیں صیّاد کی تاریخ

وہ جن سے زمانے کے خد و خال بنے ہیں
خاموش لکیریں ہیں کہ اعداد کی تاریخ

صدیوں کی مسافت میں تراشا گیا لیکن
پتھر نے لکھی تیشہء فرہاد کی تاریخ

یہ بات پرانی ہے کہ تجدید ہوئی ہے
پڑھتا ہی نہیں کوئی بھی روداد کی تاریخ

مٹی کے عوض جان کا سودا بھی ہوا ہے
ہے خون سے تر خطہء آزاد کی تاریخ

بکھرے ہوئے ذرات چٹاں ہو نہیں سکتے
بنتی ہے محبت سے ہی افراد کی تاریخ

ہر نقش کے سینے میں بھلا بھی ہے برا بھی
دنیا کی حقیقت ہے یہ اضداد کی تاریخ

ہم اہلِ محبت اسے آباد رکھیں گے
ہم لوگوں سے قائم ہے دل آباد کی تاریخ

یہ عشق کہانی تو جنوں زاد لکھے ہیں
کہتے ہیں جسے جذبہ ء فولاد کی تاریخ

کثرت نے ہمیشہ ہمیں دھوکہ دیا ہمدم
میدان میں اچھی نہیں تعداد کی تاریخ

(خ)

سناٹے میں کان پڑی تھی پہلی چیخ
اس کے بعد سنائی دی ہے اپنی چیخ

میں نے پڑھا تھا ناول ''راز حویلی کا''
پیچھا کرتی ہے اب تک آسیبی چیخ

خاموشی کا شور بھی سننا پڑتا ہے
گونج اٹھتی ہے تنہائی میں رکھی چیخ

لگتا ہے کہ عکس کسی کا ڈوبا ہے
جھیل کے پانی سے ابھری ہے گہری چیخ

دل کی بات سنی تو آہیں جاگ اٹھیں
روک نہ پائے محفل میں ہم اپنی چیخ

صبر کا دامن چھوٹ رہا ہے لفظوں میں
شعر میں ڈھلتی جاتی ہے بے تابی چیخ

مٹی کے انسان ترا افسانہ ہے
آخری سانسیں، آخری ہچکی، آخری چیخ

کتنے چہرے شہر میں سہمے دیکھے ہیں
لب سے یوں آزاد ہوئی ہے سچی چیخ

طاقت ور ہاتھوں میں عدالت مہنگی ہے
کمزوروں کے حصے میں ہے سستی چیخ

لہو و لعب میں کھوئے ہوئے شہزادے سن!
دیکھ! کہاں سے آتی ہے یہ سہمی چیخ

تو نے میرے خون کا منظر دیکھا ہے
لکھ افسانہ میرے دل کا راوی! چیخ

ہنگامے میں میری بھی آواز تو ہو
اے میرے کمرے کی کھلتی کھڑکی! چیخ!

دہشت کے راہی نے کتنا ظلم کیا؟
سبز ہلالی پرچم کی ہے سرخی چیخ

تجھ کو آخر دفن مجھی میں ہونا ہے
اجلے دامن پر اُٹھتی اے انگلی ! چیخ

شہروں میں کیوں کرب سنائی دیتا ہے
جنگل کی تہذیب رہی ہے وحشی چیخ

لگتا ہے اب وقت ٹھہرنے والا ہے
گونجنے والی ہے وہ اسرافیلی چیخ

کون کسی کی سنتا ہے ؟ کب روتا ہے؟
ظالم دل تک پہنچ نہ پائی پگلی چیخ

ہمدم حرفِ ضبط کیا تحریر مگر
لفظ کے ہونٹوں سے نکلی ذو معنی چیخ

(خ)

مہتاب سے اتری جو غزل زاد کرن شوخ
آنکھوں سے لپٹنے لگا بے باک بدن شوخ

پھولوں سے مہکتی ہوئی ڈالی کی لہک تک
کچھ اور کھلا باغ میں وہ غنچہ دہن شوخ

سیراب ہوئے خواب مری تشنہ لبی کے
کل رات میسر تھا مجھے چشمۂ من شوخ

جیسے کوئی ٹیرس پہ امر بیل سجی ہو
اس شوخ سی ناگن کا بدن شوخ ہے، پھن شوخ

اک حسن کی دیوی میں نمودار ہوئے ہیں
تہذیب کا ورثہ ہیں یہی نقشِ کہن شوخ

دیکھے چلے جاتے ہیں جو ہم سادہ نظر سے
اس شوخ کی لے شوخ، ادا شوخ، لگن شوخ

یہ سرد مزاجی بھی چناروں کی طرح ہے
جلتی ہے دسمبر کے بدن میں بھی اگن شوخ

یہ ہونٹ، یہ آنکھیں، یہ گلابی ہوا موسم
سجتے ہیں محبت میں یہی دار و رسن شوخ

چلتی ہے کچھ اس ناز سے شہزادیِ صحرا
جیسے کسی جنگل میں چلے چال ہرن شوخ

یہ خواب کی الجھن کا فسانہ بھی حسیں ہے
بستر پہ نظر آتی ہے ہر ایک شکن شوخ

اقرار میں ڈھلتی گئی انکار کی لذت
ہر بار کیا حسنِ تکلف نے جتن شوخ

بھیگے ہوئے ہونٹوں پہ کھنکتی سی ہنسی تھی
تعبیر کے پنگھٹ پہ ہوا اپنا ملن شوخ

تصویر سرِ خواب سحر خیز ہوئی تھی
پھولوں سے بھری سیج پہ سوئی تھی دلہن شوخ

ہر پھول کو رعنائی ملی حسن کے دم سے
ہیں سرو و سمن شوخ نہ خوش رنگ رتن شوخ

دھڑکن سے گزرتا ہے تری یاد کا جھونکا
احساس کے پیکر سے لپٹتی ہے پون شوخ

یوں مجھ کو ترے قرب نے سرشار کیا ہے
ہوتی ہے کسک دل میں اترتی ہے چبھن شوخ

رومان ترے حسن سے مہمیز رہا ہے
آتے ہیں مرے کام ترے کام و دہن شوخ

یک طرفہ قیامت ہے یہ انگڑائی کا عالم
تن شوخ ہے من شوخ ، ادا شوخ ، پھبن شوخ

کچھ اور بھی چھپتا ہے جو ہونٹوں کے قریں ہے
ہے خالِ رخِ جاں سے بھی کچھ اور ذقن شوخ

سو میں نے بھی اظہار کیا دل کی زباں سے
شوخی کا تقاضا تھا کہ ہمدم ہو سخن شوخ

(خ)

ڈوبے ہوئے دلوں کی کہانی ہے تلخ تلخ
لہجہ نمک ہے، آنکھ میں پانی ہے تلخ تلخ

اک پھول میں نہیں ہے ترے حسن کی پھبن
باغِ خزاں نژاد نے ٹھانی ہے تلخ تلخ

پونم کا چاند ڈھل بھی چکا، صبح ہو گئی
راجا بغیر رات کی رانی ہے تلخ تلخ

سیلاب نے گھروں کے معانی بدل دیے
اب دشت زندگی کی نشانی ہے تلخ تلخ

بیتے ہوئے دنوں کی محبت کا روگ ہے
بے روز گار عمرِ جوانی ہے تلخ تلخ

مسکان تو نہیں یہ تماشا ہے کرب کا
آنکھوں میں کوئی بات چھپانی ہے تلخ تلخ

بسکٹ بھی کھا چکا ہوں میں چائے بھی پی چکا
اب طشتری سے دال اٹھانی ہے تلخ تلخ

اب لوگ مر رہے ہیں محبت کے نام پر
جینا تو ایک رسم پرانی ہے تلخ تلخ

اے گردشِ حیات مجھے بولنے تو دے
میں نے بھی داستان سنانی ہے تلخ تلخ

ہے عشقِ نامراد بھی شوگر کا مسئلہ
میٹھے میں کوئی چیز ملانی ہے تلخ تلخ

نیلام ہو رہی ہے یہاں مفت زندگی
شہرِ وفا میں اتنی گرانی ہے تلخ تلخ

ہم نے سحر لکھی تھی سنہرے حروف میں
لیکن ہماری شام سہانی ہے تلخ تلخ

لفظوں میں گھل رہا ہے اذیت کا ذائقہ
ہمدم کوئی غزل تو سنانی ہے تلخ تلخ

(خ)

تیــرا رخ ہــے ، میــرا اپنــا رخ
آئــنے مــیں ہــے ، آئــنے کا رخ

مــیں نے تو آئنــہ دکھــایا تھــا
کیوں بدلــنے لگی ہــے دنــیا رخ

تیــری آنکھــیں بدل رہی ہیں کیوں؟
تیــرا رخ کیــا نہــیں ہــے میــرا رخ

اپنی اپنی نظــر کا منظــر ہے
اس جہــاں مــیں ہے سبــ کا اپنــا رخ

آئنــہ ہــے ، کوئی ســتارہ ہے
پتھــروں کو دیا ہــے کیــا کیــا رخ

خشکــ بنجــر نہــال کرتا ہے
یوں بدلتــا ہــے دل کا دریا رخ

روشنی بھی شگفتگی سے ہے
چاند چہرہ ہے پھول جیسا رخ

ہائے ! سیلاب نے دکھایا ہے
ہم نے دیکھا نہیں تھا ایسا رخ

شعر جینے کا نام ہے ہمدم
شاعری بھی ہے زندگی کا رخ

(خ)

کس محبت کی داستاں ہے سرخ
زرد مٹی ہے ، آسماں ہے سرخ

کن چراغوں سے روشنی ہوئی ہے
کن ستاروں سے کہکشاں ہے سرخ

زہر پیتا ہوں ، خون جلتا ہے
آنچ نیلی ہے اور دھواں ہے سرخ

خواب ہے حجلہ ء عروسی میں
سرخ آنچل ہے، سائباں ہے سرخ

کس نے گلشن لہو لہان کیا ؟
سبز شاخوں پہ آشیاں ہے سرخ

یہ گلابی ہے رنگ چاہت کا
نرم لہجہ ، حسیں زباں ہے سرخ

چار سو ہے شفق اداسی کی
ظلمتِ شب کا ہر نشاں ہے سرخ

کون جیتے گا ؟ کون ہارے گا ؟
تند موجیں ہیں ، بادباں ہے سرخ

تلخیوں کی زبان بولتا ہے
عہدِ حاضر کا ترجماں ہے سرخ

دم نکلنے لگا بہاروں کا
زرد ہوتی ہوئی خزاں ہے سرخ

خونِ دل سے لکھی روایت ہے
ہم سخن ، حرفِ رفتگاں ہے سرخ

اس خرابے میں کون جلتا ہے
اس جزیرے کا ہر مکاں ہے سرخ

کس کے ہونٹوں پہ شعر ہیں ہمدم
کن گلابوں سے جسم و جاں ہے سرخ

(خ)

پیش منظر ہے زندگی کا رخ
آئنہ ہے کہ آگہی کا رخ

کس کی آنکھوں نے دم کیا مجھ پر
کس نے موڑا ہے بے خودی کا رخ

خود کو سجدہ نہیں کیا لیکن
ایک جانب ہے بندگی کا رخ

خود کلامی میں خود شناسی ہے
دل پہ کھلتا ہے ان کہی کا رخ

ہم سفر ، دو دلوں کی منزل ہے
کتنا پیارا ہے ، ہم رہی کا رخ

اک ستارے سے کام چلتا ہے
اک دیے میں ہے روشنی کا رخ

جان لیوا ہے جبر کا موسم
دیکھا جائے نہ بے بسی کا رخ

کتنا گہرا سکوت طاری ہے
کون توڑے گا خامشی کا رخ

دیکھا جائے نہ آستینوں میں
دشمنی ہے کہ دوستی کا رخ

تجھ سے ملنے میں گھر سے نکلا تھا
کس طرف ہو گیا گلی کا رخ

کس نے دیکھا کہ پھول کھلنے لگے
کھل اٹھا ہے کلی کلی کا رخ

ایک دوجے کو دیکھنا کیسا ؟
اپنا اپنا ہے ہر کسی کا رخ

چشم بینا سنگھار کرتی ہے
حسن پرور ہے سادگی کا رخ

ممکنہ واقعات لکھتا ہوں
موڑ دیتا ہوں ڈائری کا رخ

خواب آنکھوں میں جب اترتے ہیں
جھلملاتا ہے جل پری کا رخ

لوگ کہتے ہیں تجھ کو رشکِ قمر
تیری جانب ہے چاندنی کا رخ

جان پہچان ہے کہیں نہ کہیں
دیکھا دیکھا ہے اجنبی کا رخ

تجھ کو دیکھا غزل غزل ہمدم
تیری صورت ہے شاعری کا رخ

(خ)

جینے نہیں دیتا ہمیں حالات کا برزخ
کیوں صبح میں حائل ہے سیاہ رات کا برزخ

یہ بحر خودی پار کریں گے تو ملیں گے
جاری ہے ابھی خود سے ملاقات کا برزخ

میں اپنی حقیقت سے ابھی دور پڑا ہوں
ملنے سے گریزاں ہے مری ذات کا برزخ

ہونٹوں پہ گلابوں سے ثمر بار کرے گا
لہجے میں کھنکتے ہوئے جذبات کا برزخ

کھلتا ہے مگر اہل محبت کی نظر سے
خواہش کے ملیدے میں گھلی بات کا برزخ

دنیا کی مسافت ہے سبھی کاٹ رہے ہیں
گھڑیال کی ٹک ٹک میں ہے اوقات کا برزخ

تقویم پہ تاریخ کے ہندسے کی صدا ہے
منفی ہوا جاتا ہے یہ اثبات کا برزخ

یہ بود و نمو ایک نئی رت کی خبر ہے
موسم کے تغیر میں ہے برسات کا برزخ

جو فصل ہنر کاٹ چکے ، دیکھ رہے ہیں
رکھا ہے اسی کھیت میں برکات کا برزخ

مشکل میں ہر اک خواب کی تعبیر پڑی ہے
آسانی منزل میں ہے صدمات کا برزخ

نوکر ہوں ، مرا کام تو دریوزہ گری ہے
آسان شرائط پہ ہے خدمات کا برزخ

تعمیر بھی تخریب کے نقشے پہ ہوئی ہے
تہذیب میں لازم ہے روایات کا برزخ

ہم لوگ مسافر تھے کسی حسن سحر کے
تشکیل دیا کس نے یہ ظلمات کا برزخ

چھلکے گا مرا حرف دعا بحر کرم سے
اشکوں سے مزین ہے مناجات کا برزخ

زندہ ہیں مگر سانس کے زنداں میں پڑے ہیں
درپیش ہے کتنوں کو مکافات کا برزخ

خیرہ کیے رکھتی ہے خرافات زمانہ
دل پر نہ کھلا کشف و کرامات کا برزخ

کب؟ کون؟ کہاں؟ کیسے جیا؟، راز کھلے گا
ہے قبر سوالات و جوابات کا برزخ

انسان کی تشکیل عجب رنگ ہوئی ہے
خلیہ ہے جمادات و نباتات کا برزخ

میں کتنے کمالات و جمالات سے گزرا
دنیا ہے مرے کتنے مقامات کا برزخ

ہم لوگ نہ دیہات نہ شہروں میں پلے ہیں
پہچان ہماری ہے مضافات کا برزخ

جنت ہے کہ دوزخ ہے مری راہ عمل میں
اعراف میں رکھتا ہے کمالات کا برزخ

اشعار کی صورت میں غزل فام رہے گا
ہمدم ترا چہرہ ہے خیالات کا برزخ

(د)

احساس کے دروں ہے یہ جادو تمام شد
ہوتی نہیں ہے پھول پہ خوشبو تمام شد

ہوں گے نہ دل کی بات کے پہلو تمام شد
آنکھیں ہوئی ہیں خشک نہ آنسو تمام شد

مرشد نہ ہو تو عشق میں سدھ بدھ ہے کب کسے؟
رقصِ مریدِ دل سے اٹھی ہو تمام شد

نروان کھل رہا تھا کسی دھیان گیان میں
سنجوگ میں پڑے رہے بھکشو تمام شد

اردو زبانِ دل بہ زبانِ عجم رہی
غالب تمام شد ہے نہ خواجو تمام شد

رقصِ جنوں میں دل کا دھڑکنا امر ہوا
اب کیا اڑے گی خاک، سو گھنگرو تمام شد

مرنا ہے دشمنی میں تو مر جائیں شوق سے
پانی تمام شد ہے نہ چُلّو تمام شد

اکیسویں صدی میں بھی زینب ہے بے ردا
کرب و بلا کے بعد ہیں بازو تمام شد

سو میں بھی ہاں میں ہاں ہی ملاتا چلا گیا
تھے اختلافِ رائے کے پہلو تمام شد

بلبل ہے، فاختہ ہے، نہ کوئل یہاں کوئی
گلشن میں کب سے آہ وفغاں، کُو تمام شد

پھر مجھ کو سامنا تھا زمیں پر جمود کا
دیکھا تو انقلاب تھا ہر سو تمام شد

لفظوں میں گونجتی ہے محبت کبھی کبھی
''مس یو'' تمام شد ہے نہ ''لو یو'' تمام شد

امکان کیا کھلے گا زبان و بیان میں
کہتے ہیں لوگ داغ پہ اردو تمام شد

جنگل سے دور بسنے لگا شہرِ آگہی
طاؤسِ فکر ، سوچ کے آہو تمام شد

اب کیا کہیں کہ عشق میں کیا کچھ نہیں رہا
ہ ، م ، د ، م ، من و تو تمام شد

(د)

جدت کے نام پر ہیں روایات مسترد
تازہ سخن پہ حرف و حکایات مسترد

جن کی ہر ایک اینٹ میں وحشت کی خاک ہے
جنگل سے دور ایسے مکانات مسترد

تازہ فضا میں حبس کا موسم ذرا کھلے
کر دے ہوا یہ زہر کے اثرات مسترد

مر جائیں سامری کے پلے آستیں کے سانپ
حرفِ عصا سے آؤ کریں گھات مسترد

ورنہ یہ دردِ عشق تو لاحق نہیں مجھے
چارہ گروں نے کی ہیں علامات مسترد

پھر اس کے بعد ذکر کسی اور ذات کا
کرنا پڑے گی پہلے مری ذات مسترد

بجھتے ہوئے چراغ سے نکلے گا آفتاب
پہلی کرن کرے گی سیاہ رات مسترد

مجھ کو ترے بغیر یہ دنیا نہیں قبول
کر دوں گا میں بھی خود کو ترے ساتھ مسترد

بس دل کی ایک شرط پہ کھیلیں گے جان پر
منظور ! تیری جیت ہوئی ، مات مسترد

خود کو بنا رہا ہوں مگر کیا خوف ہے؟
کر دیں نہ زندگی کو مرے ہاتھ مسترد

لازم نہیں کہ میں بھی تری قید میں رہوں
اے وقت! ایسا کھیل، تری گھات مسترد

یہ کیا کہ چاہئے پر بھی ملاقات تک نہ ہو
مصروف زندگی ! ترے اوقات مسترد

لے دے کے اپنے پاس وہی چند اصول تھے
منفی کیے گئے ہیں جو اثبات مسترد

کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا میں اپنی صفائی میں
لہجے نے کر دیے تھے جوابات مسترد

آئین میں لکھا ہے دبستانِ حرف نے
مرکز سے دور اہلِ مضافات مسترد

کس شہر جا رہی ہے سڑک میرے گاؤں کی
خدمت کے نام پر یہ مفادات مسترد

کیا دور ہے پسند کا معیار ہی نہیں
ہونے لگی ہے عزتِ سادات مسترد

موجِ ہوا سے کچھ نہیں کہنا مجھے مگر
ٹوٹے ہوئے چراغ پہ آفات مسترد

ہجرت کے بعد بھی نہ مرا گھر بدل سکا
شہری حدود میں ہوئے دیہات مسترد

کس موڑ لے چلے گی مفادات کی روش
تقسیم ہو رہے ہیں جو طبقات مسترد

مفلس ضرور ہم ہیں پہ سچے فقیر ہیں
دستِ ریا سے دی گئی خیرات مسترد

عمرِ رواں نے کر دیے دنیا کے ساتھ ساتھ
سب عشق وشق، پیار کے جذبات مسترد

کچھ ہم نے طے کیے ہیں محبت کے مرحلے
کچھ قربتوں نے کر دیے خدشات مسترد

تہذیب کے شعور نے ہمدم سبق دیا
کلچر کے نام پر یہ خرافات مسترد

(د)

لہجہ حسین گلاب سا اسلوب منفرد
سب لوگ کہہ رہے ہیں ، بہت خوب ، منفرد

چھلکے گا لہر لہر سے لپٹا ہوا وفور
آنکھوں میں تیرتا ہے وہ مشروب منفرد

سانسیں بھی صبح و شام اسی کی اسیر ہیں
اک نام دل سے ہوگیا منسوب منفرد

یہ کیف ہر کسی پہ مکمل نہیں کھلا
اس باب میں ہیں طالب و مطلوب منفرد

کھڑکی کھلی ہے خواب سرائے کے سامنے
منظر دکھائی دے کوئی مرغوب منفرد

جی چاہتا ہے پھر وہی اظہارِ حالِ دل
خوش بو مثال ہو کوئی مکتوب منفرد

بے دار ہو رہا ہوں جوانی کی نیند سے
رہتا ہوں پھر بھی خواب سے مغلوب منفرد

دھمال پڑ رہی ہے دلِ بے قرار میں
بے خود کیے ہوئے ہے یہ مجذوب منفرد

ہر گام ، ہر قدم پہ زباں کاٹ دی گئی
ہر اہلِ دل کیا گیا مصلوب منفرد

دنیا بھی کیمرے سے مری دسترس میں ہے
آنکھوں میں عکس بند ہے یوٹیوب منفرد

دیکھوں جدھر جدھر بھی محبت کا رنگ ہے
ہمدم دل ونظر میں ہے محبوب منفرد

(د)

یاد رکھے گی کیا کیا دنیا، تیرے میرے بعد
تیرا ہے کیا؟ میرا ہے کیا؟ تیرے میرے بعد

جانے کیا کیا دیکھ سکے گی دیکھنے والی آنکھ
کھل جائے گا اور تماشا، تیرے میرے بعد

جیسا عکس دکھاتا ہے ہم بالکل ویسے نئیں
کیا سوچے گا یہ آئنہ تیرے میرے بعد

یک جاں دو قالب ہیں لیکن ملنے سے مجبور
مٹ جائے گا بیچ کا دریا تیرے میرے بعد

تیرے میرے ہوتے جو ہے مٹی سے بھی خام
سونے سے بھی ہوگا مہنگا تیرے میرے بعد

جان و دل پر ہم نے کھائے کیسے کیسے تیر
ایسا سودا کون کرے گا تیرے میرے بعد

دل سے دل کا رشتہ ایسے کون رکھے گا یاد
کون کسی کا ہو گا اپنا تیرے میرے بعد

ہم نے تو بس پاگل پن میں دل سے کھیلا کھیل
اس پر کیا ہو گا ہنگامہ تیرے میرے بعد

ہم تو اپنے سائے سے بھی لے لیتے ہیں دھوپ
کون کسی کو دے گا کندھا تیرے میرے بعد

کون سرابوں سے رکھے گا اپنا گھر آباد
خالی رہ جائے گا صحرا تیرے میرے بعد

وہ تو ہم نے پال رکھی ہے آنکھوں میں امید
ڈوب چلے گا خواب ستارا تیرے میرے بعد

رہ جائیں گے اپنے اپنے موسم کے پابند
کیا ہو گا یاد کا جھونکا تیرے میرے بعد

ہم نے پرکھوں سے پائی ہے صدیوں کی تہذیب
کس کو ملے گا اپنا ورثہ تیرے میرے بعد

وقت کا مرہم بھر دیتا ہے کتنے گہرے زخم
پھر سے لگ جائے گا میلہ تیرے میرے بعد

گر اس فانی دنیا کے ہم آخری ہوں دو فرد
پھر بھی رہے گا نام خدا کا تیرے میرے بعد

شعر و سخن کی بات چھڑی تو یاد کریں گے لوگ
ہمدم رہ جائے گا مصرع تیرے میرے بعد

(دھ)

احساس کے دھاگے سے مرے دل کی صدا باندھ
جینا ہے محبت میں تو پیمان وفا باندھ

یہ کیا کہ زمانے کی روش ہو ترا معیار
اسلوب ترا اور ہے تو طرز جدا باندھ

سنتا ہے خدا دل سے نکلتی ہوئی آواز
ہونٹوں پہ مناجات لیے حرف دعا باندھ

تمہید میں تحمید ہو تکمیل میں تمجید
تقدیسِ سخن یہ ہے کہ تو حمد خدا باندھ

تجھ پر کوئی تہمت ہو نہ الزام نہ دشنام
میں چاک گریباں سہی تو بند قبا باندھ

بے باک نگاہوں سے سنبھالا نہیں جاتا
کھلتا چلا جاتا ہے ترا رخت حیا باندھ

اب جلتے ہوئے شہر کی ویران فضا دیکھ
منع بھی کیا تھا نہ چراغوں سے ہوا باندھ

طوفاں سے نکلنا ہے تو ساحل کے طلب گار
کشتی کو کنارے پہ لگا ، موج بلا باندھ

اسباب کا محتاج نہیں سوہنی ! ترا عشق
دریا ہے ترے ہاتھ میں تو کچا گھڑا باندھ

یہ سبز خیالی تجھے زیبا ہے دم صبح
پھولوں سے الگ سوچ نہ خوش بو سے ورا باندھ

ہمدم نئے لفظوں میں ستاروں کی چمک ڈھونڈ
تخلیق سخن یہ ہے کہ ظلمت میں ضیا باندھ

(دھ)

پھر چھیڑ محبت سے غزل رنگ غنا باندھ
سرگم کے حسیں رنگ سے نغمہ سرا! باندھ

کھلتا ہوا موسم ہے ترے حسن کا پابند
آنچل کے پھریرے سے ذرا بادِ صبا باندھ

لہراؤ کوئی موج میں آئے مرے ہم رقص
آنچل کے پھریرے سے محبت کی ادا باندھ

رسماً تو نبھاتے ہیں یہ دستور سبھی لوگ
چاہت کا تقاضا ہے کہ کچھ حد سے سوا باندھ

جو نقش ادھر ہے وہ ادھر دل میں ذرا کھینچ
دھڑکن سے لپٹتی ہوئی دھڑکن کی نوا باندھ

بے خود کیے دیتا ہے یہ زلفوں کا نشہ اور
دھڑکن سے لپٹتی ہوئی ناگن کو ذرا باندھ

تقدیر سنورتی ہے ترے دست ہنر سے
ہاتھوں کی لکیروں سے ذرا رنگ حنا باندھ

جو خواب ستارہ ہے ابھی ظلمت شب میں
تعبیر کے سورج سے اسے صبح و مسا باندھ

یہ پیار کا رشتہ ہے، دل و جاں سے نبھا رکھ
اخلاص لٹا کھل کے مگر جھوٹی انا باندھ

خوش تاب ستاروں کو بجھانے کی نہ ضد کر
یوں ہی نہ اندھیروں کے لبادے میں انا باندھ

ہر دل کا تقاضا محبت سے غزل سے کہہ
ہمدم ذرا لہجے میں تغزل کی نوا باندھ

(ڈ)

احساس کے رستے میں پڑے خاک بسر ڈھونڈ
آئیں جو ترے کام وہی لعل و گہر ڈھونڈ

مل جائے جو رستے میں وہ اپنا نہیں ہوتا
جو ساتھ چلے گھر سے وہی رختِ سفر ڈھونڈ

رقصاں ہے جسے یاد کیے جھیل کا پانی
آئے گا کنارے پہ وہی رشکِ قمر ڈھونڈ

کس برگ نے پائی ہے رفاقت گلِ نو کی؟
کس شاخ پہ آیا ہے یہاں پہلا ثمر ڈھونڈ

ہو دیدہ ء بینا تو وہی پیشِ نظر ہے
مل جائے گا تجھ کو بھی خدا دل میں اگر ڈھونڈ

ممکن ہے کہ اس بار تجھے یاد نہ آؤں
مشکل ہے مجھے ڈھونڈ کے لانا بھی مگر ڈھونڈ

افلاک کے پردے سے کوئی جھانک رہا ہے
اک بار جو ڈھونڈا تھا وہی بار دگر ڈھونڈ

یہ جھوٹ کا دھندہ تجھے برباد کرے گا
اخبار چلانا ہے تو پھر سچی خبر ڈھونڈ

ایسا بھی نہیں اہلِ بصیرت نہیں کوئی
مل جائیں گے دنیا میں کئی اہلِ نظر ڈھونڈ

مکتب نے انہیں علم کا انبار دیا ہے
اس دور کے بچوں میں نہ فیضانِ نظر ڈھونڈ

پلتے ہیں مرے دیس میں غدار ابھی بھی
مت نصف صدی بعد وہ اسبابِ غدر ڈھونڈ

تپتے ہوئے صحرا میں ذرا ریت پہ چل کر
مل جائے گا سکھ چین کا وہ ٹھنڈا پہر ڈھونڈ

لہجے کی بناوٹ ہے شتر گربہ نہیں ہے
تم، آپ نہ ہم، تو نہ ادھر اور ادھر ڈھونڈ

بخشی ہے مرے قافلہ سالار نے مجھ کو
مقتل سے گزرتی ہے مری راہ گزر ڈھونڈ

وہ تجھ کو بتائے گا مرا سایہ کہاں ہے؟
سورج کی تمازت میں کوئی بوڑھا شجر ڈھونڈ

یہ سوزِ دروں ہجر مٹانے کی دوا ہے
جینا ہے محبت میں تو پھر دردِ جگر ڈھونڈ

پتھر مری تاریخ مکمل نہیں کرتے
سو وقت کے سینے میں کوئی اور کھنڈر ڈھونڈ

دریا کی یہ خاموش ادا ڈسنے لگی ہے
چل دور کنارے سے مرے سنگ بھنور ڈھونڈ

کب تک ترے مصنوعی دیے جلتے رہیں گے
تاریک اجالوں میں کوئی نورِ سحر ڈھونڈ

بھٹکے ہوئے کردار کو منزل نہیں ملتی
صحرا سے نکل دور کہیں دل کا نگر ڈھونڈ

یہ عکس کی دنیا ہے تماشا تو نہیں ہے
آئینہ ء دل چیر کوئی پیشِ نظر ڈھونڈ

لفظوں میں کہاں تاب؟ لہو رنگ لکھوں میں
قرطاس کے چہرے پہ دلا! مصرعہ ء تر ڈھونڈ

اترے گی کبھی تازہ ہوا کوچہ ء جاں میں
دیوار کے سینے میں نہاں روزن و در ڈھونڈ

آسیب کا مسکن ہے کہ وحشت کا کھنڈر ہے
اس شہر خرابی سے پرے اب کوئی گھر ڈھونڈ

کردار کوئی ہے کہ جسے اچھا کہیں ہم
دستار کے قابل ہو تو اس شہر میں سر ڈھونڈ

ہمدم یہ ترے بس میں نہیں شعر کہے تو
یہ مشقِ سخن چھوڑ ، کوئی اور ہنر ڈھونڈ

(ڈ)

ہم فقیروں کی جھونپڑی مت ڈھونڈ
اپنے حصے کی دھوپ میں چھت ڈھونڈ

نفرتوں کی تلاش بے معنی
ڈھونڈنی ہے تو بس محبت ڈھونڈ

کوئی نسبت تو آسماں سے رکھ
خاکدانی میں اپنی جنت ڈھونڈ

دن تو گزرا ہے رائگانی میں
شب گزاری کو اب ریاضت ڈھونڈ

ظاہری اور باطنی لے میں
کیا شریعت ہے؟ کیا طریقت؟ ڈھونڈ!

مال و زر کا حساب رہنے دے
کھو چکی ہے جو دل کی دولت ڈھونڈ

مار ڈالے نہ یہ سکوتِ شہر
اس خرابے سے دور وحشت ڈھونڈ

سر اٹھانا ہے گر زمانے میں
سر جھکانے کو دستِ بیعت ڈھونڈ

آسماں سے تو گر گیا کب کا؟
اب زمیں پر ہی اپنی رفعت ڈھونڈ

پھر مرے گھر کو چھوڑنے کا سوچ
پہلے اپنا دیارِ ہجرت ڈھونڈ

یہ جہاں آدمی کا کام نہیں
اس تماشے میں دستِ قدرت ڈھونڈ

سر کٹانے کا وقت آیا ہے
اپنی دستار اور خلعت ڈھونڈ

ہم تو دل میں بسائے بیٹھے ہیں
ڈھونڈنا ہے خدا تو حضرت ڈھونڈ

ہم ترے کام کے نہیں صاحب
اپنے جیسوں کی کوئی صحبت ڈھونڈ

کچھ اٹھانے کو جھکنا پڑتا ہے
اس تعلق میں حرفِ علت ڈھونڈ

تیری جدت کو ہم سخن سمجھیں
اس روایت میں کوئی صنعت ڈھونڈ

رزق تقسیم کر کے ضربیں دے
ڈھونڈ منفی نہ کوئی مثبت ڈھونڈ

رنگ رہتا ہے جس کا آنکھوں میں
آئینے کی مثال صورت ڈھونڈ

ہو چکی ہے ، سو ہو چکی ہے جنگ
نفرتیں چھوڑ اور الفت ڈھونڈ

دشمنوں کو پچھاڑ حکمت سے
زہر کو چھوڑ کوئی امرت ڈھونڈ

مجھ پہ الزام دھر محبت کا
اور پھر مارنے کو تہمت ڈھونڈ

یا روایت قبول کر ہمدم
یا روایت میں کوئی جدت ڈھونڈ

(ڈ)

ظلمت کدے میں کیوں ہے سیاہ رات کا گھمنڈ
جب صبح ہو چکی ہے تو کس بات کا گھمنڈ

تہذیب مٹ چکی ہے زمانے کے ہاتھ سے
لے دے کے رہ گیا ہے یہ کھنڈرات کا گھمنڈ

تھمتی نہیں ہے آخری ہچکی لیے بغیر
ہے گردشِ حیات میں اوقات کا گھمنڈ

شاہد رہو کہ پھر کبھی واپس نہ آئے گا
ماضی میں ڈھل چکا ہے جو حالات کا گھمنڈ

اک خود اذیتی کا ہے عالم جنون میں
پاگل کیے ہوئے ہے خیالات کا گھمنڈ

یہ زر ، زمین ، زور کسی کام کا نہیں
پیسے پہ کر غرور، نہ کر دھات کا گھمنڈ

تبدیل ہو رہی ہیں جو جدت کے نام پر
یہ وقت جانتا ہے روایات کا گھمنڈ

ہم باثمر درخت کے سائے میں ہیں جنھیں
خوش بو پہ ناز ہے نہ ہرے پات کا گھمنڈ

میں ہار کر بھی تیرے مقابل نہ آؤں گا
تجھ کو شکست دے گا مری مات کا گھمنڈ

یہ وہ غرور ہے جو سکھایا ہے عشق نے
تنہا نہ ہونے دے گا ترے ساتھ کا گھمنڈ

قرآن پڑھ رہے ہیں یہی ناز ہے ہمیں
انجیل کا گھمنڈ نہ تو رات کا گھمنڈ

اخلاص جانتے ہیں یہ سادہ مزاج لوگ
نام ونسب پہ ناز، نہ ہے ذات کا گھمنڈ

تشنہ لبی نہیں ہے، سمندر کی پیاس ہے
صحرا اتار دے گا یہ برسات کا گھمنڈ

سر چڑھ کے بولتا ہے یہ جادو کیا ہوا
آنکھوں سے جھانکتا ہے ملاقات کا گھمنڈ

تجھ کو میں لاجواب کروں گا سوال کر
توڑے گا میرا پیار سوالات کا گھمنڈ

جب دل بندھے ہوئے ہیں محبت کی ڈور سے
ہمدم ہمیں نہیں ہے کسی بات کا گھمنڈ

(ڈ)

کھینچ لیتا ہے کتنے پیارے شیڈ
آئینے میں ہیں کیا ہمارے شیڈ

زرد ہوتی خزاں کے چہرے پر
پینٹ کرتے ہوئے بہارے شیڈ

ملگجے سے ہیں کچھ دھندلکے سے
دھوپ نگری سے دور سارے شیڈ

رنگ آفاق سے نکل آئے
پہلی بارش نے جب نکھارے شیڈ

تیرا سایہ بھی اچھا لگتا ہے
دل کو لگتے ہیں یہ دلارے شیڈ

لو بھڑکتی ہے کن ہواؤں سے
کن چراغوں کے ہیں شرارے شیڈ

تجھ سے تشبیہ دے نہیں سکتا
جانے کیا کیا ہیں استعارے شیڈ

جانے کیا کیا دکھا دیا تو نے
اک نظر سے کئی گزارے شیڈ

گھل رہی ہے دھنک محبت میں
کچھ ہمارے ہیں ، کچھ تمھارے شیڈ

دھڑکنیں ڈھل رہی ہیں خوابوں میں
جھیل آنکھوں میں لیں ہلارے شیڈ

کچھ تو پھولوں سے بام سجتا ہے
کچھ سجاتے ہیں گھر ، غبارے شیڈ

پیش منظر ہے کہکشاں جیسا
پھول ، جگنو ، دیے ، ستارے ، شیڈ

آئنہ ہو گیا ہے خوش آواز
روشنی بن کے جب پکارے شیڈ

دل میں تصویر کر لیے آخر
کورے کاغذ پہ کب اتارے شیڈ

اک تصور کی رمز کافی تھی
نقش در نقش کیوں ابھارے شیڈ

جل پری چل رہی تھی لہروں پر
دیکھتے رہ گئے کنارے شیڈ

کن خیالوں نے خوش مراد کیا
کس نے ادراک سے گزارے شیڈ

حرف تصویر ہو گئے ہمدم
کس مصور نے آشکارے شیڈ

(ذ)

چھایا ہے عجب ذہن میں خنّاس، تعوّذ
آسیب کے سائے میں ہے احساس، تعوّذ

ہنگام اٹھا شہر میں، اب خیر نہیں ہے
بھٹکے ہوئے لگتے ہیں یہ انفاس، تعوّذ

پھر خواب کی جنت سے نکلنا ہی پڑے گا
جاری ہے شیاطین کا اجلاس، تعوّذ

تا دیر خرابے سے پرے رہ نہیں سکتا
اس بار طبیعت بھی ہے حساس، تعوّذ

آنکھوں کی ہوس کیسے جہنم سے اٹھی ہے؟
یہ آگ ہوئی کرب کی عکاس، تعوّذ

سنتے ہیں کہ مجبور کا مذہب نہیں کوئی
کافر نہ بنا دے مجھے افلاس، تعوّذ

مر جاؤں کسی روز اگر جھوٹ لکھوں میں
ناپاک نہ ہو جائے یہ قرطاس، تعوّذ

لگتا ہے سرِ عشق مجھے قید کرے گا
جادو کیے جائے کوئی سنیاس ، تعوّذ

چھایا چلا جاتا ہے یہ گرد دھند کا موسم
ایسے میں نہ کھو جائے مری آس، تعوّذ

رحمن کی رحمت ہی مری جائے پناہ ہے
بس ایک وظیفہ ہے مرے پاس، تعوّذ

دوڑے چلے جاتے ہیں کسی نارِ ہوس میں
آتی ہے ہمیں کیسی فضا راس ؟ تعوّذ

مدت سے کسی شہرِ گماں خیز میں گم ہوں
رہتے ہیں مرے دھیان میں وسواس، تعوّذ

کیا جبر؟ ہمیں ہجر سے دوچار کرے ہے
ناخن سے جدا ہونے لگا ماس ، تعوّذ

اب زہر بھی امرت کے پیالے کی طرح ہے
درپیش ہوس ناک ہوئی پیاس ،تعوّذ

خاشاک ہوں، میں خوب سمجھتا ہوں ہوا کو
اڑتی ہے بگولوں میں کوئی یاس ، تعوّذ

اے بادِ گماں زاد ذرا دیر ٹھہر جا!
پڑھنی ہے مجھے سورہ ء اخلاص ، تعوّذ

تھوڑا سا خرد چاہیے! ہاں دشتِ جنوں میں
مرتا ہوں ، نگلتے ہوئے الماس ، تعوّذ

اعمال کی صورت جو بچا رکھے ہیں ہمدم
کھا جائیں نہ ماجوج یہ اجناس ،تعوّذ

(ذ)

افسانۂ حیات سے کیا کیجیے اخذ؟
اندر کی واردات سے کیا کیجیے اخذ؟

اثبات اور نفی میں کوئی فاصلہ نہیں
لا اور الٰہ کی بات سے کیا کیجیے اخذ؟

وہ جو انا کی شکل میں لاحق رہا مجھے
خوفِ شکستِ ذات سے کیا کیجیے اخذ؟

ٹوٹا ہوا بھی خواب کوئی آنکھ میں نہیں
غم کی سیاہ رات سے کیا کیجیے اخذ؟

میری ہر ایک مات میں اپنوں کا ہاتھ ہے
دستِ عدو کی گھات سے کیا کیجیے اخذ؟

جغرافیہ خیال کا الجھا ہوا لگے
یادوں کے نقشہ جات سے کیا کیجیے اخذ؟

دو دل جڑے ہوئے ہیں کئی خدّ و خال سے
ایسے مرکبات سے کیا کیجیے اخذ؟

دل کا معاملہ ہے، شریعت نہ لائیے!
گھیرے تعلقات سے کیا کیجیے اخذ؟

سودائے جاں سے بڑھ کے بھلا اور کیا جوا؟
دل کے معاملات سے کیا کیجیے اخذ؟

یہ کم ہے کیا ؟ کسی کو بلندی نصیب ہے
تاروں بھری پرات سے کیا کیجیے اخذ؟

خودکش چراغ جلتے ہوئے بجھ کے رہ گئے
موجِ ہوا کے ہاتھ سے کیا کیجیے اخذ؟

یہ تو ہمارے گھر کا پرانا رواج ہے
اس رسمِ التفات سے کیا کیجیے اخذ؟

وہ چودھویں کا چاند نمودار ہو چکا
اب اور شش جہات سے کیا کیجیے اخذ؟

خونِ رگِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیراب کیا کیا
ریگِ لبِ فرات سے کیا کیجیے اخذ؟

فکرِ جدید چاہیے ، بہرِ سخن ہمیں
کاغذ ، قلم ، دوات سے کیا کیجیے اخذ؟

ہاں عشقِ بے زبان کے معنی کہاں بھلا؟
اردو کی ان لغات سے کیا کیجیے اخذ؟

حسنِ طلب میں اور کوئی شخص ہی نہیں
دل کی گزارشات سے کیا کیجیے اخذ؟

کوئی بھی رمز دل کے مطابق نہیں رہی
حسنِ تلازمات سے کیا کیجیے اخذ؟

ہمدم پکارتا ہے کوئی خاص نام سے
ایسی نوازشات سے کیا کیجیے اخذ؟

(ذ)

آسیب زدہ ہوں، مرے مرشد! کوئی تعویذ
سائے کے برابر ہے مرا قد، کوئی تعویذ

تدبیر کوئی اور مرے خواب مطابق
محفوظ نہیں رات کی سرحد، کوئی تعویذ

اک دستِ کرم دل پہ کہ جو دستِ شفا ہو
کر دے جو ہر اک موجِ بلا رد، کوئی تعویذ

اپنوں کی محبت میں گرفتار ہوا ہوں
ڈالے نہ عدو مجھ پہ نظرِ بد، کوئی تعویذ

مرتا چلا جاتا ہے کوئی اپنی جلن میں
حاسد کو حسد مجھ سے ہے بے حد، کوئی تعویذ

مجھ کو کسی دربار میں جھکنا نہیں آتا
ہو قد کے مطابق مری مسند، کوئی تعویذ

تو نے تو حقیقت کی سحر دیکھ رکھی ہے
اے راہ نما ، عشق کے سیّد ، کوئی تعویذ

تا عمر کسی نام سے وابستہ رہوں میں
ازبر ہو مجھے عشق کی ابجد ، کوئی تعویذ

لپٹا ہے مرے پاؤں سے اوہام کا رستہ
بھولے نہ مجھے زیست کا مقصد، کوئی تعویذ

چھایا ہے مرے دل پہ تو اب راس بھی آئے
جادو ہے کسی حسن کا شاید ، کوئی تعویذ

مدت سے کسی دل کی صدا ڈھونڈ رہا ہے
خالی ہے مری ذات کا گنبد، کوئی تعویذ

یہ دھوپ کہیں چھاؤں سے محروم نہ کر دے
سر سبز رہے گاؤں کا برگد ، کوئی تعویذ

بس اپنی ضرورت کے علاوہ نہیں خواہش
درکار ہے کم اور نہ زائد ، کوئی تعویذ

ہمدم کو سرِ حرف عطا حسنِ سخن ہو
آورد میں ہو شعر کی آمد ، کوئی تعویذ

(ر)

آئینے کا جہاں، کچھ یہاں، کچھ وہاں، مختصر مختصر
یہ زمیں آسماں، یہ مکاں لامکاں، مختصر مختصر

بیکراں ہم ہوئے، آندھیاں چل پڑیں، کشتیاں چل پڑیں
سینۂ آب پر، کھل گئے بادباں، مختصر مختصر

مجھ کو سورج نے بڑھ کر سہارا دیا، اپنا سایہ دیا
دھوپ نگری میں تھا آخری سائباں، مختصر مختصر

نقش در نقش رہ جائیں گے خاک میں ٹوٹے پھوٹے بدن
گرد ہوتے رہے گر یونہی رفتگاں ، مختصر مختصر

دشت نے میرے قدموں کو چوما، تڑپتا، سلگتا رہا
کیا تماشا ہوا عشق میں ناگہاں؟ مختصر مختصر

راستے کٹ گئے، فاصلے مٹ گئے، واہمے چھٹ گئے
بیچ دیوار میں کھل گئیں کھڑکیاں، مختصر مختصر

بجھتے بجھتے دیے پھر سے جلنے لگے اور مچلنے لگے
بے اماں شہر میں چل پڑیں آندھیاں مختصر مختصر

موسمِ گل کی خوشبو کو سادہ کیا ، ہم لبادہ کیا
چاک دامن سے اڑتی رہیں دھجیاں ، مختصر مختصر

تنکا تنکا اکٹھا کیا جوڑ کر ، برگ و بر چھوڑ کر
آشیانے جلاتی رہیں بجلیاں ، مختصر مختصر

ہم نے تاریک زنداں کی خاموشیوں کو ضیا بخش دی
جلتی بجھتی رہیں پاؤں کی بیڑیاں ، مختصر مختصر

یاد کرتا رہا دل کے دالان میں کوئی بیٹھا ہوا
مجھ کو آتی رہیں ہر گھڑی ہچکیاں ، مختصر مختصر

ہجر بھی سو گیا چاندنی کی سنہری قبا اوڑھ کر
تھم گئیں آخرِ شب مری سسکیاں ، مختصر مختصر

دھیرے دھیرے سوالاً جواباً رہی گفتگو فون پر
نرم لہجے میں گھلتی رہیں شوخیاں ، مختصر مختصر

ہم جو دشتِ جنوں سے اٹھائے گئے، جان وارے گئے
ہم سے سجتے رہے دار اور سولیاں ، مختصر مختصر

اک مسلسل اداسی رہی ہم سفر اور زادِ سفر
ہم اٹھاتے گئے درد کی گٹھڑیاں ، مختصر مختصر

میں نے کلمہ پڑھا اور وضو کر کے سجدے میں سر رکھ دیا
دل کی مسجد میں دی دھڑکنوں نے اذاں، مختصر مختصر

کس نے مردہ صداؤں کو زندہ کیا؟ دشت دریا کیا
کس نے آواز دی حرف کے درمیاں؟ مختصر مختصر

خشک ٹیلوں پہ سوکھی ہوئی گھاس پھر سبز ہونے لگی
میری آنکھوں نے دیکھا عجب ہی سماں، مختصر مختصر

اتنے ٹکڑے ہوئے، ہم بکھرتے گئے، دور ہوتے گئے
میں یہاں، تو وہاں، تو کہاں؟ میں کہاں؟ مختصر مختصر

آنکھ ملتے ہوئے، دل سے دل مل گیا، روح بھی مل گئی
ہوتے ہوتے ہوئے عشق میں ہم زباں، مختصر مختصر

کوئی ہنگام ہے، نے تماشا کوئی بر لبِ بام ہے
کیا ہوا؟ شہر سے اٹھ رہا ہے دھواں، مختصر مختصر

ابر پڑنے کو ہے، بور آنے کو ہے، پھول کھلنے کو ہیں
موسم گل میں ڈھلنے لگی ہے خزاں، مختصر مختصر

ہجر کا کرب تھا، زخم تھے، درد تھا، ضبط کرتے ہوئے
میں بھی کرتا رہا اپنے جی کا زیاں، مختصر مختصر

جھوٹ، غیبت، ریاکاریاں، چغلیاں، تلخیاں، دوریاں
مار ڈالیں نہ ہمدم یہ بیماریاں، مختصر مختصر

وصل کے دائرے، قرب کے زاویے، لمس کے حاشیے
کون ہمدم کرے ایسی گلکاریاں ، مختصر مختصر

(ر)

رازداری کا عمل ہے، اتنا سادہ تو نہ کر
آنکھ میں ٹھہرا ہوا غم بے لبادہ تو نہ کر

جس قدر تجھ کو میسر ہوں، مجھے اپنا سمجھ
یوں مجھے تقسیم کر کے آدھا تو نہ کر

قرب لازم ہے مگر یہ عشق کا حاصل نہیں
کم خیالی میں اسے حد سے زیادہ تو نہ کر

موت سے پہلے بچھڑنے کی روایت ہے کہاں؟
زندگی میں چھوڑ جانے کا ارادہ تو نہ کر

ٹوٹنے والی کسی شے کا بھروسہ ہے بھلا؟
عارضی دنیا میں کوئی اور وعدہ تو نہ کر

یہ دیا جلنے سے پہلے ہی نہ مر جائے کہیں
بے چراغی میں ہواؤں سے افادہ تو نہ کر

پاؤں رکھنے کے لیے احساس کی سیڑھی لگا
آسمانوں کا سفر ہے پا پیادہ تو نہ کر

خیمہء جاں کی طنابیں دسترس میں رکھ مگر
دھوپ کی دیوار ایسے ایستادہ تو نہ کر

دو گھڑی کا ساتھ کافی ہے محبت کے لیے
ہجر کا صحرا مگر اتنا کشادہ تو نہ کر

ہر قدم اک دوسرے کی سمت جانا ہے ہمیں
ہم سفر! یہ دوریوں کا کرب جادہ تو نہ کر

اس قدر مایوسیاں اچھی نہیں، جینے بھی دے
بادشاہا! کچھ نہ کر تو بے مرادا تو نہ کر

جو حقیقت ہے اسی پر جاں مری قربان ہے
نیند میں جاگا ہوا دل خواب زادہ تو نہ کر

صبر کا پتھر نہیں کیا کم اٹھانے کے لیے؟
اپنے کندھوں پر کسی کا بوجھ لادا تو نہ کر

اپنی آنکھوں کے نئے تیرِ ستم سے کام لے
وار کرتے دشمنوں سے استفادہ تو نہ کر

عادِ اعظم ہے یہی تیرے مرے کردار کا
مشترک احساس کو اپنا ہی عادہ تو نہ کر

بے سبب ہمدم روایت بھی نبھانا جرم ہے
جو خارا ہو چکا ، اس کا اعادہ تو نہ کر

(ر)

رکتی ہیں کہاں آنکھیں خوش تاب نظارے پر
دل اور ہمکتا ہے خواہش کے ہلارے پر

ادراک کے زینے پر، احساس کے دھارے پر
تعبیر مچلتی ہے ہر خواب کنارے پر

اک عمر گزاری ہے وجدان کے رستے میں
یہ سال بھی گزرے گا دھڑکن کے اشارے پر

تہذیب نہیں کوئی ، ترتیب نہیں کوئی
والعصر! ہے دنیا میں انسان خسارے پر

بیمار نہیں ہوں میں ، آزار نہیں کوئی
یہ جان تو کٹتی ہے ترے ہجر کے آرے پر

معصوم امنگوں سے تاروں کو چھوا دیکھا
اڑتے ہوئے دیکھا ہے بچوں کو غبارے پر

آدھا ہے سفر میرا، آدھا ہے سفر تیرا
میں تیرے سہارے پر، تو میرے سہارے پر

قسمت کی لکیروں سے دھڑکن ہی نہیں ملتی
کیا ہاتھ اٹھاتے ہم ٹوٹے ہوئے تارے پر

دالان میں کیا کھلتا، گلدان میں کیا سجتا
یہ پھول تو جچتا ہے سرسبز غرارے پر

آزاد فضا میں بھی اڑنے ہی نہیں دیتا
صیاد نے کاٹے ہیں اس طرح ہمارے پر

ہم نے تو عدو کو بھی وہ مہر و وفا بخشی
ٹوٹے تو ہواؤں نے خود آ کے سنوارے پر

ہر طاق میں رکھے ہیں ننھے سے دیے ہم نے
طوفان بپا ہو گا چھوٹے سے شرارے پر

آنکھوں میں حسین موسم یوں ہی تو نہیں ہمدم
یہ پیار تو آتا ہے جی جان سے پیارے پر

(ر)

ظلمتوں کے دور میں روشنی کے بام پر
اک چراغ رکھ دیا زندگی کے بام پر

تیرے میرے درمیاں اور ہی جہان ہے
تو کھلا نہیں کبھی آگہی کے بام پر

ہجر کی زمین پر وصل کا اصول تھا
جاں نثار ہم ہوئے دل لگی کے بام پر

آنکھ کچھ نہ کہہ سکی، دل نہ سن سکا کبھی
خامشی کھڑی رہی ان کہی کے بام پر

چھت پہ دو کھلے بدن خواب سے لپٹ گئے
چاند مسکرا اٹھا چاندنی کے بام پر

صبر سے بھی جبر میں بات بن نہیں سکی
کتنے لوگ مر گئے بے بسی کے بام پر

پھول اور کھل اٹھے تیرے سنگ باغ میں
تتلیوں کے رنگ تھے ہر کلی کے بام پر

خوش نصیب ہوں کہ میں، غم گسار شہر میں
ہاتھ کتنے مل گئے دوستی کے بام پر

تجھ کو دیکھتی رہی ، منتظر نظر نظر
کھڑکیاں کھلی رہیں ہر گلی کے بام پر

کس نگاہ دیکھتے ؟ کیا نظر سے اتارتے؟
خواب تھے دھرے ہوئے ہر کسی کے بام پر

داغ بیل پڑ گئی ہے سحر کے واسطے
در کھلے ہیں شام کے تیرگی کے بام پر

قربتوں کا سلسلہ اور بڑھ نہیں سکا
فاصلے ٹھہر گئے اجنبی کے بام پر

ہر گھڑی صدا اٹھی ، ٹھہریے! کہاں چلے
وقت بولنے لگا ڈائری کے بام پر

آج تک نگاہ میں ایک ہی لباس ہے
کچھ نیا نہیں ہوا سادگی کے بام پر

ملتے ملتے رہ گئے ، ناگہاں بچھڑ گئے
بے رخی کے بیچ میں بے حسی کے بام پر

عشق کے جنون میں جو ملا تھا کھو دیا
ہوش ہی نہیں رہا بے خودی کے بام پر

ہم سفر ترے لیے رکا ہوا ہے قافلہ
دو قدم ملا کے چل ہم رہی کے بام پر

پائے خوش خرام سے کھل اٹھا چمن چمن
زرد سبز ہو گئے تازگی کے بام پر

یوں خدا سے دور ہیں اس صدی کے آدمی
آدمی ہی رہ گیا آدمی کے بام پر

ہمدمِ خیالِ یار خوش جمال ہو گیا
حرف پھول ہو گئے شاعری کے بام پر

(ڑ)

ذرا سی بات پہ گھر کے تعلقات نہ چھوڑ
بڑھا کے ہاتھ محبت سے میرا ہاتھ نہ چھوڑ

مرے چراغ ! یہی آخری سہارا ہے
سحر کا ساتھ نبھا کر حسین رات نہ چھوڑ

تجھے تو ساتھ نبھانا ہے روزِ محشر تک
لبوں پہ دم ہے مرا یوں غمِ حیات نہ چھوڑ

یہ عہدِ نو کے محقّق تجھے نہ چھوڑیں گے
کہا بھی تھا کہ خرابے میں باقیات نہ چھوڑ

ہر ایک بات کے اندر کئی فسانے ہیں
ہر ایک بات ضروری ہے، کوئی بات نہ چھوڑ

قدم قدم پہ تسلی ، دلاسہ دے خود کو
جہانِ درد میں دل پر یہ واجبات نہ چھوڑ

یہ جائداد کبھی منقسم نہیں ہوتی
محبتوں کے علاقے میں شاملات نہ چھوڑ

بس ایک چاند مرے دائرے میں رہنے دے
مرے لیے تو ستاروں کی یہ برات نہ چھوڑ

یہ رکھ رکھاؤ قبیلے کی رسم و راہ میں ہے
کسی عزیز کی شادی، غمِ وفات نہ چھوڑ

تو ایک پل میں یہ دنیا پچھاڑ سکتا ہے
نفی کے رعب میں آ کر کبھی ثبات نہ چھوڑ

سرابِ وقت کے نرغے میں آ گیا ہے تو کیا؟
گماں کی جیت سمجھ کر یقیں کا ساتھ نہ چھوڑ

نہ چھوڑ میری محبت میں تو ابھی خود کو
مرا وجود مکمل نہیں ہے ذات نہ چھوڑ

نہ خود فریب نگاہوں سے مارا جائے کہیں
سفر سہل سہی لیکن تو احتیاط نہ چھوڑ

تو اپنے حصے کے داؤ ذرا سنبھل کے چل!
ترے لیے جو بچھائی گئی بساط نہ چھوڑ

یہ تشنگی ہی پلاتی ہے جام کوثر کے
بلا کی پیاس بھی ہو تو لبِ فرات نہ چھوڑ

دیارِ حرف میں کھلتے ہیں روشنی کے پھول
عظیم تر ہے یہ نسبت قلم دوات نہ چھوڑ

مرے شعور کے رہ بر نے کر دکھایا ہے
کٹا دے سجدے میں سر کو مگر صلوٰۃ نہ چھوڑ

مری زمین پہ آنا ہے لوٹ کر تجھ کو
انا ضروری ہے لیکن یہ کائنات نہ چھوڑ

قدم قدم پہ نیا رخ، نیا تماشا ہے
یہ آئنے کا فسانہ ہے، شش جہات نہ چھوڑ

مرا بھی موڈ بنا ، چائے وائے لا ہمدم
یہ سردرت کا نشہ ہے، تکلفات نہ چھوڑ

(ڑ)

جلے چراغ بجھاتے ہوئے ہوا کے موڑ
ہمارے بیچ کے رستے میں ہیں انا کے موڑ

ہمارے ہاتھ سے کھلتے ہیں راستے دل کے
ہمارے نام سے مشہور ہیں وفا کے موڑ

یہ کائنات کسی پر یونہی نہیں کھلتی
ہماری ذات کے اندر بھی ہیں خلا کے موڑ

یہ رسمِ کوزہ گری ہے، سو آگ لازم ہے
یہ سنگ خاک ہے دل کی اسے جلا کے موڑ

دیارِ دل کے مسافر بھٹک نہیں سکتے
یہ راستے ہیں خدا کے، یہی خدا کے موڑ

حدودِ وقت میں امکان کی لکیر کے ساتھ
بدل بدل کے دکھائے گئے ہیں لا کے موڑ

صراطِ عشق سے گزریں گے ورد کرتے ہوئے
پہاڑ چیر کے رکھ دیں گے یہ دعا کے موڑ

یہ دائیں بائیں کا چکر کبھی نہ بدلے گا
سفر گریز رکھیں گے ہمیں سدا کے موڑ

یہ لوگ ایسے گرے ہیں کہ اٹھ نہیں سکتے
انھیں دکھا کوئی رستہ، انھیں اٹھا کے موڑ

نشانِ راہ دکھایا گیا مگر پھر بھی
ہمارے سامنے رکھے گئے بلا کے موڑ

یہ راستہ کسی منزل کا ہے بھی یا کہ نہیں؟
کہاں لیے ہوئے چلتے ہیں ارتقا کے موڑ

وہی تو آخری منزل کے راہ بر ٹھہرے
نکالتے ہیں جو رستہ بنا بنا کے موڑ

شکستِ راہ پہ الزام دھر نہیں سکتا
کہ حادثے کا سبب ہیں مری خطا کے موڑ

یہ دائرے کا سفر ہم رداس رکھتا ہے
سو کاٹتے چلے جاتے ہیں دل ملا کے موڑ

وہ جس طرف بھی مڑے گا مقام پالے گا
وفا کی سیدھی سڑک پر ہیں پارسا کے موڑ

جدھر جدھر مرا سایہ گیا، وہاں پہنچا
سفر کی دھوپ میں کاٹے ہیں ہم نوا کے موڑ

صدائے سازِ محبت پہ چل رہا ہوں میں
یہ کس نے دل سے پکارا دکھا دکھا کے موڑ

جہانِ درد کا نقشہ بدل کے رکھ دیں گے
ہمارے ہاتھ اگر لگ گئے قضا کے موڑ

یہ بے کنار محبت ہے بے کراں ہمدم
کہ ابتدا کے ہیں رستے، نہ انتہا کے موڑ

(ڑ)

منظر منظر خواب دکھائے آئینوں کی بھیڑ
شہروں شہروں سیر کرائے کن رستوں کی بھیڑ

دل کی آنکھ سے دیکھنے والا ، دیدہ ور ہے کون؟
تجھ کو ہر پل دیکھنے والے بے دیدوں کی بھیڑ

ایک بھی سپنا آنکھوں سے ہم اوجھل کرتے کیوں؟
دل میں سینت سنبھال کے رکھی ہے خوابوں کی بھیڑ

زور آور لوگوں نے کیا میدان سجایا ہے؟
کھیل تماشا دیکھ رہی ہے کمزوروں کی بھیڑ

جھل مل جھل مل روشن کرنوں میں ہے حسن کا رنگ
چاند کا ہالہ بن جاتی ہے مہ پاروں کی بھیڑ

رہن زمین کنارے اب تو کوئی برگد نئیں
دل کو سبز کیے رکھتی ہے کن پیڑوں کی بھیڑ

کون گڈریا ہم جیسوں کا ریوڑ ہانکے گا؟
اپنی قوم کا بچہ بچہ ہے بھیڑوں کی بھیڑ

کس کی جیب میں پیسے ہوں گے؟ کون خریدے گا؟
ایک غبارہ بیچنے والا اور بچوں کی بھیڑ

ان دیکھے، انجانے رستے پر ہیں میرے خواب
اور تعاقب میں رہتی ہے ان دیکھوں کی بھیڑ

روزی روٹی کا چکر بھی کتنا مشکل ہے؟
شہر کے چوک میں لگ جاتی ہے مزدوروں کی بھیڑ

تیرے ساتھ گزرتی گھڑیاں خوش کر دیتی ہیں
سارے درد مٹا دیتی ہے کچھ لمحوں کی بھیڑ

چلتے پھرتے اک دوجے کو خوشیاں دیتے ہم
دل کا میلہ خوب لگائے ہم لوگوں کی بھیڑ

سچا ساتھ نبھانے والا کوئی کوئی ہے
جھوٹے خواب دکھانے والی ہے اندھوں کی بھیڑ

ہمدم تنہا کر دیتے ہیں جان سے پیارے لوگ
جاتے جاتے رہ جاتی ہے بس یادوں کی بھیڑ

(ڑ)

شہر کی آلودگی سے دور میرے سبز پیڑ
زندگی کے حسن سے بھرپور میرے سبز پیڑ

دھوپ نگری میں مجھے جلنے نہیں دیتے کبھی
چھاؤں کی تشکیل پر مامور میرے سبز پیڑ

رزق بھی، آرام بھی، اخلاص بھی، احساس بھی
گاؤں کی اقدار سے معمور میرے سبز پیڑ

باثمر ٹھہرے کبھی، چھاؤں بھری چھتنار دی
نغمۂ گل سے رہے مخمور میرے سبز پیڑ

مالٹے کی ٹوکری، شہتوت کی چنگیر ہیں
نرم شاخوں کے لیے مشہور میرے سبز پیڑ

مر گئے لیکن محبت میں کبھی ہجرت نہ کی
جن پرندوں پر ہوئے مغرور میرے سبز پیڑ

سبز پتوں کی نمو ، روشن ستاروں کی نمود
روشنی کا استعارہ ، نور میرے سبز پیڑ

فکر کی پگڈنڈیوں پر سبزہ ء نو کی بہار
موسمِ عکسِ تجلیِ ، طور میرے سبز پیڑ

پاک دھرتی کا حسیں منظر، سرودِ زندگی
غنچہ ءفردوس ،مثلِ حور میرے سبز پیڑ

خشک پتوں کی جدائی سے کبھی مرتے نہیں
زرد موسم کی خزاں سے چور میرے سبز پیڑ

تازگی حسن عمل کا اولیں معیار ہے
حسنِ فطرت کا حسیں منشور میرے سبز پیڑ

پھول ، پتے ، شاخ کھو کر، سر بریدہ ہیں سبھی
کٹتے کٹتے رہ گئے معذور میرے سبز پیڑ

خاک کی سوداگری میں گاؤں سارا بک گیا
کر بھی کیا سکتے بھلا مجبور میرے سبز پیڑ

حسنِ معنی کی چمک ہمدم مری دھرتی سے ہے
شعر کی خوش بو، ثمر، نم، بور میرے سبز پیڑ

(ز)

احساس کی لو کم ہے، ابھی کم ہے، ذرا تیز
اے دل کے دیے تجھ میں اگر دم ہے، ذرا تیز

تھوڑی سی مسافت پہ مچلتا ہوا دل ہے
پلکوں پہ ابھی قطرہء شبنم ہے، ذرا تیز

یہ دھوپ کسی اور بھی سائے پہ پڑے گی
سورج بھی مری چال پہ برہم ہے، ذرا تیز

ہر موڑ پہ پانی کو کنارہ نہیں ملتا
بچھڑے ہوئے دریاؤں کا سنگم ہے، ذرا تیز

کیوں عشقِ مجازی کی زمیں ماپ رہا ہے
دھمال سے آگے بھی دما دم ہے، ذرا تیز

بارش ہے، محبت ہے، دھڑکتے ہوئے دل ہیں
کہتے ہیں یہی پیار کا موسم ہے، ذرا تیز

بے حس ہوئے جاتے ہیں مرے شہر کے راہی
لگتا ہے قیامت کا یہ عالم ہے، ذرا تیز

کچھ لوگ مرا نقشِ قدم دیکھ رہے ہیں
منزل پہ پہنچنے کا یہی غم ہے ، ذرا تیز

ہر آنکھ ہے بے تاب تمنائے جہاں میں
اک چشمِ بصیرت ہی نہیں نم ہے، ذرا تیز

دے اور ہوا اور مرے شعلہ ء جاں کو
یہ آنچ مری بود ، مرا نم ہے ، ذرا تیز

صحرا کے مسافر نہ بگولوں کی طرح ہیں
رفتار سرِ دشت ابھی مدھم ہے ، ذرا تیز

اے مردِ مجاہد ! تو سلامت ہے تو ہم ہیں
ہاتھوں میں ترے قوم کا پرچم ہے ، ذرا تیز

دو گام پہ منزل ہے ہم آشفتہ سروں کی
بس ایک قدم اور مقدّم ہے ، ذرا تیز

انسان مقدّر پہ بھروسہ نہیں کرتا
ورثے میں یہی فطرتِ آدم ہے، ذرا تیز

گر شوق سلامت ہے تو خطرات سے ڈر کیا؟
دلدار ! ترے سنگ تو ہم دم ہے ذرا تیز

رفتار ذرا اور بڑھا جذبِ دروں کی
ہمدم ترا ادراک مسلّم ہے ، ذرا تیز

(ز)

دل کی دھڑکن ، غزل نشیں آواز
زندگی ہے تری حسیں آواز

پھول جیسا کھلا کھلا لہجہ
مسکراتی ہوئی نگیں آواز

کیا تبسم ہے ؟ کیا ترنم ہے
دل میں اتری ہے بھیرویں آواز

شعر دل میں اترتے جاتے ہیں
مرحبا ! سحر آفریں آواز

کون اٹھاتا ہے نغمگی دل کی
ناز پرور ہے ، نازنیں آواز

خاک داں کو نہال کرتی ہے
سبز خوشبو بھری زمیں آواز

کون خوش ذوق بھول سکتا ہے؟
نرم لہجے میں شرمگیں آواز

بد گمانی سے دور رہتا ہوں
ہے سماعت میں پر یقیں آواز

دل ترستا ہے کس کے لہجے کو
کھو گئی ہے یہیں کہیں آواز

دل سے اک بار ہی پکارا تھا
ہر گھڑی ہے مرے قریں آواز

ہر ادا میں حسین جادو ہے
سب سے اچھی ہے بہتریں آواز

چھیڑ دیتی ہے تار دھڑکن کے
خوش نگاہی میں خوش مگیں آواز

جب سخن کا چراغ جلتا ہے
دل سے اٹھتی ہے آتشیں آواز

شاعری کی مٹھاس ہے ہمدم
سرخ ہونٹوں پہ احمریں آواز

(ز)

فریبِ شہرِ تمنا، سراب سحر انگیز
دل و نگاہ میں رہتا ہے خواب سحر انگیز

طلسم ہوش ربا سطر سطر پڑھتا ہوں
یہ آئنہ ہے کہ دل کی کتاب سحر انگیز

اندھیری رات کا منظر بدلنے والا ہے
چراغ ہے کہ کوئی آفتاب سحر انگیز

میں چاندنی میں گھلا جسم، رقص کرتا ہوا
کنارِ آب ہے تو ماہتاب سحر انگیز

ادھر ادھر کے مناظر سمیٹ سکتے ہیں
ہمارے پیشِ نظر ہے سحاب سحر انگیز

یہ مصری حسن تخیل نہیں ہے، بس تو ہے
ترے نقاب میں جادو، حجاب سحر انگیز

ترے جمال کی خوشبو بلا رہی ہے مجھے
کلی کلی میں کھلا ہے گلاب سحر انگیز

نظر نظر میں رہا ہے مکالمہ دل کا
سوال آنکھ کا ساگر، جواب سحر انگیز

پڑی ہے تجھ پہ نظر جب سے، میں نشے میں ہوں
چھلک رہی ہے نظر سے شراب سحر انگیز

الف کے نور میں کھو کر مزید پڑھ نہ سکا
کتابِ عشق میں تھا وہ نصاب سحر انگیز

حسین الاپ سے بجتی ہیں گھنٹیاں دل کی
سماعتوں میں رہا ہے رباب سحر انگیز

دلِ خراب کہاں؟ کب؟ کسی کی سنتا تھا
نظر سے تو نے کیا ہے خطاب سحر انگیز

یہ وحشتوں کا اثر مجھ پہ تیرے بعد ہوا
مجھے اڑانے لگا اضطراب سحر انگیز

تمام عمر کٹے گی تری محبت میں
ترے وجود میں ہے آب وتاب سحر انگیز

طلوعِ صبح غزل ہے، مری سحر تو ہے
یہ شاعری ہے ترا انتخاب سحر انگیر

ہمارے ہاتھ لگی ہیں وہ چابیاں ہمدم
ہمارے نام سے کھلتا ہے باب سحر انگیز

(ژ)

ہوتی ہے کہاں سوچ کی دیوار سبوتاژ
ہو جاتے ہیں اس کھیل میں کردار سبوتاژ

دیوار کے سینے پہ اگر جھوٹ لکھا ہے
کر دیجیے اس شہر کے اخبار سبوتاژ

ژولیدگیِ جاں سے بغاوت نہیں ہوتی
اس عشق میں ہو جاتے ہیں کردار سبوتاژ

اک میں ہی ہوا برد نہیں شہر کے اندر
آندھی نے کیے ہیں کئی گل زار سبوتاژ

مارے ہیں کئی لوگ مگر دستِ عدو میں
نے تیر سبوتاژ نہ تلوار سبوتاژ

بے کار عناصر کبھی ضائع نہیں ہوتے
کریے نہ ہر اک چیز کو سرکار سبوتاژ

چلتے ہیں مگر راہ میں سایہ نہیں کوئی
سڑکوں نے کیے شہر کے اشجار سبوتاژ

ہر بار مرے دل پہ کئی وار ہوئے ہیں
سینے پہ کیا روک کے ہر وار سبوتاژ

حیرت ہے کہ مر مر کے بھی آباد ہوا ہے
دلّی کی طرح دل ہوا سو بار سبوتاژ

اخلاص ، وفا ، پیار ، محبت نہیں کچھ بھی
ہوتے ہیں خرابے میں طرح دار سبوتاژ

میں نے بھی الگ زادِ سفر باندھ لیا ہے
کر دے نہ مری فکر کو سالار سبوتاژ

سینے میں اسے مثلِ شرر ڈھانپ کے رکھنا
تھوڑی سی ہوا کر دے نہ انگار سبوتاژ

سب لوگ چمکتے ہوئے چہروں پہ فدا ہیں
آئنہ نمائی میں ہیں زنگار سبوتاژ

یہ شہر کی بنیاد کے پتھر ہیں نہ چھیڑو
ہو جائے نہ ہر چیز مرے یار سبوتاژ

لو! خواجہ سراؤں نے مرا شہر سنبھالا
لو! مرد ہوئے صاحبِ دستار سبوتاژ

یہ برف چناروں کی نمو روک رہی ہے
ہوں سرد مزاجی کے یہ کہسار سبوتاژ

پھر حبس کا موسم ہے مرے شہر میں ہمدم
کر دے نہ کوئی ابر کے آثار سبوتاژ

ہمدم یہ تری قافیہ پیمائی غلط ہے
کر دے نہ ترا ذوق، یہ معیار سبوتاژ

(ژ)

داستانِ صبحِ نو ہے خواب کی رپورتاژ
خوش نظر جمال ہے سراب کی رپورتاژ

برگ برگ شعر ہے نمود سے لکھا ہوا
شاعری ہے سرخ رو گلاب کی رپورتاژ

اک حسین آنکھ سے چراغ رو نما ہوا
اک نظر سے مل گئی سحاب کی رپورتاژ

ایک خوش نگاہ کی نظر نظر میں پیار ہو
میں پڑھوں محبتی خطاب کی رپورتاژ

عشق کا بہاؤ تو گھڑے کی ناؤ سے کھلا
کشتیوں نے کب لکھی چناب کی رپورتاژ

حرف انتساب ہے کہ دل کا اکتساب ہے
نسخہ ء وفا کے ایک باب کی رپورتاژ

حاصلِ کلام ہے محبتوں کی شاعری
انتخاب ہے مرا کتاب کی رپورتاژ

بام و در سنا رہے ہیں وحشتوں کی داستاں
زندگی ہے خانہء خراب کی رپورتاژ

ایک پل میں کھل گیا ہے زندگی کا فلسفہ
نقش ہو کے مٹ گئی حباب کی رپورتاژ

شب گزار دی گئی ہے صبح کے چراغ سے
دیکھیے افق پہ آفتاب کی رپورتاژ

نامہء عمل ہے کیا؟ ہرے چمن کا پھل ہے کیا؟
بندگی کے نام سے ثواب کی رپورتاژ

آئنے کے سامنے وہ خوب رو جمال ہے
کیا کہوں میں دل کی آب و تاب کی رپورتاژ

کس طرح کی سازشیں محل سرا میں دفن ہیں
کس محل کا راز ہے نواب کی رپورتاژ

چار دن ملے تھے جو ہنسی خوشی سے کٹ گئے
مستیوں بھری رہی شباب کی رپورتاژ

جو لکھی نہیں گئی کبھی پڑھی نہیں گئی
کیا ہوئی وہ عشق کے نصاب کی رپورتاژ

گھنگھروؤں کی ہر صدا پکار ہے وجود کی
نرتکی بنی ہے کس حباب کی رپورتاژ

دامنوں پہ خون کے نشان یوں نہیں پڑے
چیل کی ہے داستاں، عقاب کی رپورتاژ

جب سیاہ پیرہن میں شبنمی دیے جلے
کھل گئی نقاب سے حجاب کی رپورتاژ

خاک تھی مدین کی نجف میں سرخ رو ہوئی
بو تراب لکھ چلے تراب کی رپورتاژ

خوش نصیب ہوں کہ ہمدمِ نوائے عصر ہوں
لکھ رہا ہوں میں بھی انقلاب کی رپورتاژ

(ژ)

منافقت کا وتیرہ، سخن تراش کی ژاژ
قبول عام ہے ٹی وی پہ بدمعاش کی ژاژ

محبتوں کی ضرورت ہے، کیوں نہیں کرتے؟
یہ نفرتوں کا چلن تو ہے بدقماش کی ژاژ

یہ کپکپی ترے اندر کا خوف ہے ظالم!
تھمی نہیں ترے لہجے میں ارتعاش کی ژاژ

غلیظ تر ہے یہ مردہ ضمیر، سڑتی ہوئی
کریہہ شکل، تعفن زدہ ہے لاش کی ژاژ

عبث ہے جبر کی بستی میں سرخ رو ہونا
عجیب تر ہے مسیحاؤں کی تلاش کی ژاژ

امیر کے لیے آسائشوں کا سودی نظام
غریب کے لیے دھوکہ زر و معاش کی ژاژ

سنی ہے قصرِ شہنشاہ کی فصیلوں سے
عوام کے لیے بس ہوشیار باش کی ژاژ

سماعتوں میں فقط جھوٹ کا پلندہ ہے
بلند بانگ تبرّیٰ ، شکستِ فاش کی ژاژ

فضا یہ ذہنی غلاموں کو راس آتی ہے
خوشی خوشی سے جو سنتے ہیں خرخشاش کی ژاژ

کسی میں درد نہیں ہے فلاح کا ہمدم
فروغِ اہل سیاست ہے بود و باش کی ژاژ

(ژ)

ترے خیال کی دنیا ہے دل نشیں کولاژ
سجا لیا ہے محبت بھرا حسیں کولاژ

قدم قدم ترے دم سے حسین دنیا ہے
یہ میرے خواب کی جنت فقط نہیں کولاژ

مرے وجود کی خوش تابیوں کا باعث ہیں
یہ خوش خیال نگاہیں، یہ خوش جبیں کولاژ

ترے بدن کی مہک نے چھوا تو ایسا لگا
وفورِ جذب سے چھلکا ہے مرمریں کولاژ

میں دھڑکنوں سے ترا پیار نقش کرتا ہوں
ترے لیے مرا دل ہے حسیں تریں کولاژ

ترے لبوں سے تبسم کشید کرتے ہوئے
تری ہنسی کو بناؤں گا احمریں کولاژ

وہی تو حسن بڑھاتا ہے میرے کمرے کا
فریم کر کے رکھا ہے جو بہتریں کولاژ

جو تیرے ساتھ کھنچی تھی وہ آخری تصویر
دل و نظر کو بناتی ہے پر یقیں کولاژ

ترے وجود کا البم چھپا کے رکھتا ہوں
تری حیا کا تقاضا ہے شرمگیں کولاژ

مصوری ہے کہ تو شاعری، کمال ہے بس
نثار حسنِ مجسّم پہ، آفریں کولاژ

ترے بدن پہ تخیّل تمام شد ہمدم
بنا رہا ہوں غزل کی نئی زمیں کولاژ

(س)

دیکھنے والے عجب موج میں آئے ہیں کہ بس
چشمِ حیرت نے وہ آئینے بنائے ہیں کہ بس

دھوپ ڈھلتے ہوئے سائے سے لپٹ جاتی ہے
ہم نے سورج کو بھی وہ ناز دکھائے ہیں کہ بس

نقش بنتا ہی نہیں اور کوئی آنکھوں میں
ایک تصویر کو سینے سے لگائے ہیں کہ بس

پیش منظر بھی کوئی ریگِ بلا ہو جیسے
دل کے صحرا سے وہ دریا بھی اٹھائے ہیں کہ بس

کرچی کرچی نے سمٹنے کی ادا پائی ہے
آپ یوں ٹوٹے ہوئے دل میں سمائے ہیں کہ بس

بھولے بھٹکے ہوئے راہی بھی نشاں پائیں گے
موڑ در موڑ دیے ہم وہ جلائے ہیں کہ بس

ماس ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا لیکن
موڑ کچھ ایسے محبت میں بھی آئے ہیں کہ بس

بھول سکتی نہیں صدیاں بھی ہمارا ورثہ
اپنے دشمن سے بھی وہ عہد نبھائے ہیں کہ بس

پھول ہی پھول مرے گھر میں کھلے رہتے ہیں
تیری آمد پہ وہ گل دان سجائے ہیں کہ بس

اب تو غیروں سے بھی رہتا ہے علاقہ اپنا
سلسلے ایسے محبت نے بڑھائے ہیں کہ بس

مجھ سے دیکھی نہیں جاتی ہے غزل کی صورت
بھولے بسرے ہوئے کچھ شعر سنائے ہیں کہ بس

نام آئے گا کہانی میں ہمیشہ ہمدم
ہم نے مر کر بھی وہ کردار نبھائے ہیں کہ بس

(س)

مجھے آئینہء دل کی نہ پیاس، ہٰذا القیاس
ملے ہمدم کوئی مردم شناس، ہٰذا القیاس

تری خاطر لیا بازار سے تازہ گلاب
تری خوشبو سے مہکا ہے لباس، ہٰذا القیاس

ترے جانے کے موسم سے بدلتی ہے بہار
تمامی شہر لگتا ہے اداس، ہٰذا القیاس

ادھورے خواب کی تعبیر سے ٹوٹا خمار
پڑا ہے میز پر آدھا گلاس، ہٰذا القیاس

مسلسل شعر کہتا ہوں مگر دشتِ غزال!
نکلتی ہے کہاں دل کی بھڑاس، ہٰذا القیاس

نجانے کیا سے کیا ہونے لگی چشمِ سراب
تری آنکھوں میں دیکھی ہے مٹھاس، ہٰذا القیاس

محبت زندگی بھر کی عبادت کا نصاب
محبت پر ہے دنیا کی اساس، ہٰذا القیاس

کھلے گی آنکھ تو چھانیں گے ہم ریگِ وجود
ابھی قائم نہیں ہوش و حواس، ہٰذا القیاس

ہوا کے ہاتھ کیوں آیا نظام و انصرام
ہوا کیوں شہر میں اتنا ہراس، ہٰذا القیاس

ابھی تجھ سے تعلق ہے مرے دل کے رفیق
ابھی تجھ سے رہے گا یہ سپاس، ہٰذا القیاس

بہت آلودگی ہے گاؤں کے قرب و جوار
اگے پھر کس طرح اجلی کپاس، ہٰذا القیاس

خزاں کے زرد پتے پائیں گے پھر سے نمود
بہت سرسبز ہے زہریلی گھاس، ہٰذا القیاس

محبت نقش ہے ہمدم سرِ لوحِ شعور
مٹائی جا نہیں سکتی یہ آس، ہٰذا القیاس

(س)

کہاں کہاں لیے چلتی ہے اک نگاہِ ہوس
کھلی نہیں مری آنکھوں پہ کارگاہِ ہوس

رگوں میں ناچ رہی ہے طوائفِ دنیا
فشارِ خون بڑھاتی ہے موجِ باہِ ہوس

کوئی یقیں کا ستارا ، کوئی حسیں سورج
بھٹک رہے ہیں اندھیرے میں روسیاہِ ہوس

کبھی کبھی کوئی جگنو سی رمز کھلتی ہے
کھلی کہاں ہے؟ کسی پر یہ بارگاہِ ہوس

یہ دیکھتے ہیں، انھیں دیکھنے کی عادت ہے
کہ خو بدل نہیں سکتے ہیں کج کلاہِ ہوس

میں ضبطِ نفس کروں ، مطمئن دکھائی دوں
مگر وجود کے اندر اگی ہے کاہِ ہوس

بس ایک داغ ہی لگتا ہے اجلے دامن پر
کہاں سکون کی ضامن ہوئی پناہِ ہوس

یہ کس قماش کے لوگوں میں آ گیا ہوں میں
مرے خمیر میں شامل نہ تھا گناہِ ہوس

میں آئنے کے مطابق تماش بین ہوا
جہانِ چشمِ تمنا ہے درس گاہِ ہوس

بدل گئی ہیں نگاہیں چراغِ دید کے بعد
کسی کی چشمِ رسا ہی نہ تھی گواہِ ہوس

نکاحِ عشق سے جڑتا ہے سلسلہ دل کا
یہ داشتہ سے تعلق تو ہے بیاہِ ہوس

لحاف اوڑھ کے منٹو کو لوگ پڑھتے ہیں
سماعتوں پہ مسلط ہے کوئی آہِ ہوس

یہ لوگ حسنِ عقیدت سے دیکھتے کب ہیں؟
تلاشتے ہیں زنخداں پہ کوئی چاہِ ہوس

گماں یقین سے پہلے نرا خارا ہے
سوائے عشق سے چھٹتی نہیں ہے راہِ ہوس

وصال دل کی تمنا کو مار دیتا ہے
وہ ہجر ہے جسے کہتے ہیں لوگ ماہِ ہوس

دماغ میں نہ خلل ہو تو رقص کرتا ہے
لقب ہے دل کا زمانے میں خیر خواہِ ہوس

یہ کس جنوں سے لپٹتا ہے بامِ ظلمتِ شب
نمودِ نورِ سحر تو نہیں پگاہِ ہوس

یہ صبح صبح مرے دل میں کیسی ہل چل ہے
جبیں پہ بوسہء جاں ہے کہ انتباہِ ہوس

یہ جستجو مجھے روشن خیال رکھتی ہے
مرے شعور کا رستہ ہے اشتہاہِ ہوس

بھٹک رہی ہے تمنا سراب کے پیچھے
سنا ہے بند گلی ہے یہ شاہراہِ ہوس

کسی نگاہ نے دیکھا نہ عشق کا منظر
سبھی جنوں کو سمجھتے ہیں سربراہِ ہوس

سفید گال پہ سرخی یونہی نہیں پھیلی
ہر ایک رنگ سمجھتا ہے اشتباہِ ہوس

ہم ایسے لوگ اسیری کو جانتے ہی نہیں
محاصرہ کیے رکھتی ہے اک سپاہِ ہوس

یہ روشنی کسی اندھے کو کیا دکھائی دے
غلام بن کے کھڑی ہے جو ہمسراہِ ہوس

ہوس شعار سمجھتے نہیں کبھی ہمدم
خلوص دل سے بدلتی ہے حرف گاہِ ہوس

(ش)

تبدیل ہو رہا ہے سماں ، ہوشیار باش
لٹ جائے نہ خوابوں کا جہاں ، ہوشیار باش

یہ زندگی ہے مسئلہ حاضر دماغ کا
اے ہم نوائے زندہ دلاں ! ہوشیار باش

بجھنے لگی ہے آگ کہ جلنے لگا ہے دل
اٹھتا ہے چراغوں سے دھواں ، ہوشیار باش

رکھنا قدم قدم پہ یہاں تھام تھام دل
یہ پہلی محبت ہے میاں ! ہوشیار باش

کرنا ہے جو بھی ، بس یہی کرنے کا وقت ہے
پچھتانا نہیں ، بعد ازاں ، ہوشیار باش

ڈوبے ہیں کئی اور سفینے اسی طرح
بہتے ہوئے پانی پہ مکاں ! ہوشیار باش

بے وقت یہ قیام، یہ سجدہ فضول ہے
آیا نہیں مقامِ اذاں ، ہوشیار باش

وحشت عروج پر ہے، فصیلوں کے آس پاس
اے وارثانِ شہرِ اماں ، ہوشیار باش

پیشِ نظر پڑے ہیں کئی بام و در مگر
یہ آنکھ ٹھہرتی ہے کہاں ؟ ہوشیار باش

سانسیں اکھڑ رہی ہیں نشیب و فراز پر
ہر موڑ پر خطر ہے یہاں ، ہوشیار باش

وہ زندگی ، وہ لوگ ، وہ موسم گزر گیا
کچھ بھی نہیں رہا ہے یہاں ، ہوشیار باش

سن وقت کی پکار کہ دنیا خراب ہے
بیٹا ترا جوان ہے ماں ! ہوشیار باش

گرتا ہوا وجود بھلا تھامتا ہے کون؟
اپنا کوئی یہاں نہ وہاں ، ہوشیار باش

جو بھی گیا ہے لوٹ کے آیا نہیں کبھی
یہ عشق بھی ہے اندھا کنواں ، ہوشیار باش

میں آ رہا ہوں میرے عدو ! بھاگنا نہیں
ٹوٹا نہیں ہے عزمِ جواں ، ہوشیار باش

دو چار دن کے پھول ہیں ، مرجھا ہی جائیں گے
آئے گی بہاروں پہ خزاں ، ہوشیار باش

آئنہ ء جہاں میں حقیقت سہی مگر
امکان میں رہتا ہے گماں ، ہوشیار باش

تاریخ کے کھنڈر سے گزرتے ہیں کتنے لوگ
ملتا ہے یہاں نقشِ بتاں ، ہوشیار باش

ظلمت کدہ سجا ہے درندوں کے شہر میں
بڑھنے لگا ہے شورِ سگاں ، ہوشیار باش

کہتے ہیں لوگ یونہی نہیں جان سے گئے
ہوتا ہے عشق جی کا زیاں ، ہوشیار باش

یوں بار بار حرف گرانا ، میاں ! غلط
اچھا نہیں یہ طرزِ بیاں، ہوشیار باش

ترکش میں کوئی تیر نہ ہاتھوں میں ہے سپر
ٹوٹی ہوئی ہے دل کی کماں ، ہوشیار باش

اے دوست! اپنا مورچہ جم کر سنبھال رکھ
دشمن ہے تیری سمت رواں ، ہوشیار باش

وہ آگ جل اٹھی ہے جو بجھتی نہیں کبھی
انساں ہوا ہے شعلہ فشاں ، ہوشیار باش

یہ عشق کا نگر ہے یہاں سوچنا نہیں
کیا حسابِ سود و زیاں ، ہوشیار باش

لگتا ہے جان لے کے ہی جائے گا جان سے
جانے کا نہیں دردِ نہاں ، ہوشیار باش

سو بار لٹ چکا ہے یہ غالب کا شہرِ دل
لٹ جائے نہ دلّی کی زباں، ہوشیار باش

ہم دم نہ ہم نوا نہ کوئی ہم سخن ملے
سمجھے گا کون طرزِ فغاں ، ہوشیار باش

ہمدم سخن کی کھوج میں رہنا عجیب ہے
رب کی عطا ہے حسنِ بیاں، ہوشیار باش

(ش)

مار ڈالے نہ کہیں اور سفر کی خواہش
مجھ کو سونے نہیں دیتی ہے سحر کی خواہش

ہائے ! وہ پہلی محبت کا نشہ تھا، کیا تھا؟
دل میں رہتی تھی فقط ایک نظر کی خواہش

خاک زادوں کو فلک زاد لیا جاتا ہے
زیر ہوتا ہے جو رکھتا ہے زبر کی خواہش

چاک ہوتا ہے کہاں عشق میں دامن ورنہ
سنگ ریزے میں پنپتی ہے شرر کی خواہش

وہ تو مٹی کی محبت میں کھنچا جاتا ہے
دشت ہوتا ہے کہاں خاک بسر کی خواہش

بس دلا! بس ! یہ حکومت ہی تجھے کافی ہے
مار ڈالوں گا تجھے ، اور ، اگر کی خواہش

جانے کیوں؟ لوگ جڑیں کاٹ رہے ہیں، ورنہ
ایک چڑیا کو بھی معلوم شجر کی خواہش

لوگ دیکھیں تو اسے دیکھتے ہی رہ جائیں
چودھویں رات کا منظر ہے قمر کی خواہش

رنگ آتا ہے نہ پتوں میں نمو پڑتی ہے
کتنی بے سود سی لگتی ہے ثمر کی خواہش

جھولیاں بھر کے انہیں رزق خدا دیتا ہے
جن کو دولت کی تمنا، نہ گہر کی خواہش

کبر تو چاہے یہاں سب کا خدا ہو جانا
رب کو معلوم ہے اس بگڑے بشر کی خواہش

یوں ہی کچھ دیر لکیروں سے پرے ہو بیٹھا
میری تقدیر میں لکھا تھا، مگر کی خواہش

وار کرنا ہے تو سینہ مرا حاضر صاحب!
تیری تلوار کے آگے ہے سپر کی خواہش

ذائقہ کوئی بھی ہو تشنہ لبی تک ہے بس
زہر پینا ہے تو پھر کیوں ہے شکر کی خواہش

آخرِ شب ہی مرا وقتِ دعا ہوتا ہے
یاد رکھتا ہوں تو بس پچھلے پہر کی خواہش

قافلہ جست میں منزل کا مسافر نکلا
اور اک میں کہ جسے راہ گزر کی خواہش

میں ہوں شاعر، مری لوگوں پہ نظر رہتی ہے
تو صحافی ہے، تجھے تازہ خبر کی خواہش

کتنے بے سُر ہیں جو بے ربط کہے جاتے ہیں
لوگ رکھتے ہی نہیں عرضِ ہنر کی خواہش

پار لگتے ہی کناروں سے الجھ پڑتی ہے
کیسی کشتی ہے جو رکھتی ہے بھنور کی خواہش

حرف کے پھول مہکتے ہیں غزل میں ہمدم
ہائے ! کیا چیز ہے یہ مصرعہء تر کی خواہش

(ش)

خوش تاب، خوش نظر ہے وہ کتنا حسین نقش
آئنہ ء خیال ہے ، دل کا مکین نقش

اک مطلعِ سحر ہے ستاروں کی جھیل میں
اترا ہے آسماں سے کوئی مہ جبین نقش

محبوب ہے، خدا ہے، خدا کا رسول ہے
دل پر بنے ہوئے ہیں محبت کے تین نقش

یہ وہ چراغ ہے جو بجھایا نہ جا سکا
چمکا ہے آسمان پہ زیرِ زمین نقش

ہے دیکھنے کو آنکھ تو کر لے مشاہدہ
آئنہ ء جہاں پہ ہے عین الیقین نقش

میں جس کے خدّ و خال سے خود کو سنوار لوں
راہِ وفا میں ہے کوئی ایسا معین نقش

چھلّا ہے میرے ہاتھ میں دل کے مرید کا
انگلی پہ کر چکا ہوں میں ایسا نگین نقش

تکیے پہ نرم ہاتھ کی چاہت کے پھول ہیں
پلکوں پہ کھل رہے ہیں وہ نازک مہین نقش

ظلمت کدے میں رہ کے بھی روشن دماغ ہوں
دل کی زمین پر ہے وہ اسمِ مبین نقش

اک آنکھ دیکھتی ہے محبت بھری مجھے
اک رمز کھینچتا ہے کوئی دل نشین نقش

اب میں کسی فریب میں آنے سے تو رہا
اک سانپ ہوگیا ہے سرِ آستین نقش

آنکھوں سے دیکھنے کی تمنا نہیں رہی
دھڑکن میں بس گیا ہے کوئی دور بین نقش

سورج کے ساتھ ساتھ کوئی اور بھی تو ہے
سائے میں جل رہا ہے کوئی ہم نشین نقش

یہ کیمیا گری ہے یہی رمزِ عشق ہے
کھینچا گیا ہے قاف پہ وہ عین شین نقش

موجِ رواں خدا کی عبادت کا نام ہے
ہوتا ہے چشمِ نم سے محبت کا دین نقش

نقش و نگار میں کسی انگلی کا خوں نہیں
دل میں اتارتی ہے کہاں یہ مشین نقش

ہجرت کا یہ سفر ہے سخن در سخن چلے
ہمدم غزل نشیں ہے وہ حرفِ مدین نقش

(ش)

کھلتی ہے غزل زار میں گل فام سی خواہش
قرطاس پہ رکھی ہے وہ بے نام سی خواہش

چہرے پہ کھلا رنگ مرا مطلعِ جاں ہے
احساس میں رہتی ہے سحر فام سی خواہش

آنکھوں میں کسی دیدہء خوش تاب کا نم ہے
یہ سرخ شفق ہے کہ کوئی شام سی خواہش

منظر کوئی دیکھا ہوا دل سے نہیں جاتا
مٹتی ہے کہاں ؟ حسرتِ ناکام سی خواہش

بس ایک چھناکے سے مچلتی ہے لبوں پر
یہ پیاس بھی ہے چھلکے ہوئے جام سی خواہش

امکان کے زینے پہ جسے بھول گیا تھا
مل جائے گی اک روز وہ گمنام سی خواہش

زنجیر سے رشتہ ہے ، اسیری کا جنوں ہے
ہے زلفِ گرہ گیر کی اک لام سی خواہش

جو تجھ سے محبت کا تسلسل نہیں رکھتا
کس کام سا جذبہ ہے وہ کس کام سی خواہش

زندہ ہوں اسی دم سے ، اسی موجبۂ کم سے
دھڑکن ہے مری جذبۂ ہنگام سی خواہش

کچھ اور ، ذرا اور ، ذرا اور بھی ہو تو
مستی ہی نہیں زمزمۂ خام سی خواہش

خواہش ہے کہ مل جائیں وہ خوش رنگ نظارے
تصویر کروں حرفِ گل اندم سی خواہش

جو کہہ نہیں سکتے ، وہ زباں پر نہیں لاتے
چپ چاپ کھلتے ہیں وہ دشنام سی خواہش

ہر موڑ نئی بات ، نئی رمز کھلی ہے
حرکت ہے یہی گردشِ ایام سی خواہش

ادراک میں رہتا ہے وہ برسات کا موسم
بارش ہے کسی موجب ء الہام سی خواہش

ہمدم یہ کہانی بھی مرے دل پہ لکھی ہے
ورنہ یہ محبت ہے کوئی عام سی خواہش

(ص)

دل کا ہر انداز نرالا ، دل کی ساری باتیں خاص
دل کے الھڑ کھیل نرالے، الٹی سیدھی گھاتیں خاص

ایک تھا راجا، ایک تھی رانی، پریم نگر میں رہتے تھے
آؤ بچو ! سنو کہانی ! سن لو ! باتیں واتیں خاص

دل کا موسم اچھا ہو تو سب کچھ اچھا لگتا ہے
دن چمکیلے، ٹھنڈی شامیں، لمبی لمبی راتیں خاص

من اور تو کا ایک ہی مطلب، میں بھی تو اور تو بھی میں
عشق مٹائے نسل ، قبیلہ ، کیسی کیسی ذاتیں خاص

مشکل وقت بھی آجاتا ہے، جینا ہم کو سکھا جاتا ہے
لہروں لہروں خاص تھپیڑے، قدموں قدموں لاتیں خاص

سب کچھ ہار گئے تھے لیکن عشق کا میلہ لوٹ لیا
جان کی بازی کھیل رہے تھے، دل سے کھائیں ماتیں خاص

فکر کی چاندی اجلی اجلی، عزم، جنوں فولاد نما
سونے سے بھی بڑھ کر ہوتی ہیں کردار کی دھاتیں خاص

چاند نے کرنیں پھیلائی ہیں، رات کی زلفیں سلجھائی ہیں
آؤ بڑھیا! چرخہ لاؤ! ہم بھی ریشم کاتیں خاص

اب تو خود سے ملنے کو بھی وقت نکالنا پڑتا ہے
بچپن میں کتنے اچھے تھے، عیدیں، عرس، براتیں خاص

کس کی آمد پر موسم نے خوشبو کو مہمیز کیا
پھولوں سے لبریز رکھی ہیں رنگ آمیز پراتیں خاص

فرصت کے دن اچھے تھے جب میز پہ رکھے رہتے تھے
چائے، بسکٹ، تختی، کاغذ، قلم، کتاب، دواتیں خاص

بن سوچے بھی دل پر ہمدم، حرف اترتے رہتے ہیں
چشمِ کرم سے مل جاتی ہیں بن مانگے خیراتیں خاص

(ص)

آئینہ ء خیال ہے ذوقِ جمالِ رقص
احساس کے بدن میں ہے کیسا خیالِ رقص

اے زندگی ! یہ کیسے ترنم کی لہر ہے
اک سر جوابِ رقص ہے، اک سر سوالِ رقص

میلے میں دل کی لے پہ تھرکنا کمال ہے
دھمال کی طلب ہو کہ شوقِ وصالِ رقص

کلیوں کے انگ انگ میں تتلی کا رنگ ہے
خوشبو نے بھر دیا ہے گلوں میں کمالِ رقص

اندر سے پھوٹتا ہے یہ دریا جنون کا
بے خود کیے ہوئے ہے مجھے بھی ابالِ رقص

پڑتے نہیں قدم بھی خوشی سے زمین پر
لپٹی ہوئی ہے مجھ سے محبت مثالِ رقص

مرتا ہے کون عشق میں اس آن بان سے؟
بسمل کے خون میں ہے یہی اندمالِ رقص

رقاصہء خیال کی آنکھوں میں کون ہے؟
کیسے بیاں کروں گا میں لفظوں میں حالِ رقص

سرکش ہوا کے ساتھ خوشی کی ترنگ ہے
کب سے رکھا ہوا ہے کسی نے نہالِ رقص

موجِ غزل عیاں ہے مرے شعر شعر سے
ہمدم سخن کے دشت میں دیکھا غزالِ رقص

(ض)

جو ہو رہا ہے، اچھا نہیں ہے، سو اعتراض
وہم و گماں کی حد پہ یقیں ہے، سو اعتراض

مجھ کو بھی اپنے ساتھ رکھا شکریہ مگر
دشمن کا بھی مقام یہیں ہے، سو اعتراض

ناں ! ناں ! کسی بھی طور تکبر نہیں قبول
شیطان کا مرید لعیں ہے، سو اعتراض

یہ تو مری زمین کی منزل نہیں حضور!
خواہش کا آسماں تو کہیں ہے، سو اعتراض

میرے مقابلے میں کوئی نر اتاریے!
خواجہ سرا سے جنگ نہیں ہے، سو اعتراض

تجھ سے کئی ہزار تماشا کیے ہوئے
ایسا نہیں کہ تو ہی حسیں ہے، سو اعتراض

یہ عشق وشق اہلِ طریقت کا روگ ہے
تجھ کو عزیز تر ترا دیں ہے ، سو اعتراض

کب سے میں کہہ رہا ہوں کہ جدت پزیر ہو
تو کن روایتوں کا امیں ہے؟ سو اعتراض

ایسا بھی کیا کہ آئے تو جائے نہ پھر کوئی
قبضہ کیے ہوئے یہ مکیں ہے ، سو اعتراض

بے دید ، بے لحاظ کو دل مانتا نہیں
یہ دل نہیں جناب ! مشیں ہے ، سو اعتراض

ایسا ہے کون جس پہ لگاؤں نگاہ و دل
بس ایک ہی حسین تریں ہے ، سو اعتراض

غیروں کی آنکھ بن کے ذرا خود پہ غور کر
ہمدم ! نئی غزل کی زمیں ہے ، سو اعتراض

(ض)

مسندِ قرطاس پر اہلِ قلم ! آداب عرض !
حرف کے ادراک سے پایا ہے نم، آداب عرض !

دھڑکنیں تجھ سے مخاطب ہو رہی ہیں دم بہ دم
سن ! مرے دل کی صدا، اے محترم ! آداب عرض !

سرزمینِ دل سے آگے کون سی دیوار ہے؟
عشق میں رکھوں کہاں؟ پہلا قدم، آداب عرض !

اے چراغِ آخرِ شب طاق سے باہر نکل
خواب کی تعبیر تو ہے صبحِ دم، آداب عرض !

صرف تو ہی جانتا ہے میرا اندازِ بیاں
صاحبِ عزّ وشرف ! ذی محتشم ! آداب عرض !

دیکھنے والوں پہ چشمِ خاص کی پہلی نظر !
اہلِ دل ! اہل وفا ! اہلِ کرم ! آداب عرض !

تخلیہ ہے، حجلۂ جاں میں ذرا پہچانیے!
ہاں! وہی جانِ وفا! زیبِ حرم! آداب عرض!

دردِ دل سے آشنائی تو پرانی ہے حضور!
کیجیے مجھ کو عطا کچھ اور غم، آداب عرض!

ایک مدت سے ترے آبِ رسا سے دور ہوں
ساقیا! چشمِ کرم! بحرِ کرم! آداب عرض!

اب تو دردِ دل تری چارہ گری پر تھم گیا
اور کم، کچھ اور کم، کچھ اور کم! آداب عرض!

اک ذرا پلکیں اٹھا کر پیار سے دیکھیں جناب!
لو کیا ہم نے سرِ تسلیم خم، آداب عرض!

ہمدمِ شہرِ غزل یہ ہجر کی دیوار کیا؟
مل رہے ہیں آج تو ہم اور دم، آداب عرض!

(ض)

ایک مدت سے ہیں جو ہم ناراض
زندگی ہے قدم قدم ناراض

تم تو خوابوں سے لوٹ جاتے ہو
آنکھ ہوتی ہے صبحِ دم ناراض

ساری دنیا کو بدگماں رکھا
ایک تم ہی نہ تھے صنم ناراض

دل سے اب شاعری نہیں ہوتی
حرف روٹھے ، ہوا قلم ناراض

وقت ملتا تو غم غلط کرتے
خود سے رہتے برائے غم ناراض

اب تو صدیوں کے بعد ملنا ہے
آئنے سے نہیں ہیں کم ناراض

تو نے میری قسم اٹھائی ہے
اب نہیں ہوں تری قسم ! ناراض

آؤ ! ہمدم ، یہ مصلحت ہی سہی
تا کہ ہم سے رہے نہ دم ناراض

(ض)

چراغِ عشق پہ لازم ہے روشنی کا قرض
سو جان و دل سے اتاریں گے زندگی کا قرض

اسی لیے تو یہ سودا لٹانا پڑتا ہے
محبتوں کا خزانہ ہے ہر کسی کا قرض

سمجھ رہا ہوں جو کہتا ہے اتنا گہرا سکوت
خموشیوں نے اتارا ہے ان کہی کا قرض

یہی تو سچی کمائی ہے، دل کما کے چلو
خدا کو دینا پڑے گا یہ آدمی کا قرض

خراج دینا پڑے گا ہماری نسلوں کو
ہمارے نام پہ لکھا گیا کسی کا قرض

عجیب سرد مزاجی ہے میری بستی میں
مرے وجود کو ڈستا ہے بے حسی کا قرض

ہمیں بھی اپنے چمن کو سنوارنا ہو گا
صدائے موجہ ءگل ہے کلی کلی کا قرض

یہ بے حساب محبت مرا اثاثہ ہے
ادا کیا ہے ، اٹھایا ہے دوستی کا قرض

اتر رہا ہے جو کاغذ پہ روشنی بن کر
یہ میرا حرفِ تخیل ہے آگہی کا قرض

دل و نگاہ جھکا کر سکون ملتا ہے
اتارتا ہوں میں سجدے میں بندگی کا قرض

مرے عدو کو تو جرات نہ ہو سکی لیکن
ادا کیا مرے اپنوں نے دشمنی کا قرض

کہیں ملا تو کسی دن برابری ہو گی
بہت سنبھال کے رکھا ہے اجنبی کا قرض

ترے دیار سے نکلے تو در بدر ٹھہرے
سو بے گھری سے دیا ہے تری گلی کا قرض

لکیر کھینچ رہا ہوں دروں بروں ہمدم
سبیلِ حرف پہ رکھا ہے شاعری کا قرض

(ض)

بارش سے دھل گئی ہے جمی گرد الغرض
سر سبز ہو رہے ہیں کئی زرد الغرض

یخ بستگی کی لہر، چناروں پہ برف ہے
چاروں طرف چلی ہے ہوا سرد الغرض

جو کچھ کیا گیا ہے وہ تسلیم کب ہوا؟
کردہ معاملہ بھی ہے ناکرد الغرض

اے عشق ! تیرے ناز اٹھاتا ہی کون تھا؟
ہم نے لیا ہوا ہے یہ سر درد الغرض

آزاد زندگی کا مزہ لے رہے ہیں سب
زندہ کئی غلام ہیں بے درد الغرض

تالے لگا رہے ہیں جو عورت کے نام پر
مردوں کے درمیاں ہیں وہ نامرد الغرض

بے دم کوئی ہوا تو میں بجھنے سے رہ گیا
میرے چراغ پر ہے ہوا سرد الغرض

کب منفرد ہیں لوگ محبت کے باب میں
اک میں ہی رہ گیا ہوں یہاں فرد الغرض

سب کچھ دکھا رہا ہے زمانے کی آنکھ سے
آئنہ ء جہاں سے چھٹی گرد الغرض

مجھ کو سوائے اپنے دکھائی نہیں دیا
گردھند میں چھپی تھی مری گرد الغرض

مجھ کو اس انفراد نے تنہا ہی کر دیا
ہمدم نہیں رہا کوئی ہمدرد الغرض

(ط)

میں بھی کیا، جو تو کیا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط
بس ہو گیا یہ فیصلہ، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

ایسا نہ تھا، ویسا نہ تھا، یہ بھی نہ تھا، وہ بھی نہ تھا
جو کچھ کہا، جو کچھ سنا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

دھوکہ دیا تصویر نے ، بہکا دیا تعبیر نے
پایا ہے کیا؟ دیکھا تھا کیا؟ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

ٹوٹی ہوئی میری شعاع ، بگڑا ہوا محور ترا
یہ زاویہ، وہ دائرہ، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

تعمیر ہے، تخریب ہے، تجدید ہے، تجرید ہے
تاریخ کا ہے فلسفہ، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

انداز ہے آغاز کا ، انجام ہے ہر کام کا
یہ انتہا، وہ ابتدا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

یہ عشق ہے، اس عشق میں ہم لازم و ملزوم ہیں
تیرے سوا، میرے سوا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

انسان کو کردار میں، بس طاق ہونا چاہیے
کیا دوسرا؟ کیا تیسرا؟ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

نے آئنے سے آشنا ، نے آئنے سے ماورا
کیا دیکھنا؟ کیا جانچنا؟ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

کیسی خلش ؟ کیسی کسک ؟ کیا کشمکش ؟ لاحق رہی
اٹھتی رہی دل سے صدا ، یہ بھی غلط ، وہ بھی غلط

اقرار میں انکار تھا ، انکار میں اقرار تھا
کس طور سے بتلا دیا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

بس اپنی اپنی آگ تھی ؟ دونوں طرف جلتے رہے
کب میں جلا؟ کب تو جلا؟ یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

خاموش! تھوڑی دیر سن! اے دل! کسی کا تبصرہ
میں بھی برا، وہ بھی برا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

لیکن مرے ادراک نے مجھ سے کہا؛ سب ٹھیک ہے!
کہتے رہے کچھ ہم نوا! یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

یہ پیار تھا یا لاڈ کے اندر چھپا اظہار تھا
تو نے کہا، میں نے سنا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

مشکل پڑی تو عشق کو دھوکہ دیا اسباب نے
تیشہ ہو یا کچا گھڑا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

میں تھا کہ جس نے زندگی مثبت روش پر ڈال دی
سب نے کہا، میرے سوا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

کس کی طرف؟ کس آس پر؟ میں نے کیا آدھا سفر
ہر موڑ پر نکتہ اٹھا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

میں فطرتاً فنکار تھا، تخلیق پر نازاں رہا
نقاد نے بس یہ کہا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

کمزور ہے، پامال ہے، بے ربط ہے، بے وزن ہے
یارا! کوئی مصرع نیا! یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

کس کیمیا گر نے مجھے ہمدم سخن ور کر دیا
دیکھا، سنا، جانچا، کہا، یہ بھی غلط، وہ بھی غلط

(ط)

یہ عشق بھی ہے مسندِ منصور ، احتیاط!
جی کا زیاں ہے وقت کا دستور ، احتیاط!

ایسا نہ ہو کہ گاؤں میں واپس نہ آسکو
ہونے لگے ہو شہر میں مشہور ، احتیاط!

بہکے ہوئے قدم ہیں محبت کی راہ میں
یہ بے خودی ہے دخترِ انگور ، احتیاط!

اے صبح ! سرخ شام سے ایسے ملا نہ کر
بھر دے نہ تیری مانگ میں سیندور، احتیاط!

خوشبو اڑے تو لوٹ کے آتی نہیں کبھی
موجِ گلِ حیات ہے کافور ، احتیاط!

اے چارہ ساز ! مجھ پہ محبت کا ہاتھ رکھ
میں ہوں غمِ حیات سے رنجور ، احتیاط!

زخمِ جگر سے آبلہ پائی کے سوز تک
غم کینسر ہے ، جسم کا ناسور ، احتیاط!

بچے ، بزرگ ، عورتیں ، کچھ نوجوان ہیں
کرب و بلا میں پرسہ ء عاشور ، احتیاط!

پیشِ نظر ہیں اور بھی گلیاں جہان کی
دل ہے وفورِ شوق سے معمور ، احتیاط!

یادش بخیر! عہد نبھانے کا وقت ہے
مدِّ نظر حضور ! یہ منشور ! احتیاط!

ورنہ یہ اقتدار خسارے کی چیز ہے
عزت مآب ! لوگ ہیں مجبور، احتیاط!

خود پر کسی جنون کو طاری نہ کیجیے
کوئی نہ کر سکے کبھی مسحور ، احتیاط!

مے خانۂ حیات سے پینے کی رمز ہے
ساقی ترا وجود ہے مخمور ، احتیاط!

محوِ سفر ہے تو ابھی اپنے مدار میں
منزل کا راستہ ہے ابھی دور ، احتیاط!

تھوڑی سی کائنات کو مٹھی میں بند کر
تجھ پر ترا نصیب ہے مستور ، احتیاط!

ڈالا ہے دل پہ ہاتھ تو اب چھوڑنا نہیں
قسمت سے مل چکا تجھے زنبور ، احتیاط!

پیڑوں کے آس پاس بگولوں کا رقص ہے
موجِ ہوا کے ہاتھ لگا بور ، احتیاط!

اک تو کہ تجھ کو وصل میسر ہے رات دن
اک میں کہ ہجر سے ہوں بہت چور ، احتیاط!

نایاب روشنی ہے چراغوں میں بانٹ دے
ہمدم سخن کا رزق ہے یہ نور ، احتیاط!

(ط)

دیدہ و دل کو میسر ہے سرِ خواب نشاط
صبح آئنہ ہوا ہے کوئی خوش تاب نشاط

دل کو چھوتا ہے تو منظر ہی بدل جاتا ہے
ایک لمحہ نہیں رکتا ہے وہ سیماب نشاط

خوش خیالی میں گزرتا ہوں ترے شہر سے میں
مجھ کو رکنے نہیں دیتا مرا پایاب نشاط

کم نگاہی میں بھی کھلتا ہے گلابی چہرہ
چشمِ بینا سے چھلکتا ہے وہ شاداب نشاط

حلقۂ ذوق سلامت! مرے احباب کی خیر!
شکریہ! غمزۂ دل، عشق میں آداب! نشاط

نارسائی میں بھی دھڑکن میں اتر جاتا ہے
سرخ ہونٹوں پہ مچلتا ہوا بے تاب نشاط

سبز ہوتی ہوئی دھرتی پہ یہ لہریں بحریں
پانچ دریاؤں کا پانی ، مرا پنجاب نشاط

یہ اداسی بھی ترے دم سے نمو پاتی ہے
ہم سفر ہوتا چلا جاتا ہے نایاب نشاط

سرد جھونکے سے جلانے کو ہوا چلتی ہے
ہم چناروں سے لپٹتا ہے جو برفاب نشاط

کیا بتاؤں کہ اندھیرے میں اجالا کیا ہے؟
چاندنی رات کا چہرہ ہے وہ مہتاب نشاط

حرف یونہی تو سنہرے نہیں کرتے کاغذ
نقرئی رنگ میں اترا ہے وہ زریاب نشاط

ہم سفر! دل کی مسافت کا خلاصہ یہ ہے
سیر حاصل ہے محبت بھرا سیراب نشاط

سرخ ہوتے ہوئے چہرے پہ جو ٹھہرا، مہکا
اشکِ خنداں سے ملا گوہرِ نایاب نشاط

میری پرواز کا محور ہے محبت ہمدم
مجھ کو اونچا لیے اڑتا ہے وہ سرخاب نشاط

(ط)

سات رنگوں سے نہ کر یوں اختلاط
آئنے کے سامنے کچھ احتیاط!

ظلمتِ شب میں سحر کا نور ہے
اشکِ خنداں ہے چراغِ انبساط

دھڑکنوں سے گفتگو ہے خامشی
دو دلوں کے درمیاں ہے ارتباط

لذتِ غم کا نشہ ہی اور ہے
دردِ ہجراں ہے مجھے کارِ نشاط

اے خدا ! دانش وروں کی خیر ہو
پھر سے غالب ہو رہا ہے انحطاط

خوف کے سائے کبھی ڈھلتے نہیں
جبر کا موسم ہے رسمِ انضباط

عشق کا منہ زور دریا کب رکا؟
کوششیں کر بھی چکے اہلِ رباط

آج کل جینا بہت دشوار ہے
زندگی کی ہر گھڑی ہے پل صراط

حادثہ اک اور پھر ہونے کو ہے
پھر بچھائی جا چکی ہمدم بساط

(ظ)

مرے شعور کے پہلے مکاں خدا حافظ!
مری زمین، مرے آسماں خدا حافظ!

سلام تجھ پہ محبت ! سلامتی تجھ پر!
فقط خلوص! مری جانِ جاں! خدا حافظ!

جہاں کی خاک تھی ، اپنے مقام پر پہنچی
سفر تمام ہوا ، ہم رہاں ! خدا حافظ!

نجانے کون سا کردار ختم ہو مجھ پر
سمٹ رہی ہے مری داستاں، خدا حافظ!

لو آج ہی سے ہمارا تمہارا اپنا جہاں
لکیر کھنچنے لگی درمیاں ، خدا حافظ!

تجاوزات کا موسم تھا ختم ہو بھی چکا
اب آپ اپنی بڑھائیں دکاں، خدا حافظ!

سوال : کون پرندہ جہاں سے گزرے گا؟
جواب : کوئی نہیں ہے یہاں، خدا حافظ!

یزید : آپؑ کے دامن میں کیا ہے؟ کیا کریں گے؟
حسینؑ : دین پہ واریں گے جاں، خدا حافظ!

چھڑا کے ہاتھ چلا ہوں میں اپنے پیروں پر
قدم قدم پہ مرے پاسباں، خدا حافظ!

میں اپنے آپ کو سورج بنانے والا ہوں
فریبِ صبح میں سوئے جہاں، خدا حافظ!

تجھے خبر ہے کہ اپنا مرید ہوں میں بھی
پرائے شہر میں جائے اماں، خدا حافظ!

ہمارے بعد یہاں روز بارشیں ہوں گی
بجھے گی آگ، اٹھے گا دھواں، خدا حافظ!

میں رکھ چلا ہوں وفا کی نمود مٹی میں
بہار ہو کے رہے گی خزاں ، خدا حافظ!

فروغِ صبح سے پہلے ہی دھند چھٹنے لگی
یقین ہونے لگا ہے گماں ، خدا حافظ!

فضول وقت نہیں ہے کہ کوئی بات سنوں
سو میرے شہر کے شورِ سگاں ، خدا حافظ!

ترا مقام بھی اڑتی پتنگ جیسا ہے
ہوا کے دوش پہ ٹھہرے مکاں ، خدا حافظ!

اب اس کے بعد جدھر چاہیے ، ادھر چلیے!
سو لیجیے ! یہ رہا کارواں ، خدا حافظ!

شجر ملا کوئی اپنا تو گھر بناؤں گا
مرے نصیب! مرے آشیاں! خدا حافظ!

تجھے میں چھوڑ چلا ہوں حسین چہروں میں
مری غزل ! مری موجِ رواں ! خدا حافظ !

ہمیں تو چھوڑ کے جانا ہے ہر زمانے کو
وہ رفتگاں ہو کہ آئندگاں ، خدا حافظ !

نہ غم گسار نہ ہمدم ہے کوئی تم جیسا
سو ڈھونڈنا ہے کوئی مہرباں ، خدا حافظ !

اسی کے دم سے رہے گا مرا سخن ہمدم
چلا ہوں چھوڑ کے اردو زباں خدا حافظ !

(ظ)

یہ صبح دم ، سیاہ رات ، الامان ، الحفیظ
چراغ ہیں ہوا کے ہاتھ ، الامان ، الحفیظ

جو گفتنی رواج تھی وہ ان کہی میں ڈھل گئی
روایتی تکلفات ، الامان ، الحفیظ

دیارِ دل کی وحشتیں وبال جان ہو گئیں
عذاب ہے سرائے ذات، الامان، الحفیظ

جو ملگجی سی روشنی ہے تیرگی کے رنگ میں
ہے ظلمتوں کی واردات ، الامان ، الحفیظ

یہ برق زاد لوگ جو ہوا کے اسپ وار ہیں
انھیں پڑی ہیں مشکلات ، الامان ، الحفیظ

کسی کی کوئی سن نہیں رہا انا کے شہر میں
کوئی نہیں کسی کے ساتھ ، الامان ، الحفیظ

خبر نہیں کہاں لکھے ہوئے ہیں اتنے حادثے
عجیب ہیں یہ سانحات ، الامان ، الحفیظ

یہ عین شین قاف بھی ہے مسئلہ بنا ہوا
دلوں کے ہیں معاملات ، الامان ، الحفیظ

پھر اس کے بعد قوم پر سیاہ رات چھا گئی
یہ نومئی کے واقعات ؛ الامان ، الحفیظ

جوا لگا ہوا ہے اب ہماری آن بان پر
نصیب میں ہے شاہ مات، الامان، الحفیظ

ضمانتیں ملی ہوئی ہیں جھوٹ کے سفیر کو
قفس میں سچ کو ہے ثبات، الامان، الحفیظ

قلم کسی کباڑ کی دکان پر سجا ہوا
شکستہ ہو گئی دوات ، الامان ، الحفیظ

جنوں خرد میں ڈھل چکا ہے گمرہی کے خوف سے
قدم قدم ہے احتیاط ، الامان ، الحفیظ

میں ننگے پاؤں چل رہا ہوں کیسے خارزار پر
سرِ جہاں ہے پل صراط ، الامان ، الحفیظ

سفیرِ حرف ہمدمِ غزل سرا کی خیر ہو
سخن وری میں دل کی بات ، الامان ، الحفیظ

(ظ)

جہانِ سنگ میں رکھا ہے آئنہ محفوظ
مرے وجود کے اندر ہے کیا سے کیا محفوظ

میں کم رداس ہوں لیکن مرا مقام تو ہے
ترے محیط کے اندر ہے دائرہ محفوظ

میں راستے کی رفاقت بھلا نہیں سکتا
قدم قدم ہے محبت کا سلسلہ محفوظ

میں نقش کھینچنا چاہوں تو کھینچ سکتا ہوں
مری نگاہ میں دل کا ہے کیمرا محفوظ

کوئی کوئی ہے جو منزل مراد کرتا ہے
کسی کسی کے قدم سے ہے راستہ محفوظ

مرے یقین کی منزل کا سلسلہ یہ ہے
ہر ایک موڑ پہ رکھا ہے رابطہ محفوظ

یہ حکم روزِ قیامت سنایا جائے گا
رکھا ہے وقت کے قاضی نے فیصلہ محفوظ

چراغِ نورِ سحر کی نمود حیرت ہے
ہوا کے ہاتھ سے کیسے رہا دیا محفوظ

بھری ہوئی ہے محبت سے ڈائری دل کی
مری دراز میں ہے روزنامچہ محفوظ

کھلا نہیں ہے کوئی ماورائے عقل ابھی
قبائے عصر میں لپٹا ہے معجزہ محفوظ

وگرنہ کون کسی غم سے اشک بار ہوا
صدائے کرب و بلا سے ہے مرثیہ محفوظ

سفید داڑھیوں والے فقیر ملتے نئیں
نہ قمریوں کو اماں ہے نہ فاختہ محفوظ

گزر بھی جائے تو ہم داستان سنتے ہیں
نوائے وقت میں رہتا ہے واقعہ محفوظ

مجھے تراش کے انساں بنا دیا گیا ہے
نہ سابقہ مرا قائم نہ لاحقہ محفوظ

مرے خیال کو ملتا ہے شاعرانہ مزاج
مرے شعور میں رہتا ہے فلسفہ محفوظ

یہ ایسی کایا کلپ ہے جو ہو کے رہتی ہے
حرم سرا میں ہوا کس کا مرتبہ محفوظ

حصارِ حرف نے مصرعے کو باندھ رکھا ہے
اسی ردیف کے دم سے ہے قافیہ محفوظ

میں سرسری تو ترے شہر سے نہیں گزرا
مشاہدے کی نظر میں ہے تجربہ محفوظ

قطعہ

ہمیں ملی ہے یہ اردو زبان ورثے میں
سخن کے نام سے ہمدم ہے ریختہ محفوظ

(ع)

جاری ہے ابھی پہلا سفر حسبِ توقع
مل جائے گی منزل پہ سحر حسبِ توقع

تسکین تو دیتی ہے تری یاد مسلسل
تکلیف بھی ہوتی ہے مگر حسبِ توقع

یہ کیسی محبت ہے جو کھینچے ہے مجھے بھی
ہوتا ہے مرے دل پہ اثر حسبِ توقع

میں خون سے تعمیر کی لو کھینچ رہا ہوں
بن جائے گا ٹوٹا ہوا گھر حسبِ توقع

ہر شاخ کو پیوند لگایا نہیں جاتا
ہر پیڑ پہ آتا ہے ثمر حسبِ توقع

پھر چاند سے پوچھوں گا ترا عکس کہاں ہے؟
مل جائے جو وہ رشکِ قمر حسبِ توقع

ہر خواب مطابق مری آنکھیں نہیں لیکن
کھلتا ہے مری نیند کا در حسبِ توقع

خواہش کی خلش دیکھ! ادھر بھی ہے ادھر بھی
لاحق ہے ہمیں ایک سا ڈر حسبِ توقع

اک عمر مری ہجر کے بستر پہ کٹی تھی
تعبیر میں تھا خواب نگر حسبِ توقع

زیتون کی ٹہنی پہ بٹھایا تھا پرندہ
زندہ ہے مرا سبز شجر حسبِ توقع

صحرا کی طرف دل نے کبھی جست بھری تھی
پایا ہے وہیں کونج کا پر حسبِ توقع

اک پھول کی تعریف مری موجِ غزل ہے
ہمدم ہے یہی مصرعۂ تر حسبِ توقع

(ع)

ہوا کے نام آخری چراغ تھا ، سو الوداع!
اب اس کے بعد روشنی کا راستہ، سو الوداع!

میں آر پار دیکھ کر گزار لوں گا زندگی!
دل و نظر کو آئنہ بنا دیا ، سو الوداع!

دلوں کے بیچ داستاں ، کبھی کی ختم ہو چکی
محبتوں کا تذکرہ نہیں رہا ، سو الوداع!

ہمارے سامنے کوئی خیال ہے نہ خواب ہے
کیا تھا عہد جو کبھی ، نبھا دیا ، سو الوداع!

میں تیرے سنگ سنگ تھا، تو کیف تھا ، سرور تھا
رہا نہیں ہے زندگی میں وہ مزا ، سو الوداع!

تو اپنی راہ پر چلا ، میں اپنی راہ پر چلا
ترا مرا الگ ہوا ہے راستہ ، سو الوداع!

تجھے چراغ مل گیا، مجھے سراغ مل گیا
ہم اپنا اپنا پا چکے ہیں مدعا، سو الوداع!

مرے تمام نقش اور نگار کھو گئے کہیں
اب اور دیکھنا نہیں یہ آئنہ، سو الوداع!

میں دل کا حال کہہ چکا، فراق و ہجر سہہ چکا
محبتوں کا سلسلہ بڑھا دیا، سو الوداع!

تو اپنی آنکھ بند کر، حسین خواب سے گزر
مرے نصیب میں لکھا ہے رتجگا، سو الوداع!

ترے بغیر کس طرح گزار لوں میں زندگی؟
ہمارے بیچ ہجر کا ہے مسئلہ، سو الوداع!

مزید یہ کہ میں نہیں رہا ہوں داستان میں
سو کر رہا ہوں میں یہیں پہ خاتمہ، سو الوداع!

یہ دل لگی ، یہ بے خودی ، یہ شاعری ہے بندگی
ملا ہوا ہے زندگی کا قافیہ ، سو الوداع!

وہ رکھ رکھاؤ اب نہیں رہا ہمارے درمیاں
نہیں رہا ہے دل سے دل کا رابطہ ، سو الوداع!

ہم اپنی اپنی قوس اور زاویے میں رہ گئے
سمٹ رہا ہے زندگی کا دائرہ ، سو الوداع!

یہی نہیں کہ پھر کبھی ملیں گے ہم نہیں کہیں
ملائے گا ہمیں بھی کوئی معجزہ ، سو الوداع!

مشاہدے کے بعد ہم نے جو کیا ، سو کر لیا
یہیں پہ ختم ہو چکا ہے تجربہ ، سو الوداع!

تو اپنے کارواں کے انتظار میں کھڑا ہوا
مرے لیے رکا ہوا ہے قافلہ ، سو الوداع!

یہ وحشتوں کا شہر ہے نہ راس تجھ کو آئے گا
پکارنے لگی ہے مجھ کو فاختہ ، سو الوداع!

ملا تو پھر نئی کہانیاں سناؤں گا
سنا چکا میں زندگی کا واقعہ ، سو الوداع!

خیالِ ہمدمِ سخن رواں رہا ، غزل ہوئی
سخن تمام ہو چکا ، سو الوداع ! سو الوداع!

(ع)

لکھا ہے محبت سے ترے نام پہ مصرع
ہوتا ہے تری صبح ، تری شام پہ مصرع

غزلائی ہوئی آنکھ مجھے دیکھ رہی ہے
کیا مجھ کو ہے طرح کہ کہوں دام پہ مصرع

اب اور تمنا کے سہارے پہ جئیں گے
اے پہلی محبت! ترے انجام پہ مصرع

اک عمر گزاری ہے ریاضت کے سفر میں
رکھا ہے سخن گھر میں در و بام پہ مصرع

پینے کا سلیقہ جو ادھر تھا وہ ادھر تھا
ساقی کی نگاہوں میں پڑھا جام پہ مصرع

احساس کی کلیوں میں ابھی رنگ پڑا ہے
دو چار قدم اور ہے گل فام پہ مصرع

کافر ہے جو والیل کی قسمیں نہیں کھاتا
کہتے تھے سخن ور کبھی اس لام پہ مصرع

تنقید تری اور ہے تخلیق مری اور
گر تجھ کو میسر ہے تو کہہ کام پہ مصرع

یہ دردسرِ حرفِ بیاں کیوں نہیں ہوتا
خاموش ہے کیوں حسرتِ ناکام پہ مصرع

ترتیب، افاعیل، طرح دار کی صورت
اے ذوقِ نظر! پھر سے گل اندام پہ مصرع

مجھ کو بھی تمنا ہے ترے حسنِ سخن کی
ارشاد! کوئی شعر، مرے نام پہ مصرع

اک عشق مجھے خود سے نکلنے نہیں دیتا
کیسے ہو بھلا گردشِ ایام پہ مصرع

کس خام خیالی میں مرے یار پڑے ہیں
بنتا ہے کوئی میر کے الہام پہ مصرع

آواز پہ پہرہ ہے سو خاموش ہیں ہمدم
اٹھتا ہے مگر شہر کے ہنگام پہ مصرع

(ع)

آنکھوں میں سجی دیدہ ء بے دار کی شمع
جلتی ہے سرِ خواب ترے پیار کی شمع

جب تک نہیں جلتی مرے معیار کی شمع
جلتی ہے تو جلتی رہے دو چار کی شمع

پتھر ہے مرا جسم پگھلنے کا نہیں ہے
روشن ہے مری آنکھ میں کردار کی شمع

سورج کا بدن دھوپ لیے جھانک رہا تھا
رستے میں پڑی روزنِ دیوار کی شمع

اپنے تو جلے رزق کی خواہش میں کہیں اور
آنگن میں فروزاں رہی اغیار کی شمع

ہر ایک نظارے میں حقیقت کی جھلک تھی
خوش تاب رہی آئنہ بردار کی شمع

ظلمت کے مریدوں میں سحر بانٹ گئی ہے
ہم یوں ہی جلاتے رہے بے کار کی شمع

دیکھے نہ گئے مجھ سے بدلتے ہوئے منظر
گردش میں رہی بر سرِ پیکار کی شمع

شہکار بنانے میں جسے خون جلا ہے
تصویر دکھاتی ہے وہ فنکار کی شمع

یہ رِیت محبت کی سدا زندہ رہے گی
بجھنے نہیں دیتی ہے وفادار کی شمع

منزل کو ستاروں کا سفر دیکھ رہا ہوں
رہبر ہے مرے قافلہ سالار کی شمع

یہ رنگ جنوں خیز ریاضت کا سفر ہے
لہراتے ہوئے جلتی ہے سرشار کی شمع

آئنہ نمائی میں جسے دیکھ رہا ہوں
مٹی سے بنائی ہے وہ زنگار کی شمع

ہونٹوں پہ محبت کی لرزتی ہوئی لو ہے
انکار کی شمع ہے نہ اقرار کی شمع

احساس کے پردے میں کرن ٹانک رہی ہے
آئنہ ء جاں میں ہے ضیا بار کی شمع

وجدان مرا مطلع ء انوار سحر ہے
ادراک میں ہے کوچہ ء دلدار کی شمع

تہذیب کے بجھتے ہوئے شعلے سے جلی ہے
کہتے ہیں جسے حسن کے بازار کی شمع

منظر سے الگ دیکھنے والے کی نظر تھی
آنکھوں میں اترتی رہی نظّار شمع

یہ نام مٹانے سے مٹا ہے نہ مٹے گا
روشن ہے جہاں میں ابد آثار کی شمع

بے نور اندھیروں میں ریاضت ہے یہ ہمدم
سچ بول رہی ہے مرے اشعار کی شمع

(ع)

قدم قدم پہ خارا نگر نگر ضائع
ترے بغیر ہوا ہے مرا سفر ضائع

اسی لیے تو ستارے کشید کرتا ہوں
مرے چراغ سے ہوتی نہیں سحر ضائع

یہ راستہ کسی پائے رسا سے کھلتا ہے
جو کم رسا ہے وہ کر دے گا رہ گزر ضائع

لکیر کھینچنی پڑتی ہے دل کے کاغذ پر
کہ تا کسی بھی طرح ہو نہ حرف تر ضائع

ہمارے عہد کے صیاد کا وتیرہ ہے
تراشتے ہوئے کرتا ہے بال و پر ضائع

فصیلِ شہر بنائی تو در کھلے رکھے
ہوا کے ہاتھ سے ہوتے رہے ثمر ضائع

جو نم ادھر سے نکلتا ہے کم نہیں ہوتا
دعائے دل کا نہ ہو گا کبھی اثر ضائع

میں چاہتا ہوں مری خاک سرخ رو ٹھہرے
میں کیا کروں گا جہاں میں ہوا اگر ضائع

درِ کمال پہ خود پیش ہونا پڑتا ہے
کسی کے زیر سے ہوتا نہیں زبر ضائع

کھلا ہے راز تو سب کچھ دکھائی دیتا ہے
کسی کے سچ سے ہوئی ہے بری خبر ضائع

عجیب ہے کہ کوئی سامنے نہیں ٹھہرا
عدو کی تیغِ ستم سے ہوئی سپر ضائع

ملے جلے سے رویے نے ذائقہ بدلا
کسی نمک سے نہیں ہو سکی شکر ضائع

قریب تھے تو محبت میں وقت کٹتا تھا
جدا ہوئے ہیں تو گزرا پہر پہر ضائع

جہانِ عشق میں اپنی خبر نہیں ملتی
کدھر مراد کو پہنچے؟ ہوئے کدھر ضائع ؟

میں اپنا درد وصیت میں کس کے نام کروں؟
کسی کو لگ نہیں سکتا ، ہوا جگر ضائع

کبھی کبھی یہ روایت بھی کام آتی ہے
نئے مکان سے ہوتے نہیں کھنڈر ضائع

میں بار بار کنارے سے لوٹ آتا تھا
مرے جنوں سے ہوئے ہیں کئی بھنور ضائع

سرائے وقت کے ہر طاقچے میں رکھی ہے
کتابِ زیست بہ عنوانِ مختصر ''ضائع''

مری وفا کا تقاضا کہ احتیاط کروں
ترا علاج نہ ہو جائے چارہ گر! ضائع

یہ زندگی تو کڑا امتحان لیتی ہے
سو کامیاب ہیں کم کم ، ہیں بیشتر ضائع

سخن کروں نہ جو تیری حسین آنکھوں کو
مرے خیال کے موتی ، مرے گہر ضائع

جو تیری شان مطابق نہ ہو غزل ہمدم
مری تمام ریاضت ، مرا ہنر ضائع

(غ)

دل و نگاہ سے ملتا ہے زندگی کا سراغ
اسی ملاپ کے اندر ہے آگہی کا سراغ

یہ کون پھول مرے دل میں کھلتا جاتا ہے
صدائے سبز نگاہی ہے کس کلی کا سراغ

سوال : تجھ کو پتہ ہے محبتوں کا نشہ؟
جواب: میں ہوں، فقط میں ہوں، بےخودی کا سراغ

نظر سے رنگ نکل کر نظر پہ آٹھہرے
ملا ہے یوں بھی سرِ آئنہ کسی کا سراغ

میں بوند بوند محبت کشید کرتا ہوا
تو جام جام چھلکتا ہوا خوشی کا سراغ

میاں! خدا انہیں ملتا ہے سر جھکانے سے
بس ایک سجدہء دل میں ہے بندگی کا سراغ

یہ راز یوں نہیں کھلتا ہزار قصد کرو
ریاضتِ غم دوراں ہے ہر گھڑی کا سراغ

یہ بات گھر سے نکل کر بھی گھر تلک پہنچی
لگا رہا تھا میں اپنوں میں دشمنی کا سراغ

کسے مجال کہ تجھ سے نظر چرائے کبھی؟
تری نگاہ کے اندر ہے ساحری کا سراغ

ہمارے پیچ کھلا ہے نظر ملاتے ہوئے
یہ آئنے کا تعلق ہے ہم رہی کا سراغ

ہر ایک دل پہ مری شاعری نہیں کھلتی
کوئی کوئی ہے جو رکھتا ہے روشنی کا سراغ

یہ رنگ دور سے آتا دکھائی دے ہمدم
بتا رہا ہے یہ ڈمپل تری ہنسی کا سراغ

(غ)

موج ہوا کے ہاتھ لگا آخری چراغ
ہر موڑ پر جلے گا مرا آخری چراغ

روشن تھا گھر سے دور اداسی کے دشت میں
ڈھونڈا تو اپنے گھر نہ ملا آخری چراغ

آنکھوں کو اشک منور کیے ہوئے
خونِ جگر سے جلنے لگا آخری چراغ

آنکھوں کے آس پاس یہی روشنی تو ہے
اے دل کے چور! یوں نہ چرا آخری چراغ

جتنا مرا دماغ تھا ، وہ بھی نہیں رہا
اب تو ہی رہ گیا ہے دلا ! آخری چراغ

گر تو نہیں تھا اور مرے ساتھ کون تھا؟
اک میں تھا اور میرے سوا آخری چراغ

یہ راگ رنگ لائے گا احساس میں جنوں
دیپک سروں میں دے گا صدا آخری چراغ

زادِ سفر یہی ہے مجھے راہِ صبح میں
تیرہ شبی سے مجھ کو ملا آخری چراغ

تارے بھی ٹمٹماتے رہے ہیں طواف کو
جب تک مری زمیں پہ رہا آخری چراغ

ہر خواب کو سمیٹ کے رکھتا درونِ چشم
رکھتا ردائے شب کی ادا آخری چراغ

صدقے میں جان وار کے صبحِ وصال کر
بامِ شبِ فراق ! جلا آخری چراغ

کس تیرگی نے مجھ کو فلک سے گرا دیا
جب چھو چکا تھا پائے رسا آخری چراغ

درماندگی تھی اور کوئی پوچھتا نہ تھا
کیسے بتائیں ؟ کیسے بکا آخری چراغ

پھر یوں ہوا کہ دیدہ ء حیراں میں آ گیا
اک عمر طاقچے میں رہا آخری چراغ

معراج مل گئی تھی مجھے سجدہ گاہ میں
جب روشنی کے در پہ جھکا آخری چراغ

پھر دیکھ لوں کہ اس میں کوئی روشنی بھی ہے
لانا ! مجھے دکھانا ! ذرا آخری چراغ

مجھ سے تو روشنی کا پرانا حساب ہے
جلتا ہے یوں کسی کا بھلا ! آخری چراغ

کہتا ہے کون آنکھ نہیں جاگتی کوئی
ہمدم ہے طاق طاق مرا آخری چراغ

(غ)

غبارِ جاں میں بھی رکھا ہے آئنہ بے داغ
چراغِ دل سے چمکتا ہے راستہ بے داغ

وفا کے شہر سے گزریں گے احتیاط کے ساتھ
گزر ہی جائے گا آخر یہ مرحلہ بے داغ

ہمارے ہاتھ میں پرکار ہے محبت کی
ہمارے ہاتھ سے کھنچتا ہے دائرہ بے داغ

دلوں پہ صرف محبت کا نقش چھوڑا ہے
کریں گے لوگ ہمارا بھی تذکرہ بے داغ

خدا کرے ترے رستے میں روشنی اترے
خدا کرے تری منزل رہے سدا بے داغ

گماں تک بھی نہ ہو گا کہ بے وفا ہیں ہم
ہمارے بیچ رہے گا یہ فاصلہ بے داغ

کوئی گلہ نہ شکایت نہ درد یاد رہا
دیار ہجر میں رہتا ہے حافظہ بے داغ

محبتوں کے فسانے میں کوئی جھوٹ نہیں
ہوا تمام کہانی کا خاتمہ بے داغ

کوئی بھی چھینٹ نہیں ہے ہمارے دامن پر
کیا ہے وقت سے ہم نے معاملہ بے داغ

حسین مطلعِ جاں ہے ترے تصور سے
ترے خیال سے رہتا ہے تخلیہ بے داغ

ہمارے خواب کا منظر دکھائی دیتا ہے
ہمارے پیشِ نظر ہے جو واقعہ بے داغ

جنونِ عشق زمانے میں رک نہیں سکتا
سفر کرے گا ہمیشہ یہ قافلہ بے داغ

سیاہ رنگ اجالا دکھائی دیتا ہے
ہوئی ہے کوئے ملامت میں فاحشہ بے داغ

کوئی کوئی ہے جو فکر و شعور رکھتا ہے
کسی کسی کو میسر ہے تبصرہ بے داغ

ہم اپنے آپ کو بس دیکھتے سنورتے ہیں
کیے ہوئے ہے ہمیں بھی یہ تزکیہ بے داغ

کوئی بھی شق کسی مجرم کے کام آ نہ سکے
ہمارے عہد میں کب ہو گا ضابطہ بے داغ

سخن کی شان اسی نے بڑھائی ہے ہمدم
غزل کے روپ میں اترا ہے ریختہ بے داغ

(غ)

جلتے ہیں دل کے داغ ، اے شہر بے چراغ
ہم ہیں ترے چراغ ، اے شہر بے چراغ

کھلتے نہیں ہیں پھول ، اگتے ہیں بس ببول
ظلمت کدہ ہے باغ ، اے شہر بے چراغ

کیا مر گئے ہیں لوگ ؟ سب کو لگا ہے روگ
ملتا نہیں سراغ ، اے شہر بے چراغ

کوئل نہ عندلیب ، گلشن ہوا عجیب
حاکم ہیں تیرے زاغ ، اے شہر بے چراغ

تو بے خبر ہے دیکھ ! ہم تشنگاں کے لیکھ
ہم سے نہ لے ایاغ ، اے شہر بے چراغ

شہر پناہ دور ! ٹوٹا بدن ہے چور
ہجرت کو دے فراغ ، اے شہر بے چراغ

سدھ بدھ نہ کوئی ہوش، کس کس کو دیں گے دوش
دل ہے نہ کچھ دماغ، اے شہر بے چراغ

جب تک رہا جنون ، جلتا رہا ہے خون
لائیں کہاں سے یاغ، اے شہر بے چراغ

رستے کے آس پاس، پھیلی ہوئی ہے گھاس
کتنا گھنا ہے راغ ؟ اے شہر بے چراغ

یخ بستگی کے بیچ ، کس آگہی کے بیچ ؟
روشن ہیں سرخ تاغ، اے شہر بے چراغ

صیاد کا ہے زور ، ہے پنچھیوں کا شور
سن لے کسی کی کاغ، اے شہر بے چراغ

ہمدم کے دل کی بات، سنتی نہیں ہے رات
ہوتا نہیں بلاغ ، اے شہر بے چراغ

(غ)

سبز نشیمن میں پلتے ہیں کالے کالے زاغ
کونپل کونپل نوچ رہے ہیں ہاتھوں پالے زاغ

سورج بھی تاریک رتوں میں لپٹا رہتا ہے
ظلمت کی تصویر بنے ہیں ، کون اجالے زاغ

پیلی دھوپ کی چادر اوڑھے ڈرتے سہمے پنکھ
کالی رت میں کالی کالی صورت والے زاغ

اس دھرتی کا رنگ نہیں ہے، ان کا روپ سروپ
کس نگری سے آن بسے ہیں ، دیس نکالے زاغ

سرسوں پھولے کھیت گنوائے خوشبو ، پتے ، پھول
ہم نے اپنا باغ لٹایا اور سنبھالے زاغ

جسم تو جسم ہیں روحوں سے بھی لپٹے ہیں آسیب
قریہ قریہ ہم نے پائے ، دیکھے بھالے زاغ

بھادوں کاٹ چکے ہیں، واپس لوٹ کے جائیں گے
اسوج کے دس دن کاٹیں گے ہجرت والے زاغ

آزادی کی خاک میں ہم نے خون رچایا تھا
کس مٹی میں گوندھے ہم نے؟ کیسے ڈھالے زاغ

بے سر ہیں بس اپنی لے میں گاتے رہتے ہیں
کب سنتے ہیں؟ زخمی زخمی دل کے نالے زاغ

چڑیا، طوطا، مینا تو ہیں پنجرے میں پابند
ہم نے بس آزاد رکھے ہیں چند نرالے زاغ

کھیت کنارے ایک بجوکا رکھنا پڑتا ہے
فصل پنپنے دیتے کب ہیں؟ ظالم! سالے! زاغ

سچے سر کی تان لگی تو کانپ اٹھے بے تال
کوئل کی آواز نے ہمدم مار ہی ڈالے زاغ

(غ)

کیسے کروں میں کوچہء ادراک سے دریغ
کرنا پڑے گا پھر مجھے افلاک سے دریغ

خوابوں کی پوٹلی میں ترا نام تک نہیں
اے اشک! میرے دیدہء نمناک سے دریغ

بندِ قبا تو شوق سے دیکھیں گے سب مگر
کرتے رہیں گے دامنِ صد چاک سے دریغ

ہیرے کی آرزو ہے تو کوئلے کی کان میں
ظلمت سے احتیاط! سیاہ خاک سے دریغ

آنکھوں میں پڑ گئے تو نکالے نہ جائیں گے
اے جھومتی ہوا! خس و خاشاک سے دریغ

یہ جینز، شرٹ اور ٹراؤزر تو ٹھیک ہیں
لیکن پرائے جسم کی پوشاک سے دریغ

الجھے ہوئے امور سنبھالے نہ جائیں گے
گنجل رموزِ وقت کے پیچاک سے دریغ

ایسا نہ ہو کہ لمس کی حدت سے جل اٹھے
حالات کی رگوں میں دبی راکھ سے دریغ

غیرت کا مسئلہ ہو تو گیدڑ بھی شیر ہے
دشمن کے اپنے گھر میں بنی ساکھ سے دریغ

بیٹھے ہوئے ہیں لوگ محبت کی تاک میں
ہر دم شکار گاہ میں فتراک سے دریغ

لہجے میں زندگی سے محبت ملا کے رکھ
نفرت کے ہر جہانِ الم ناک سے دریغ

یہ وائرل سماج کا دورِ جدید ہے
ہے فیک سے گریز نہ ٹک ٹاک سے دریغ

کم تر سماعتوں میں سمایا نہ جائے گا
ہمدم غزل میں مصرعۂ بے باک سے دریغ

(ف)

عکس میرا ہو گیا ہے آئنہ میرے خلاف
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا میرے خلاف

کھل رہا ہے آگہی کا سلسلہ میرے خلاف
زاویہ در زاویہ ہے دائرہ میرے خلاف

تیرگی میں کیا جلا! پہلا دیا میرے لیے
چل پڑی چاروں طرف اندھی ہوا میرے خلاف

ایک مدت سے کسی کو آنکھ بھر دیکھا نہیں
عشق کے قانون! کوئی ضابطہ میرے خلاف

دھند میں لپٹی ہوئی منزل نظر سے دور تھی
گرد ہوتا جا رہا تھا راستہ میرے خلاف

گو اکیلا ہوں مگر صاحب! مجھے لشکر سمجھ!
ہو رہا ہے دشمنوں میں رابطہ میرے خلاف

جنگ ہے میری مسلسل بر سرِ پیکار ہوں
حوصلہ دینا مجھے میرے خدا! میرے خلاف

پڑھنے والوں نے مرے کردار کی تردید کی
چھپ گیا اخبار میں جب واقعہ میرے خلاف

کھلتے کھلتے راز میرا ہر کسی پر کھل گیا
کیا خبر تھی ہو گا میرا تجربہ میرے خلاف

میں نے اپنی ہر گواہی مدعی کے نام کی
اپنے ہاتھوں ہو گیا ہے فیصلہ میرے خلاف

میں نے اپنی ذات کی جانب رکھا اگلا قدم
چل پڑا میری طرف جب قافلہ میرے خلاف

شہر میں رہتے ہوئے بھی جنگلی ماحول تھا
اٹھ رہا تھا میرے اندر مسئلہ میرے خلاف

میں نے کب چاہا تجھے، دنیا تری تکریم کی
کیوں تجھے منٹو نے لکھا؟ لونڈیا میرے خلاف

سات عشروں سے پرائی وحشتوں کی زد میں ہوں
احتجاجاً مر نہ جائے فاختہ میرے خلاف

ذات میری کب کھلی؟ نقاد کے میزان پر
لکھ رہا ہے کون تازہ حاشیہ میرے خلاف

اختلافِ آگہی نے در بدر رکھا مجھے
ہر گلی میرے مخالف، ہر جگہ میرے خلاف

لاکھ سمجھاؤں مگر میری ذرا سنتا نہیں
دل کو لاحق ہے کوئی تو عارضہ میرے خلاف

ایک تیری ذات پر تعمیر ہے میرا جہاں
تو نہ ہو جانا کبھی او ہمدما! میرے خلاف

(ف)

پیشِ نظر ہے خواب کا امکان صاف صاف
تعبیر سے کھلے گا یہ وجدان صاف صاف

تیرے سوا کسی سے محبت نہیں مجھے
دل سے کیا ہوا ہے یہ پیمان صاف صاف

پردہ اٹھا رہا ہوں محبت کے نام سے
آنکھیں پسند کرتی ہیں رومان صاف صاف

لوگوں نے جب سنا کہ وہ آئے گا شہر میں
رکھنے لگے دکان پہ سامان صاف صاف

گندم کی بالیوں میں محبت کی فصل ہے
سجتا ہے کس کے رنگ سے کھلیان صاف صاف

خوابوں میں گم ہوئے نہ خیالوں میں خرچ ہم
اے زندگی! دیا ہے یہ تاوان صاف صاف

میں جی رہا ہوں تیری توجہ سے آج کل
رکھا ہوا ہے تو نے مرا دھیان صاف صاف

سننے، سمجھنے، دیکھنے، چھونے کے شوق میں
تجھ سے ملا رہا ہوں دل و جان صاف صاف

میں نے تو ایک پھول سجانا تھا میز پر
پھولوں سے بھر گیا مرا دالان صاف صاف

میں اپنی روشنی میں پرکھتا ہوں وقت کو
کرتا ہے فیصلہ مرا ایمان صاف صاف

یوسفؑ بھی ہو تو عشق سے بچنا محال ہے
لگتا ہے شہرِ مصر میں بہتان صاف صاف

ہجرت گزیدگی ہے کہ زردی ہے ہجر کی
چہرے سے دکھ رہا ہے جو یرقان صاف صاف

جو کچھ غزل کے رنگ میں کہنا تھا، کہہ دیا
اشعار کہہ گئے مرے ارمان صاف صاف

ہمدم یہ زندگی تو محبت کا نام ہے
دل پر لکھا ہوا ہے یہ عنوان صاف صاف

(ف)

آئینۂ جہان ہے، قرآن صاف صاف
کتنی حقیقتوں کی ہے پہچان صاف صاف

تہذیب کا سفید لبادہ کدھر گیا ؟
ڈھونڈے سے مل رہے نہیں انسان صاف صاف

تازہ ہوا بھی قصرِ اسیری نہ چھو سکے
جاری ہوا محل سے یہ فرمان صاف صاف

اس کو کسی فقیر کے حجرے میں ڈال دو
دریوزہ گر ہوا ہے یہ سلطان صاف صاف

یہ انقلابِ دل مری میراث تو نہیں
سب کے لیے کھلا ہے یہ میدان صاف صاف

کہتے ہیں لوگ شاعری لفظوں کا کھیل ہے
شستہ زباں ہو بندشِ اوزان صاف صاف

یہ لوگ آئنے میں کبھی جھانکتے نہیں
ہوتے ہیں آب و تاب پہ قربان صاف صاف

اہلِ ہوس کے در پہ مسلسل کھڑا ہوا
گمراہ سب کو کرتا ہے شیطان صاف صاف

میں نے درِ عروج پہ جانا نہیں ابھی
کیوں کھینچنے لگی ہے یہ ڈھلوان صاف صاف

کیا کچھ بدل گیا ہے زمانے کے ہاتھ سے
خالص پٹھان ہیں نہ ہی اعوان صاف صاف

کیسے کہوں کہ یہ مری بستی کے لوگ ہیں
لگتے ہیں رکھ رکھاؤ سے انجان صاف صاف

اپنی زمین میں ہے محبت بھری غزل
ہمدم رکھا ہوا ہے یہ دیوان صاف صاف

(ف)

جاناتھا میں نے واہ سے لاہور کی طرف
رستہ بدل گیا ہے کسی اور کی طرف

منظر تمام بھاگتے پیچھے دکھائی دیں
یادوں کی ریل کار ہے کس دور کی طرف

ملنے میں اتنی دیر کا کوئی فائدہ نہیں
آؤ ! ملیں ، چلیں ابھی فی الفور کی طرف

یہ مسئلہ ہے دل کا اسے دل سے دیکھیے
لے جایئے دماغ کو پھر غور کی طرف

موجِ ہوا سے ہم کو دبایا نہ جا سکا
ہم بھی چراغ لے کے چلے جور کی طرف

جو کھل چکی زباں وہ سنبھالی نہ جائے گی
لایا ہے کون ؟ قوم کو اس طور کی طرف

گھر سے نکل پڑے ہیں سو منزل خدا کے ہاتھ
ہجرت کا یہ سفر ہے کسی ثور کی طرف

ہمدم اسے بھی ڈھال پہ لینا پڑا مجھے
پھینکا گیا جو تیر کسی اور کی طرف

(ف)

ظالم کے ہم نوا ہیں نہ کم زور کی طرف
ہم لوگ بھاگتے ہیں کس آخور کی طرف

کٹتی ہوئی پتنگ سنبھالی نہ جائے گی
اندھی ہوا چلی ہے مری ڈور کی طرف

یہ کیا کہ باز پرس فقط مدعی سے ہے
پولیس جا رہی ہی نہیں چور کی طرف

ہنگام اٹھ رہا ہے محبت کے شہر میں
اک بھیڑ چل رہی ہے کہیں شور کی طرف

سب لوگ دھوپ سینک رہے ہیں خوشی خوشی
اٹھتی نہیں ہے آنکھ درِ خور کی طرف

تہذیب کھو گئی کہیں احساس مر گیا
جنگل کا مسئلہ ہی نہیں مور کی طرف

لگتا ہے انقلاب کی بنیاد پڑ گئی
ہمدم صدائے شہر ہے منہ زور کی طرف

(ف)

احساس کے دروں ہے مسلسل صدائے حرف
رکھا ہوا ہے دل نے مجھے آشنائے حرف

حسنِ خیال و خواب کا محور ہے شاعری
مطلع برائے حرف نہ مقطع برائے حرف

دیوار پر پڑی ، تری تصویر ہو گئی
جلتے ہوئے چراغ سے نکلی ضیائے حرف

مصرع برائے مصرع کسی کام کا نہیں
کہنا پڑے گا اور بھی کچھ ماورائے حرف

ملتے ہیں اس میں چند عناصر خیال کے
بنتی ہے دل کے خون سے پھر کیمیائے حرف

اردو زباں پہ کتنے زمانے گزر گئے
خسرو سے آج تک ہے وہی ارتقائے حرف

ردِّ عمل کے طور پہ سچ بولتا ہوں میں
لہجے میں گونجتی ہے خدائی نوائے حرف

دل سے یقین ہے کہ مری شاعری ہے تو
لپٹی ہے دھڑکنوں سے تری ہر ادائے حرف

علمِ بیان ہو کہ محبت کی بات ہو
اہلِ زباں کا حسن رہی ہے قبائے حرف

کھلتی ہوئی کلی ہے سخن در سخن حسیں
مہکی غزل غزل ہے کوئی اپسرائے حرف

تیرا ہی ذکرِ خیر کیے جا رہا تھا دل
لب پر مچل رہا تھا شعور دعائے حرف

کتنے چراغ جلتے ہوئے دیکھتا ہوں میں
دل کی زمین پر ہیں فروزاں اگائے حرف

تہذیب کے چراغ وہیں جگمگائیں گے
آباد ہم کریں گے جہاں بھی سرائے حرف

اب کاسہ ءِ سخن میں محبت کے پھول ہیں
ہمدم درِ وفا سے ملی ہے گدائے حرف

(ق)

کب مانتا ہے ہجر کی دیوار، میرا عشق
اس پار میرا عشق ہے، اس پار میرا عشق

یہ زندگی ہے ، زندگی آزار تو نہیں
لاحق رہے گا تجھ کو لگاتار میرا عشق

یہ سبزگی زمین پہ سجدے کی دھول ہے
ہوتا ہے زار زار نمو دار میرا عشق

جو بھی مزاجِ یار میں آئے قبول ہے
قربان میری جان پہ سو بار میرا عشق

رکھ ! اک طرف تمام رسوم و قیود کو
دل سے قبول ! اے مرے دلدار! میرا عشق

کھلتے ہیں پھول ہجر میں تازہ وصال کے
موسم کوئی بھی ہو ، ہے ثمر بار میرا عشق

زندہ ہوں اور عشق میں جینا کمال ہے
کہتا ہے کون؟ ہے مرا آزار میرا عشق

بے کار خواہشوں کی ضرورت نہیں مجھے
کافی ہے بس مجھے مرے غم خوار! میرا عشق

پہلا سبق پڑھا تھا، یہی آخری بھی ہے
بس! پیار میرا عشق ہے، بس! پیار میرا عشق

میں بھی اسی کے بیچ کسی دائرے میں ہوں
ہے عین شین قاف کی پرکار میرا عشق

یہ کون سا مقام عقیدت میں آ گیا
تیرا بھی اب نہیں ہے طلب گار میرا عشق

ہمدم نظامِ جبر سے ہارا نہیں ہوں میں
تیشہ اٹھا چلا ہے، سو ہر بار میرا عشق

(ق)

نورِ سحر سے ہو گا نمو دار میرا عشق
کر دے گا زندگی کو ضیا بار میرا عشق

کیا کم شعور ذہن کی وسعت میں آ سکے
ایسا گرا پڑا نہیں سرکار ! میرا عشق

نا ممکنات میں کوئی کارِ عجیب ہے
کچھ اور ہی کرے ہے ستم گار میرا عشق

سب کچھ دکھا گیا مجھے غنیٔ حجاب میں
آئنہ ء جمال سے پیکار میرا عشق

ممکن نہیں کہ تو مجھے مرنے کو چھوڑ دے
لے آئے گا تجھے بھی سرِ دار میرا عشق

یونہی نہیں چلا میں کنارے کو چھوڑ کر
موجِ رواں کے بیچ ہے پتوار میرا عشق

فانی ہے، اس جہان میں کچھ بھی نہیں رہا
لے دے کے رہ گیا ہے مرے یار! میرا عشق

عجز و نیازِ دل ہے یہی بارگاہ میں
پہچانیے جناب! یہ سرکار! میرا عشق

میری نوائے شوق بہت عام ہو گئی
لکھتا ہے شہر شہر کا اخبار میرا عشق

سب کٹ مریں گے میری محبت کے نام پر
باقی رہے گا ایک عزا دار میرا عشق

صدق خلیلؑ ہوں، کبھی صبر حسینؓ ہوں
تو آزما چکا ہے کئی بار میرا عشق

ہمدم غزل سرا ہوں محبت کے رنگ میں
زیبِ سخن ہوا ہے جو شہکار میرا عشق

(ق)

کھل رہا ہے آئنہ در آئنہ پہلا ورق
زندگی کے نام ہے احساس کا پہلا ورق

کس طرح لکھا گیا ہے حاشیہ در حاشیہ
سینہ ء ادراک سے ہے ماورا پہلا ورق

تو کتابِ زندگی کا آخری عنوان ہے
کر دیا منسوب تجھ سے پیار کا پہلا ورق

میں الف کے نور سے پڑھتا گیا، بڑھتا گیا
کھلتے کھلتے ایک دن مجھ پر کھلا پہلا ورق

شاعری کے باب کا آغاز تیرا نام تھا
میرے دل کی دھڑکنوں نے جب لکھا پہلا ورق

جز ترے سب کا فسانہ کھل گیا قرطاس پر
زندگی کی ڈائری میں رہ گیا پہلا ورق

حرف روشن تھے چراغوں کی طرح کس طاق میں
دیکھتے ہی تھم گئی (موجِ ہوا) پہلا ورق

پیش خیمہ ہے کسی خوشبو بھرے ماحول کا
کس ہوا کے دوش پر اڑنے لگا پہلا ورق

ہو نہ ہو خوابِ شکستہ کا فسانہ ہے یہی
ٹوٹ کر بکھرا ہوا ، اڑتا ہوا ، پہلا ورق

داستانِ موجہء گل پیش رس میں آ گئی
حرف پھولوں میں ڈھلے، ایسا سجا پہلا ورق

تو بتا ، تیرے سوا عنوان کیا ہو زندگی؟
رہ گیا ہے شاعری کا مسئلہ پہلا ورق

زینہ ء افلاک پر پہلے پڑاؤ کی طرح
ہے نصابِ آگہی کا راستہ پہلا ورق

قطعہ

کن سے پھر لکھا گیا سارا نظام کائنات
مسندِ تخلیق پر ہے مصطفٰے ﷺ پہلا ورق

سطرِ خوش آواز نے ہمدم تجھے مصرع کیا
جب بھی تیرے نام سے دل نے پڑھا پہلا ورق

(ق)

کچے گھر میں تھے روشنی کے طاق
اب کہاں ہیں وہ زندگی کے طاق

روشنی چھن رہی ہے آنکھوں سے
دل کے اندر ہیں آگہی کے طاق

اک غزل میں کٹی شبِ یلدا
کتنے روشن تھے شاعری کے طاق

روشنی بام پر اترتی ہے
یوں ہی کھلتے ہیں کب کسی کے طاق

آنکھوں آنکھوں میں بات ہوتی ہے
ہم زباں ہیں وہ خامشی کے طاق

میں نے سورج سے دوستی کی ہے
مجھ سے روشن ہیں ہر کسی کے طاق

مجھ پہ کھلتا ہے گنبد بے در
کھولتا ہوں جو بندگی کے طاق

کس نے موجِ ہوا کو مہکایا
کس نے کھولے کلی کلی کے طاق

تازہ تازہ ہوا بھی ملتی رہے
میں بناتا ہوں دوستی کے طاق

مدتوں سے صدا نہیں کوئی
رستہ تکتے ہیں اس گلی کے طاق

ان کواڑوں کو جانتا ہوں میں
آشنا ہیں سو اجنبی کے طاق

بے ہنر لوگ بھی بناتے تھے
کچی مٹی سے پختگی کے طاق

کتنا سنسان ہے پرانا گھر
کتنے ویراں ہیں بے کسی کے طاق

اب کوئی جھانکتا نہیں دل میں
بند رہتے ہیں بے حسی کے طاق

ہم چراغِ سحر ہوئے ہمدم
خواب آور ہیں بے خودی کے طاق

(ق)

دم دم صدائے ہو ، دم دم صدائے حق
دل کی زبان ہے ، پیہم صدائے حق

الفت ادھر بھی ہے، چاہت ادھر بھی ہے
یوں دھڑکنوں میں ہے ، باہم صدائے حق

جو ساز پر پڑی ، وہ چوٹ ہے کھری
لے، تال ، راگ ، سُر ، سرگم صدائے حق

یہ نغمگی حسیں پھولوں کا گیت ہے
پتھر دلوں میں ہے ، کم کم صدائے حق

ابرِ کرم یہی ، بحرِ کرم یہی
بارش کا رنگ ہے، چھم چھم صدائے حق

یہ انقلاب تو جینے کا نام ہے
دل سے اٹھایئے ! بے غم صدائے حق

یہ قمریوں کی ہو ، یہ کوئلوں کی کو
موسم سحر کا ہے موسم صدائے حق

تاریخ سرخ رو یوں ہی نہیں ہوئی
لکھتا ہے خون کا ریشم صدائے حق

ہر لا علاج کو حکمِ دوائے دل
ہر زخم کے لیے ، مرہم صدائے حق

یہ بے خودی تو ہے ، یہ خامشی نہیں
ہے وجد و کیف کا عالم صدائے حق

ہے بودگی یہی ، ہے سبزگی یہی
ہے زندگی کا نم ، پرنم صدائے حق

لہرا رہا ہے جو دھرتی کے بام پر
کرتا ہے سر بلند ، پرچم صدائے حق

جو دل کی بات ہے ، آنکھوں کی بات ہے
موجِ غزل میں ہے، ہمدم صدائے حق

(ک)

زندگی کا سفر خواب سے خواب تک
میرے شام و سحر خواب سے خواب تک

دل پہ دستک ہوئے کتنی مدت ہوئی
کھل گئے کتنے در خواب سے خواب تک

اپنے ہونے نہ ہونے کی حیرت میں گم
میں ادھر تو ادھر خواب سے خواب تک

یاد ہے نیند کی کوئی گولی نہیں
اس دوا کا اثر خواب سے خواب تک

میری نظّارگی کا الگ ہے جہاں
تو ہے رشکِ قمر خواب سے خواب تک

کیا بتاؤں؟ مجھے کیا سے کیا مل گیا
میرے لعل و گہر! خواب سے خواب تک

میں یہاں کھو گیا ، تو وہاں کھو گیا
کس کو اپنی خبر خواب سے خواب تک

شاخِ امید پر پھول کھلتے رہیں
سبز ہے اک شجر خواب سے خواب تک

تیری آنکھوں میں تعبیر کا دائرہ
میرا نقشِ ہنر خواب سے خواب تک

روشنی کھو گئی تھی ہماری کہاں؟
ہم رہے در بدر خواب سے خواب تک

کچھ پرندے اڑے اور امر ہو گئے
کچھ تھے بے بال و پر خواب سے خواب تک

درمیاں کوئی سایہ بھی ٹھہرا نہیں
محو تھی چشمِ تر خواب سے خواب تک

تیری دنیا فریبِ تماشا میں ہے
آئنے ! تو کدھر؟ خواب سے خواب تک

قافلہ ہجرتِ شب سے نکلا نہیں
کس بلا کا ہے ڈر خواب سے خواب تک

آرزو کا جہاں تھا میسر ہمیں
ہم چلے آنکھ بھر خواب سے خواب تک

آنکھوں آنکھوں میں دل کا فسانہ کھلا
مل گئی ہے نظر خواب سے خواب تک

کوئی پیکر تراشا ہوا تو دکھا
اے مرے کوزہ گر! خواب سے خواب تک

یہ حقیقت کی دنیا ہماری نہیں
چل رہیں ہم سفر خواب سے خواب تک

ہو گیا ہوں میسر تجھے زندگی!
جو بھی کرنا ہے کر خواب سے خواب تک

راستے میں کئی موڑ آئے ، گئے
طے کیا ہے سفر خواب سے خواب تک

شاعری کا خلاصہ ہے ہمدم یہی
حرف ہے مختصر خواب سے خواب تک

(ک)

ترے سیاق، ترے متن اور سباق پہ خاک
اے کج کلاہ! ترے ایسے طمطراق پہ خاک

یہ روشنی کی سہولت تو تیرے گھر تک ہے
ترے چراغ پہ پانی! سو تیرے طاق پہ خاک

مری نمود کا سورج نکلنے والا ہے
وصالِ صبح پہ صدقے! شبِ فراق پہ خاک

تری زبان میں لکنت، تری حقیقت ہے
سخن فروش! ترے عاق باق شاق پہ خاک

یہ دشمنی کا تعلق بھی اب قبول نہیں
ترے وجود پہ بائن ہوئی طلاق پہ خاک

تری حدود فقط اس طعام گاہ تک ہیں
حریصِ وقت! ترے حلقہءطباق پہ خاک

کہاں کہاں سے ملائی ہیں جھوٹ کی کڑیاں
تری رسائی پہ لعنت ! اس انطباق پہ خاک

تمام عمر گزاری ہے کن لطیفوں میں
منافقت کے بشیرے! ترے مذاق پہ خاک

یہ طے ہوا ، تو کسی کا بھی ہو نہیں سکتا
ترے خمیر کے اندر چھپے نفاق پہ خاک

تو چاہتا ہے کہ سب تیرے ہی اسیر ہو جائیں
ترے مفاد کی ایسی ! ترے وفاق پہ خاک

اے سام راج ! یہ دہشت ترا وتیرہ ہے
کبھی عرب پہ قیامت ،کبھی عراق پہ خاک

یہ گنگ طرز زمانہ تجھے نہ بخشے گی
گلوں کو گھونٹنے والے ترے خناق پہ خاک

بخیل تر ہے جو خود پر بھی خرچ کرتا نہیں
بچا بچا کے جو رکھتا ہے اس کے باق پہ خاک

سفر یہی ہے کہ ہمدم ہنر جدید رہے
جو رزقِ حرف بڑھائے نہ اس افاق پہ خاک

(ک)

پیشِ منظر ہوئی سیاہ سڑک
دیکھتی رہ گئی نگاہ سڑک

پیش قدمی سکون دیتی ہے
ہے سفر کی پناہ گاہ سڑک

میری منزل مرا کنارا ہے
سامنے ہے جو بے پناہ سڑک

مجھ کو رستہ سجھائی دیتا ہے
دیکھتا ہوں میں گاہ گاہ سڑک

میں پہاڑی مزاج بندہ ہوں
مجھ کو کر دے نہ کج کلاہ سڑک

قافلہ سر اٹھا کے چلتا ہے
پیروی میں ہے سربراہ سڑک

یہ تو ہجرت کا استعارہ ہے
گاؤں سے شہر تک ہے راہ سڑک

اڑ رہا ہے غبار رستے میں
روند ڈالے نہ یہ سپاہ سڑک

دل کے صحرا میں آؤ ! ملتے ہیں
درمیاں ہے یہ خواہ مخواہ سڑک

ہجر کا راستہ ہے اور میں ہوں
ہم سفر ہے مری گواہ سڑک

روشنی پھر بھی دیکھ سکتا ہوں
دور تک ہے جو رو سیاہ سڑک

میں تو بس گمرہی کا مجرم ہوں
مار ڈالے نہ بے گناہ سڑک

موڑ ہیں تو کہیں نشیب و فراز
گاہے گاہے ہے انتباہ سڑک

لے چلی آرزو کے رستے پر
جستجو میں ہے اشتباہ سڑک

منزلوں کا سراغ ہے ہمدم
زندگی کی ہے درس گاہ سڑک

(ک)

کھلتا ہے مرے دل پہ وہ دروازہء ادراک
بڑھتا چلا جاتا ہوں میں افسانہء ادراک

پھولوں نے مری فکر کو خوش رنگ کیا ہے
خوشبو کے دریچے سے کھلا عرصہء ادراک

بڑھتا چلا جاتا ہوں میں خوابوں کے سفر پر
آئینہء جاں ہے کہ مرا رستہء ادراک

دھڑکن میں تری سانس کی خوش تاب مہک ہے
کھلتا ہے مرے دل میں کوئی غنچہء ادراک

تہذیب کی گاگر اسی جھرنے سے بھری ہے
پنگھٹ ہے مرے گاؤں کا وہ چشمہء ادراک

وہ شخص مرا حسنِ نظر ، ذوقِ نظر ہے
آنکھوں میں لیے پھرتا ہے جو سرمہء ادراک

یہ کام کوئی ہوش میں کر ہی نہیں سکتا
یہ سنگ ہٹائے گا مرا تیشہ ادراک

تاریخ کتابوں میں ہمیں یاد رکھے گی
ماتھے پہ سجاتے نہیں ہم تمغہ ادراک

صدیوں کی مسافت پہ پڑا ہے یہ ستارا
صحراؤں کی وسعت میں نہیں ذرہ ادراک

اک موج اچھلتی ہے مرے زمزمِ دل سے
دھڑکن پہ مچلتا ہے کوئی نغمہ ادراک

میں سر کو جھکاتا ہوں محبت کی اذاں پر
منبر سے سنا ہی نہیں یہ خطبہ ادراک

لے دے کے یہی رزقِ سخن ہاتھ لگا ہے
اک شعر ترے نام ہوا صدقہ ادراک

ہے کون یہاں واقفِ اسرارِ محبت
ملتا ہے کہاں سب کو مراقبہءادراک

کٹ جاتی ہے اک عمر محبت کے سفر میں
تھوڑا سا خرد، ٹھہریے! کچھ وقفہءادراک

دیوان ترے پیار میں ترتیب دیا ہے
لکھا ہے ترے نام سے ہر صفحہ ء ادراک

بے رنگ چراغوں کو جلانے کی لگن میں
آباد رکھا ہم نے یہاں کوچہ ء ادراک

سب دل کی کمائی ہے، اسے خرچ کریں گے
چلتا ہے محبت میں یہی سکہ ء ادراک

میں دل کے علاقے میں تجھے دیکھ رہا ہوں
رکھا ہے مرے سامنے اک نقشہءادراک

امکان کی سیڑھی تری دہلیز تلک ہے
چڑھتا چلا جاتا ہوں فقط زینہء ادراک

یہ سنگِ انا توڑ ہی ڈالے نہ مرا دل
نازک ہے بہت شہرِ گراں! شیشہء ادراک

تمثال جبیں شخص مجھے دیکھ سکے گا
ہر آنکھ پہ کھلتا ہے کہاں چہرہ ء ادراک

ورنہ یہ مرا دھوپ نگر ظلمتِ شب ہے
چلتا ہے مرے ساتھ کوئی سایہء ادراک

ہم دور، بہت دور، کنارے پہ ہیں لیکن
باہم کیے رکھتا ہے ہمیں رشتہ ء ادراک

کم ظرف کبھی چاک گریباں نہیں ہوتے
رکھتے نہیں دامن پہ کوئی پردہ ء ادراک

میں اپنی محبت کی زباں بول رہا ہوں
سب لوگ سمجھتے ہیں مجھے بندہ ءادراک

میں اپنی کہانی کا سفر لکھنے لگا ہوں
محفوظ کتابوں میں رکھا ورثہ ء ادراک

ہر لفظ دکھاتا ہے نیا رنگ سخن میں
ہوتا ہے توارد سے کہاں سرقہ ء ادراک

کاغذ پہ بکھیرے ہیں کئی رنگ غزل کے
مصرعے سے جھلکتا ہے عجب غمزہ ء ادراک

سنتا ہی نہیں تیرے سوا اور کسی کی
کیوں غیر مقلد ہے مرا فرقہ ء ادراک

اس گہرے سمندر کو سنبھالا نہیں جاتا
کوزے میں سمٹتا ہے کہاں قطرہ ءادراک

یہ حرفِ ہنر فصلِ بہاراں میں کھلے گا
ہے باغِ سخن میرے لیے ثمرہ ء ادراک

کس دور میں جینے کی سزا کاٹ رہا ہوں
تن من کو جلاتا ہے مرا شعلہ ء ادراک

بہتا ہے مرے خون میں دریائے محبت
جینے کا سہارا ہے یہی جرعہ ء ادراک

الجھی ہوئی سوچوں کو سنوارے گا بھلا کون ؟
ہوتا ہے رفو کیسے بھلا بخیہ ء ادراک

میں نیند کی آغوش میں بیدار رہا ہوں
رہتا ہے سرِ خواب مرا تکیہ ء ادراک

ہر چال قرینے سے چلائے نہیں بنتی
شطرنج میں ہوتا ہی نہیں خانہ ء ادراک

احساس میں اک لوحِ جبیں نقش ہوئی ہے
ہونٹوں پہ مچلتا ہے کوئی بوسہ ءِ ادراک

اک اور فسانہ مرے شعروں سے کھلا ہے
اک اور غزل ہونے لگی قصہ ءِ ادراک

دریا کو سمندر میں اترنے کی لگن ہے
ٹھہرا نہیں صحرا میں کبھی دجلہ ءِ ادراک

بس نام ترا میرے لیے نورِ سحر ہے
قائم ہے ترے دم سے یہ آئنہ ءِ ادراک

وہ زرد خزاں سے کبھی مرجھا نہیں سکتا
سرسبز ہوا جاتا ہے جو خوشہ ءِ ادراک

معراج مرے دل کو اسی طرح ملے گی
مسجد میں جھکاتا ہے مجھے سجدہ ءِ ادراک

میں کاسہء دل لے کے ترے در پہ کھڑا تھا
ملتا چلا جاتا تھا مجھے توشہ ء ادراک

یہ رمز بصیرت کی نگاہوں سے کھلے گی
آنکھوں سے ورا ہے مرا نظارہ ء ادراک

یہ دل کی طلب ہے کہ مری تشنہ لبی ہے
بھرتا ہی نہیں ہے مرا پیمانہ ء ادراک

یہ حرف کشائی ہے کہ دریوزہ گری ہے
بخشا ہے مجھے عشق نے گنجینہ ء ادراک

یہ بھیک نہیں حسن محبت کی جزا ہے
رکھا ہے ترے ہاتھ پہ نذرانہ ء ادراک

کس شمعِ فروزاں کی کشش کھینچ رہی ہے
اڑتا ہی چلا جاتا ہے پروانہ ء ادراک

قطعہ

خط لکھنے کی فرصت نہیں ملتی مجھے ہمدم
لکھنا ہے تہہ دل سے ابھی نامہ ءادراک

لکھتا چلا جاتا ہوں روانی سے میں ہمدم
قرطاس پہ رکتا ہی نہیں خامہ ءادراک

(ک)

زخم حیات پر ہے مری جان کا نمک
ناخن میں آ گیا ہے ترے دھیان کا نمک

احساس کی نمو ہے ، نمود خیال ہے
آنکھوں میں تیرتا ہے جو وجدان کا نمک

پیکر تراشنا ہے کسی بے مثال کا
رکھا ہے انگ انگ میں امکان کا نمک

یہ ذائقہ نہیں ہے ہمارے دیار کا
بہتا ہے تیرے خون میں کس کان کا نمک

تہذیب میں وفا کا وتیرہ ہی اور ہے
کافی نہیں ہے دل کو نمک دان کا نمک

ہیرے کی کان میں ہے نہ کوئلے کی کان میں
مٹی میں مل سکا نہیں انسان کا نمک

اسلوب ہے وفا کا زبان و بیان میں
لہجے سے جانتا ہوں میں پہچان کا نمک

چکھا ہے میں نے سچی محبت کا ذائقہ
شیریں بہت لگا ہے یہ عنوان کا نمک

بھیگے سے ملی ہے سہولت وصال کی
بارش سے گھل رہا ہے جو ارمان کا نمک

سرخی چھلک رہی ہے ترے خط و خال سے
چہرے پہ آ گیا ترے رومان کا نمک

پلکوں پہ رکھ لیا ہے مچلتی نگاہ نے
بوسے کی شکل میں ہے جو مسکان کا نمک

خوشبو کے رنگ عہدِ محبت کی بات کی
چھڑکا ہے پھول پھول یہ پیمان کا نمک

رشتہ ہے دل سے دل کا نبھانا ضرور ہے
یہ عشق تو ہوا ہے ترے مان کا نمک

گرد و غبار میں بھی نویدِ بہار ہے
زنجیر سے ملا ہے وہ زندان کا نمک

موجِ صبا کا نم ہے سرود و نمود میں
پھولوں کے رنگ میں ہے گلستان کا نمک

کتنی ہی مشکلیں ہوں کبھی کم نہیں ہوا
رہتا ہے کس یقین میں ایمان کا نمک

ممکن نہیں کہ سر کو اٹھا کر چلیں کبھی
کھاتے ہیں کج کلاہ جو سلطان کا نمک

اے پاک سرزمیں! تری مٹی کے لوگ ہیں
کھا کر پلے بڑھے ہیں ترے خوان کا نمک

کس نام کا اثر ہے کہ دھڑکن بھی تیز ہے
موجِ فشارِ خون ہے شریان کا نمک

کاغذ مہک رہا ہے صدائے شعور سے
ہمدم صریر جاں ہے قلم دان کا نمک

(ک)

زندہ ہے ترے نام سے احساس ابھی تک
رہتا ہوں محبت میں ترے پاس ابھی تک

کس پیار سے دیکھا تھا تجھے پہلی نظر میں
آنکھوں میں سمائی ہے وہی پیاس ابھی تک

تعبیر کی تصویر میں خوش تاب سحر ہے
اک خواب کی صورت ہے مری آس ابھی تک

کچھ لفظ مرے پھول کی صورت میں کھلے ہیں
خوشبو کا سفر ہے لبِ قرطاس ابھی تک

دامن سے یہی عہدِ وفا باندھ رکھا ہے
رکھا ہے تری ذات پہ وشواس ابھی تک

سکہ بھی ترے ساتھ اچھالا نہیں جاتا
جیتا ہی نہیں تجھ سے کوئی ٹاس ابھی تک

اک بار کسی اور طرف موڑ دیا تھا
ٹھہرا نہ کسی سمت بھی کمپاس ابھی تک

رستے میں ترا نقشِ قدم دیکھ رہا ہوں
پاؤں سے لپٹتی ہے ہری گھاس ابھی تک

یہ شہر ترے پیار سے آباد رہا ہے
آئی ہے مجھے دل کی فضا راس ابھی تک

یہ عشق فتوری ہے جنوں زاد رکھے گا
رہتا ہے مرے ذہن میں خناس ابھی تک

یہ رشتہء جاں خام نہ ہوگا کبھی ہمدم
رکھا ہے تجھے دل میں بہت خاص ابھی تک

(کھ)

کسی چراغ کا دکھ ہے نہ انقلاب کا دکھ
شکستِ ذات کا دکھ ہے شکستِ خواب کا دکھ

کسی نے خواب دکھائے تو چل پڑا ورنہ
مرے شعور میں شامل نہ تھا سراب کا دکھ

یہ سرخ سرخ لبادہ مرے عدو کا نہیں
سڑک پہ بکھرا پڑا ہے حسین گلاب کا دکھ

میں کج کلاہ تماشا گروں سے پوچھتا ہوں
تمھیں جلاتا ہے کیوں میری آب و تاب کا دکھ

یہ ظلمتوں کے ستارے سجائے پھرتے ہیں
جلا رہا ہے انھیں چڑھتے آفتاب کا دکھ

ہمارے خون سے روشن ہے ان کی بزمِ شب
کہاں ہے مردہ ضمیروں میں اضطراب کا دکھ

یہ پائے جبر سے پھولوں کو روندنے والے
انھیں نظر نہیں آتا کسی شباب کا دکھ

اندھیری رات کی چیخیں سنائی دیتی ہیں
سحر کے رخ پہ ہے شبنم کے ماہتاب کا دکھ

میں اپنے عہد کے دوزخ میں جل رہا ہوں مجھے
کسی گناہ کا دکھ ہے نہ اب عذاب کا دکھ

نصابِ فکر یہاں حرف روندا گیا
جلا رہا ہے مسلسل مجھے کتاب کا دکھ

ہمارے شہر میں منگول دندناتے ہیں
سیاہ خول چھپاتے ہیں بے نقاب کا دکھ

اسیر جھیل رہے ہیں غلام گردش میں
حرم سرا میں سسکتے ہوئے نواب کا دکھ

سبھی کے ذہن پہ چھایا ہوا ہے ایک ہی شخص
چمن کو چاٹ رہا ہے گُلِ خراب کا دکھ

نوائے وقت بنی ہے نوشتہ ء دیوار
سرِ ورق سے عیاں ہے انا کے باب کا دکھ

یہ سرنگوں تو فقط بت پرست ہیں ہمدم
انھیں نصیب کہاں حرفِ باریاب کا دکھ

(کھ)

ہجر سے آباد تنہائی نہ دیکھ
دل کا دریا ہے یہ گہرائی نہ دیکھ

آئنے سے کم نہیں چشم سکوت
خامشی ہے میری گویائی نہ دیکھ

دیکھنا پڑتا ہے دل کی آنکھ سے
یہ بصیرت ہے کہ دانائی نہ دیکھ

موسم گل ڈھونڈ کر دل سے لگا
زرد رت کی بزم آرائی نہ دیکھ

اک سمندر دشت میں آباد ہے
زندگی میں اتنی صحرائی نہ دیکھ

رکھنا پڑتا ہے بھرم تہذیب کا
امن کی خواہش میں پسپائی نہ دیکھ

اپنی جانب یہ سفر آسان ہے
راستے کی صرف لمبائی نہ دیکھ

کٹ رہا ہے دھوپ کا پہلا سفر
ڈھل رہی ہے میری پرچھائی نہ دیکھ

جاننے کے دکھ سے تو انجان ہے
کیا ہے یہ کرب شناسائی نہ دیکھ

چار دن کا کھیل ہے یہ زندگی
یہ تماشا ہے تماشائی نہ دیکھ

یہ غلامانہ روش ہے چھوڑ دے
کج کلاہوں کی جبیں سائی نہ دیکھ

دل سے دل کا رابطہ ہے یاد رکھ
آنکھ ہے کس کی تمنائی نہ دیکھ

ان کہی ہے داستاں ایسے نہ پڑھ
صرف چہرے پر ہی رعنائی نہ دیکھ

یوں نہ ہو دستار ہی گرنے لگے
سر اٹھا کر اتنی اونچائی نہ دیکھ

اس قدر باریک بینی سے نہ مل
ذرہ ذرہ آنکھ میں رائی نہ دیکھ

عشق ہے تو عشق کر محبوب سے
ہو رہی ہے کتنی رسوائی نہ دیکھ

حمد ہے ہمدم محبت عام کر
شاعری میں حرف پیمائی نہ دیکھ

(گ)

روایتوں کے پجاری نہیں ہوئے ہم لوگ
وفا کے سندھ میں کاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ملے ہیں دن کے اجالے میں، جب کبھی بھی ملے
کسی کی خواب گزاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہم اپنے عہد کے جون ایلیا کو کیا پڑھتے؟
کتابِ دل کے بھی قاری نہیں ہوئے ہم لوگ

چمن میں گھاس کی مانند روند ڈالے گئے
خزاں رتوں میں بہاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہمیں خبر ہے، قبیلے کی کیا روایت ہے؟
اسی لیے تو فراری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہمیں تو شکل سے پہچانتا ہے آئنہ
کہ اپنے جسم سے بھاری نہیں ہوئے ہم لوگ

سفر کیا ہے اسیری میں طوق پہنے ہوئے
کسی بھی شاہ کے حواری نہیں ہوئے ہم لوگ

وہ مر تو جائے گا لیکن بھلا نہیں سکتا
یونہی کسی پہ بھی طاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہماری سوچ کا دریا ہمارا اپنا ہے
پرائے دشت سے جاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہمارے سامنے کتنے طلسم رکھے گئے؟
مگر شعور سے عاری نہیں ہوئے ہم لوگ

وگرنہ شعر نہیں داستاں لہو کرتے
خدا کا شکر لکھاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہماری قبر کہیں بھی نہیں بنائی گئی
مرے نہیں، سو مزاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہم اپنے پاؤں پہ چلنے کے اتنے عادی تھے
کبھی کسی کی سواری نہیں ہوئے ہم لوگ

سخن وری میں ہمارا بھی نام تھا لیکن
ہنر کے بل پہ مداری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہمارا باغ پرندوں کا خاص مسکن ہے
یہ جانتے ہیں شکاری نہیں ہوئے ہم لوگ

رہے ہجوم سے نالاں ، الگ ٹھہرے
سو پھیل پھول ہزاری نہیں ہوئے ہم لوگ

یہ زر پرست گلے کاٹنے کے درپے ہیں
کہ سام راج کی آری نہیں ہوئے ہم لوگ

الگ زبان ، الگ ذائقے کے پتھر ہیں
نمک میں رہ کے بھی کھاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہماری جان کی قیمت کوئی لگا نہ سکا
برائے قتل سپاری نہیں ہوئے ہم لوگ

ہم اہلِ ظرف قبیلے کی شان تھے ہمدم
بدل کے ذات بخاری نہیں ہوئے ہم لوگ

(گ)

خوش تاب، خوش خیال، محبت کے سات رنگ
مہتاب، مہ جمال، محبت کے سات رنگ

ملنے کے ہم نہیں ہیں، نہ ایسے گنوایے
نایاب، خال خال، محبت کے سات رنگ

منشورِ زندگی میں حقیقت کی روشنی
زرتاب، بے مثال، محبت کے سات رنگ

کم کم کھلے ہیں ہم پہ کشیدہ نہ ہو سکے
کم خواب، کم وصال، محبت کے سات رنگ

نفرت کا زنگ دل سے اتارے چلے گئے
تیزاب، تیز چال، محبت کے سات رنگ

ایسے کھلے کہ دل سے اجالے لپٹ گئے
گرداب ہیں کہ جال، محبت کے سات رنگ

سن ! لے، الاپ، راگ، حقیقت کے سات سر
خوش آب، خوش خصال، محبت کے سات رنگ

دھمال ، موج ، رقص ، دھنا دھن دھنا دھنن
مضراب، خوش مقال، محبت کے سات رنگ

بود و نمود ، برگ ، چٹک ، بو ، ثمر ، نمو
شاداب اور نہال ، محبت کے سات رنگ

مکتوب لکھ دیا ہے بس اتنا سا مختصر
آداب، عرضِ حال، محبت کے سات رنگ

ٹھہرے نہیں سراب کی صورت بکھر گئے
سیماب، باکمال، محبت کے سات رنگ

جس کو ملے ہیں وہ بھی نمایاں نہ کر سکا
مے، آب اور گلال، محبت کے سات رنگ

تھوڑی سی زندگی میں متاعِ حیات ہیں
اسباب اور مال، محبت کے سات رنگ

میں بھی کوئی چنار ہوں، کافی ہیں بس مجھے
برفاب، سرخ شال، محبت کے سات رنگ

اک رنگ بھی جدا نہیں ہمدم وجود سے
احباب، ہم خیال، محبت کے سات رنگ

(گ)

آئنہ ء حیات نہیں ماورائے سنگ
پتھر کی آنکھ میں ہے ابھی تک صدائے سنگ

اسلوب یہ رہا کہ کنائے سے بات کی
کھولی زباں نہ ہم نے کسی پر اٹھائے سنگ

نکلے نہیں ہیں آج بھی پتھر کے دور سے
کیوں لوگ پوجتے ہیں بنا کر خدائے سنگ

خواہش کے باوجود بھی ہجرت نہ کر سکے
دھرتی سے جڑ گئی ہے ہماری وفائے سنگ

وحشت ٹپک رہی ہے دریچے کی آنکھ سے
دیوار پر پڑی ہے کسی کی بلائے سنگ

الزام دوسروں کے بھی سہنے پڑے ہمیں
لاحق رہی ہے ہم کو مسلسل قضائے رنگ

کس لاگ اور لگاؤ نے مجنوں بنا دیا
سر نے قبول کی ہے مسلسل رضائے سنگ

الزام ہم نے سر پہ محبت کا لے لیا
دل کو بھلی لگی ہے جنوں میں ادائے سنگ

وحشت برس رہی ہے، قیامت کا شور ہے
جیسے بنی ہوئی ہے یہ دنیا برائے سنگ

ہم خود کو ڈھونڈتے ہیں دھندلکے کی اوٹ میں
گرد و غبار میں ہے ابھی تک فضائے سنگ

زنجیر، طوق، تیغ و سپر، لب خموش ہیں
مسکان کیا ہوئی ہے کسی کی جزائے سنگ

کھنڈرات رو رہے ہیں گذشتہ جہان کو
تاریخ کے لبوں سے سنی ہے عزائے سنگ

بے کار راستے سے ہٹانا پڑا مجھے
ٹھوکر لگا کے لی ہے ہمیشہ دعائے سنگ

دامن پھٹا ہوا ہے نہ کشکول ہاتھ میں
مجھ کو نہ بھیک دیجیے، میں ہوں گدائے سنگ

کوہِ گراں لگی ہے مری زندگی مجھے
سانسیں اکھیڑتی ہے یہ کیسی ہوائے سنگ

آذر تراشتا ہے صدائے خیال کو
تصویرِ زندگی میں ہوئی ہے نوائے سنگ

کم زور ہو رہے ہیں، سلاجیت دیں انھیں
پتھر دلوں نے لی ہے ابھی تک دوائے سنگ

اینٹیں ہوئی ہیں سرخ لہو کے چراغ سے
مزدور انگلیوں پہ جمی ہے حنائے سنگ

اس خوب رو کھنڈر کو گرا دینا چاہیے
واجب ہوئی ہے شہر پہ ہمدم سزائے سنگ

(گ)

ہم پر کھلی نہیں ہے کبھی کیمیائے سنگ
ہم لوگ دیکھتے ہیں وہی جو دکھائے سنگ

دولت کی ریل پیل نے پتھر بنا دیا
سکے کھنک رہے ہیں، عجب ہے غنائے سنگ

صیقل کیے گئے ہیں سمندر کی موج میں
پانی سے اٹھ رہی ہے ابھی تک بنائے سنگ

نقّارہ بج رہا ہے مگر لب خموش ہیں
لوگوں نے اوڑھ لی ہے خوشی سے قبائے سنگ

ہاتھوں میں کوئی پھول نہ ہونٹوں پہ کوئی گیت
بیمار کر رہی ہے سبھی کو وبائے سنگ

آثار کہہ رہے ہیں کہ منزل قریب ہے
برسے گی تیرگی میں کسی دن گھٹائے سنگ

دل پر ہیں کتنے زخم کوئی جانتا نہیں
دامن کے چاک تک ہی تو ہے رسائے سنگ

جس کو بھی دیکھتا ہوں وہ تصویر ہی لگے
رستے میں ہر قدم پہ ہے ایسی سرائے سنگ

یہ بت گری بھی اہلِ سیاست کا کھیل ہے
پتھر کے سامنے بھی ہمیشہ جھکائے سنگ

پھینکے گئے تو ٹھیک نشانے پہ جا لگے
اس میں کسی طرح بھی نہیں ہے خطائے سنگ

تہذیب تک جلا کے رکھی ہے زبان پر
نفرت کی آگ میں نہ کسی نے جلائے سنگ

پھولوں کی آرزو نے بھی دم توڑ ہی دیا
دامن میں اور کچھ بھی نہیں ہے سوائے سنگ

ہم نے وفا کے دشت میں پاؤں جما لیے
مجنوں نے کر دیا ہے ہمیں آشنائے سنگ

صدیاں گزر گئی ہیں ہمیں آئنہ ہوئے
نے ابتدائے سنگ نہ ہے انتہائے سنگ

انساں کی تلاش مورّخ کا شوق ہے
صحرا میں ڈھونڈتا ہے وہی اپسرائے سنگ

مورت بنے ہوئے ہیں فریبِ خیال کی
دیکھی نہیں بتوں میں کبھی آتمائے سنگ

مسند ہے بولنے کی یہاں جھوٹ بولیے!
حاصل ہے مدعی کو یہاں اعتنائے سنگ

زنگار دیکھتے ہیں پسِ آئنہ کہاں؟
ہم ہیں برائے چشم تماشا بنائے سنگ

تربیتِ سخن ہے کہ یہ آذری مری
ہمدم غزل میں پھول رکھے ہم نوائے سنگ

(ل)

حرفِ تقدیسِ سخن ہے، مرا معیارِ غزل
میں روایت سے نکالوں گا نیا زارِ غزل

خار زاروں سے گزرنا ہے ، نمو کرنا ہے
لفظ کو پھول بنانا ہے ، یہی کارِ غزل

پھول کب کھلتے ہیں زرخیز زمیں سے باہر
سبزگی اپنی دکھاتا ہے ثمر بارِ غزل

کوئی الہام کی صورت ہو ، عطا ہو مجھ کو
میں درِ حرف پہ بیٹھا ہوں بہ پیکارِ غزل

تو نہیں ہے تو کوئی شعر کہاں ہوتا ہے؟
تو نہیں ہے تو کوئی بنتا ہے معیارِ غزل؟

کوئی کوئی ہے جو احساس کا در کھولتا ہے
ہر کسی دل پہ کہاں کھلتے ہیں اسرارِ غزل

عشق کے سنگ سے بھاری تھا ریاضت کرنا
میں درِ میر سے لایا ہوں ، اٹھا ! بارِ غزل

میر و غالب سے بغاوت ہے روایت لیکن
کون سر پر لیے پھرتا ہے یہ دستارِ غزل

میری دھڑکن میں ہمکتا ہے کوئی شیریں غزال
دل کو مہمیز کیے جاتا ہے اسوارِ غزل

تیری آواز کا جادو ہے کہ موسیقی ہے
شوخ لہجے میں کھنکتی رہے گفتارِ غزل

سایۂ حرف سے لپٹے ہوئے رو لیتا ہوں
شہرِ گریہ میں بنا رکھی ہے دیوارِ غزل

شاعری سوچ کے زینے پہ پڑی ملتی ہے
یہ مرا حسنِ تغزّل ہے کہ شہکارِ غزل

اپنی مٹی سے کشیدے ہوئے اشجار دکھا
سرقہء فکر سے بنتا نہیں گلزارِ غزل

کیمیا گر نے سخن زہر کیا ہے شاید
خون قرطاس پہ تھوکے گا عزادارِ غزل

شعر در شعر تجھے لکھتا گیا ہوں میں بھی
گنگناتا ہی رہا تجھ کو گلوکارِ غزل

اب کہاں ایسے سخن زاد میسر ہوں گے؟
لکھنو میں کبھی لگتا تھا یہ دربارِ غزل

کیا زمانہ تھا کہ دیوان لٹا کرتے تھے
اب تو ڈھونڈے سے نہیں ملتا خریدارِ غزل

کون کہتا ہے کہ جدت نہیں ممکن ہمدم
عکس کو نقش بنا دیتی ہے پرکارِ غزل

(ل)

جمالِ حرفِ نمو ہے، ضیائے موجِ غزل
صریرِ غنچہ ءجاں ہے، صدائے موجِ غزل

سخن کے در پہ محبت کے پھول کھلتے ہیں
بہارِ گلشنِ دل ہے ، فضائے موجِ غزل

غزالِ دشتِ تخیل کی جست ہے یا پھر
حسیں شعور کی لو ہے ، ادائے موجِ غزل

نویدِ حسنِ بصیرت ہے نغمہ ء بینا
سحر کے رنگ میں اتری نوائے موجِ غزل

کسی فقیر کے حجرے سے آ رہی ہے صدا
محبتوں کی ادا ہے ، نوائے موجِ غزل

سخن کا راز کسی کم نظر پہ کھلتا نئیں
برائے چشمِ رسا ہے قبائے موجِ غزل

کھلا شعور لہو سے کشید کرتے ہوئے
بدن میں آگ بھری ہے برائے موجِ غزل

سخن شناس رہیں گے نگر نگر آباد
بسا کے چھوڑ چلے ہم سرائے موجِ غزل

وفا کے رنگ سجیں گے محبتوں کے سنگ
قدم قدم پہ کھلیں گے گلہائے موجِ غزل

شعور بانٹ رہا ہے یہ آئنہ دل کا
زباں کا سبز علم ہے اٹھائے موجِ غزل

یہ روشنی کا سفر ہے، نظر ملائے چلو
دل و نظر کا دیا ہے جلائے موجِ غزل

جو دل کی بات سمجھتے ہیں گنگنائیں گے
سماعتوں میں رہے گی صدائے موجِ غزل

یہ واہ واہ فقط داد ہی نہیں ہوتی
اسی کے دم سے سجے اپسرائے موجِ غزل

ادب کے نام پہ چلتا ہے زندگی کی طرف
یہ کارواں ہے جوابِ آشنائے موجِ غزل

مشاعرے کو عطا کی ہے پیار کی آواز
سنے گا جو بھی ، پکارے گا ، ہائے موجِ غزل

محبتوں کی یہ تہذیب مٹ نہیں سکتی
سخن وروں پہ رہے گی ردائے موجِ غزل

ہم اہلِ دل کو میسر ہے وہ زباں ہمدم
جو دھڑکنوں کے ترنم پہ گائے موجِ غزل

(ل)

توڑ دے ہر گماں نہ شک میں ڈال
ڈالنا ہے تو دل کسک میں ڈال

سات رنگوں سے ماورا ہو جا!
رنگ اپنا کوئی دھنک میں ڈال

کوئی روشن چراغ لے کے چل!
خواب کی روشنی سڑک میں ڈال

نور کوئی نظر کی لو جیسا
اپنے چہرے کی اک جھلک میں ڈال

ہو بہم شاعری سے موسیقی
چوڑیوں کی صدا کھنک میں ڈال

کس تصور سے رخ پہ آئی ہے
کچھ گلالی کا نم تلک میں ڈال

میں ترے باغ کا پرندہ ہوں
سوز کوئی مری چہک میں ڈال

بے سہارا ہوں دیکھ تیرے بغیر
اپنا لشکر مری کمک میں ڈال

مجھ کو روشن خیال ہونا ہے
کچھ ستارے مری چمک میں ڈال

ایک سورج قریب ہے فی الحال
کہکشاں کو ابھی فلک میں ڈال

دیکھنے ہیں تو خواب سچے کر
آرزوئیں پلک پلک میں ڈال

برق لہرا رہی ہے آنچل میں
دل کی دھڑکن اسی لہک میں ڈال

درد لذت نہ دے تو کیا غم ہے؟
زخم ہے تو اسے نمک میں ڈال

نرم آہٹ پہ کوئی مصرع کہہ
گیت کوئی حسیں دھمک میں ڈال

تیرا انکار بھی سمجھتا ہوں
کوئی اقرار بھی جھجک میں ڈال

خواہشوں سے فرار ہو ہمدم
دل کو بس ایک ہی للک میں ڈال

(ل)

عشق ہے یا کہ بے خودی کا کھیل
کون جیتا ہے زندگی کا کھیل

کرنوں کرنوں نکھارتا ہے مجھے
سات رنگوں میں روشنی کا کھیل

اپنے پاؤں نہ کاٹنے دینا
مار دیتا ہے بے بسی کا کھیل

اپنے اپنے چراغ لے کے چلو
ختم ہو جائے تیرگی کا کھیل

دوستوں کی شکست لازم ہے
دشمنوں سے ہے بزدلی کا کھیل

تیز رفتار ہو گئے ہیں ہم
ہم نے کھیلا ہے خودکشی کا کھیل

کوئی ہارا نہ کوئی جیتا ہے
بچپنا پن تھا بے کلی کا کھیل

مسکراتے ہوئے بکھرتا ہے
پھول کھلنا ہوا کلی کا کھیل

خود سے ملنا بھی مسئلہ ٹھہرا
ہر طرف ہے وہ بے حسی کا کھیل

سب کسی ٹیم کے کھلاڑی ہیں
اپنا اپنا ہے ہر کسی کا کھیل

پیچ در پیچ کوئی الجھن ہے
جس کو سمجھا تھا سادگی کا کھیل

حسن ریشم ہے کس کی زلفوں کا
کتنا مشکل ہے دل لگی کا کھیل

کھیل کو کیا ردیف کرتے ہم
قافیے میں ہے شاعری کا کھیل

کیا تماشا ہے سامنے ہمدم
پیش منظر ہے آگہی کا کھیل

(ل)

سا رے گا ما پا دھا نی سا، سرگم! کچھ تو بول
دل کی دھڑکن ڈول رہی ہے، ہم دم! کچھ تو بول

پھول کھلیں، خوشبو مہکائیں، رنگ کریں خوش تاب
خاموشی کیوں اوڑھ رکھی ہے؟ موسم! کچھ تو بول

رات کٹی ہے کس گلشن میں، کن رنگوں کے سنگ؟
کلیوں کے دامن پہ نمی ہے، شبنم! کچھ تو بول

تیرے لہراؤ میں ہے کس خواب نگر کی موج؟
دل کی دھرتی جھوم رہی ہے، پرچم! کچھ تو بول

درد کی لذت راس آنے سے دکھ مٹ جاتا ہے
زخم نمک سے ٹھیک ہوئے ہیں، مرہم! کچھ تو بول

گنجل گنجل سوچوں میں کیا الجھاؤ ہے؟
کس دامن سے الجھ رہا ہے ریشم؟ کچھ تو بول

صدیوں سے چپ رہنے والی مورت سانس تو لے
تجھ پر پھر الزام لگا ہے، مریم ! کچھ تو بول

کچھ تو اپنی مجبوری کا ہجر فسانہ کہہ
دل کا حال کھلا ہے تجھ پر، محرم ! کچھ تو بول

یک جاں دو قالب ہیں کیسے؟ کیسا ہے سنجوگ؟
بیچ ہمارے رشتہ کیا ہے، باہم ؟ کچھ تو بول

دل کی دنیا سے باہر کی دنیا کیسی ہے؟
نگری نگری گھومنے والے بالم ! کچھ تو بول

میرے دل میں رہ کر بھی چپ رہنا ٹھیک نہیں
کیا ہے خاموشی کا مطلب؟ جانم ! کچھ تو بول

ٹھنڈی ٹھنڈی نرم ہوا میں کیسا ہے سنگیت؟
پھول نگر سے آنے والی پونم ! کچھ تو بول

چپ رہنے سے دل کی دھڑکن بھی تھم جاتی ہے
ہمدم تیرے دل میں کیا ہے؟ دم دم کچھ تو بول

(ل)

ملا نہیں ہے محبت کو راستہ فی الحال
ہمارے بیچ رہے گا یہ فاصلہ فی الحال

کھلا نہیں ہے ابھی گرد و پیش کا منظر
نظر کے سامنے رکھا ہے آئنہ فی الحال

ترے وجود کی تہہ تک ابھی نہیں پہنچا
سمٹ رہا ہے نگاہوں کا دائرہ فی الحال

ابھی تلک ہے وہی آپ! آپ! جناب!
کٹا نہیں ہے تکلف کا مرحلہ فی الحال

ترے خیال کی لے پر ہمکتا رہتا ہے
جڑا ہوا ہے ترے دل سے رابطہ فی الحال

یہ دل سے دل کا تعلق تو آکسیجن ہے
اسے سمجھ نہ کوئی عام سلسلہ فی الحال

کہانی ختم ہوئی ہے نہ مرکزی کردار
لکھا نہیں ہے فسانے میں خاتمہ فی الحال

کسی نگاہ کا جادو ابھی نہیں چلتا
دکھا رہا ہے کوئی اپنا معجزہ فی الحال

کسی نے طرزِ کہن سے ورا نہیں دیکھا
روایتوں سے کشیدہ ہے تجربہ فی الحال

یہ مسئلہ تری وحشت سے حل نہیں ہوگا
خموش ! اے دلِ نادان ! تخلیہ ! فی الحال

بدل سکا نہ زمانہ مزاج اردو کا
غزل کے روپ میں زندہ ہے ریختہ فی الحال

سفر گریز مسافر تھکے ہوئے ہیں ابھی
سرائے خواب میں ٹھہرا ہے قافلہ فی الحال

اتر رہی ہے رگ و پے میں پیار کی آواز
سماعتوں میں گھلا ہے وہ ذائقہ فی الحال

ہماری راہ میں اپنی انا کھڑی ہوئی ہے
ہمارے سامنے اپنا ہے مسئلہ فی الحال

ہم اپنے دور کی خبروں میں جی رہے ہیں ابھی
لکھا نہیں ہے مورّخ نے حاشیہ فی الحال

ابھی تو جنگ سے بچنے کی مشق جاری ہے
ہوا نہیں کوئی سنگین واقعہ فی الحال

یہ شاعری مرے دل کی ردیف ہے ہمدم
نبھا رہا ہوں محبت سے قافیہ فی الحال

(ل)

زندگی ہے ، جناب ! کوئی حل
مسئلہ ہے خراب ، کوئی حل

کوئی شمع جلے اندھیرے میں
خواب ہو کہ سراب ، کوئی حل

قطرہ قطرہ پگھل رہا ہے دل
ہجر ہے کہ عذاب ، کوئی حل

ہر وظیفے میں آزما چکا ہوں
آخری ہے کتاب ، کوئی حل

اب جوانی پلٹ نہیں سکتی
ڈھل رہا ہے شباب ، کوئی حل

لذتِ درد ہی سہی ساقی!
بے مزہ ہے شراب ، کوئی حل

جل رہا ہے شعور کا ریشم
دل ہوا ہے کباب ، کوئی حل

کوئی مشکل نہیں مگر پھر بھی
میں ہوں زیر عتاب ، کوئی حل

گوشوارہ نرا خسارہ ہے
درد ہے بے حساب ، کوئی حل

زندگی کا سبق ضروری ہے
کوئی دل کا نصاب ، کوئی حل

آنکھ کھلتی ہے عین منزل پر
ٹوٹ جاتا ہے خواب ، کوئی حل

بندگی بھی ضرورتاً کی ہے
کیا کمائیں ثواب ، کوئی حل

کوئی صورت وصال کی صاحب!
بیچ میں ہے حجاب ، کوئی حل

راستہ کوئی اور بھی ہو گا
سامنے ہے چناب ، کوئی حل

خودکشی پر کشش ہوئی ہے کیوں؟
کھینچ رہی ہے طناب ، کوئی حل

ایک پل تو بہم گزاریں ہم
ایک پل ہے حباب ، کوئی حل

ظلمتوں نے اخیر کر دی ہے
اے مرے آفتاب ! کوئی حل

وحشتوں کا عروج ہے ہمدم
کوئی تازہ گلاب ، کوئی حل

(م)

ایک ماہِ تمام ہے ہم دم
زندگی جس کے نام ہے ہم دم

کیا نم ہے یہ سرخ آنکھوں میں
صبحِ نو ہے کہ شام ہے ہم دم

تشنگی ہے ؛ کہ تشنگی کم ہے
دل کی خواہش ؛ کہ خام ہے ہم دم

اس پہ مرتے تھے لکھنو والے
یہ جو زلفوں کی لام ہے ہم دم

عشق میں فیصلہ نہیں ہوتا
کون ؟ کس کا ؟ غلام ہے ہم دم

کون ،کیا کہہ رہا ہے ؟ کہنے دو
گفتگوئے عوام ہے ہم دم

آنکھ سے آنکھ تک محبت ہے
دل کا سچا پیام ہے ہمدم

کٹ رہا ہے جگر محبت میں
تیغ سی بے نیام ہے ہمدم

اب تو اپنی خبر نہیں آتی
کس نگر میں قیام ہے ہمدم

قافلہ بے مراد پھرتا ہے
کس کے ہاتھوں لگام ہے ہمدم

یہ ہوس ہے کہ آزمائش ہے
خواہشوں کا خرام ہے ہمدم

خود سے ملنا بھی مسئلہ ٹھہرا
ہر طرف اژدہام ہے ہمدم

دوستوں سے ہے راہ و رسم جدا
دشمنوں کو سلام ہے ہمدم

خار زاروں سے کب علاقہ ہے؟
مجھ کو پھولوں سے کام ہے ہمدم

زندگی آخری کہانی ہے
طے شدہ اختتام ہے ہمدم

وصل کی شام سے گزر دیکھا
ہجر کا اہتمام ہے ہمدم

کوئی آتا ہے ، کوئی جاتا ہے
زندگی کا نظام ہے ہمدم

دل پہ کوئی بھی دم نہیں چلتا
بس محبت کا دام ہے ہمدم

جنگ ہونے لگی مصلّے پر
مقتدی بھی امام ہے ہمدم

مسئلے کا علاج گولی کیوں؟
کیا محبت حرام ہے ہمدم

شاعری ہے کہ خود کلامی ہے
ہم سخن سے کلام ہے ہمدم

(م)

عشق ہے ، منہ زور دریا کی روانی اور ہم
سانس کی رفتار پر دل کی کہانی اور ہم

مضطرب ہیں جھلملاتی چاندنی کو چھان کر
جھیل میں ٹھہرا ہوا خواہش کا پانی اور ہم

سو کے چکر میں رہے لیکن ہماری تشنگی!
کس خسارے میں رہے ہیں زندگانی اور ہم

صبحِ دم سورج نے دستک دی ہمارے بام پر
نیند سے جاگا کیے ، خوابوں کی رانی اور ہم

اس خرابے میں ہمارا ہم سفر کوئی نہ تھا
ہاتھ پکڑے ، چل پڑے دنیائے فانی اور ہم

پھول تک بھی دے نہیں سکتے کسی کو پیار سے
ہائے ! اس شہر غریباں کی گرانی اور ہم

شام ہوتے ہی نیا نروان کھلتا ہے میاں!
جھونپڑی میں بیٹھتے ہیں کوئی گیانی اور ہم

وصل کی خواہش نہیں اک سرد جھونکا ہی سہی
جل رہے ہیں ہجر میں شامیں سہانی اور ہم

بیٹھ جاتے ہیں کسی ٹوٹی ہوئی دیوار پر
وقت کی بخشی ہوئی بس اک نشانی اور ہم

اپنے سائے پر بھی دشمن کا گماں ہونے لگا
اس قدر الجھے رہے ہیں بدگمانی اور ہم

جبر ہے چاروں طرف یا پتھروں کا شہر ہے
کس قدر خاموش ہیں یہ بے زبانی اور ہم

فیصلہ کرنا پڑے گا آخری کردار سے
مسئلے کا حل نہیں جادو بیانی اور ہم

اس کنارے، اس کنارے، جائیں تو جائیں کہاں؟
رہ گئے پندار میں رہ درمیانی اور ہم

تتلیاں تھیں اور کالج کا پرانا لان تھا
دیر تک بیٹھے رہے کل نوجوانی اور ہم

چند لمحے کھینچتے ہیں زندگی کے ہاتھ سے
شام کی آوارگی ہے یار جانی اور ہم

آئنے میں دیکھتے ہیں عکس ہم کس اور کا؟
پیش منظر ہے کسی کی ترجمانی اور ہم

حرف سے ادراک تک باندھی گئی جانِ غزل
شاعری میں کھل گئے ہمدم، معانی اور ہم

(م)

زندگی کے حصار میں گم صم
دل ہے کیسے خمار میں گم صم

کس کو دیکھا سحر کی صورت میں
آنکھ ہے خواب شار میں گم صم

خامشی میں بھی کوئی خوش آواز
ہو گیا ہے قرار میں گم صم

کتنے منظر سمیٹ رکھے ہیں
آئینے کے مدار میں گم صم

تتلیوں کو اداس دیکھا ہے
گوشہ ء لالہ زار میں گم صم

اعتماد اور اعتبار کے ساتھ
کب سے ہیں انتظار میں گم صم

کھو گیا ہوں خراج لیتے ہوئے
چاہتوں کے دیار میں گم صم

قافلہ تو گزر چکا لیکن
راستے ہیں غبار میں گم صم

خشک پتے نمود پانے لگے
موجہ ء نو بہار میں گم صم

تیرے بیمار اور کیا کرتے
جل رہے ہیں بخار میں گم صم

ہم محبت میں اعتماد کے ساتھ
ہو گئے اعتبار میں گم صم

پڑھتے جاتے ہیں دل کا افسانہ
حسنِ صورت نگار میں گم صم

وہ لپٹتا ہے برف زاروں سے
ہم جلے ہیں چنار میں گم صم

دل محبت بھرے جزیرے پر
جان پھولوں کے ہار میں گم صم

سبز چھاؤں میں ہے خزاں کی دھوپ
موسمِ گل ہے خار میں گم صم

کتنے رنگوں سے بات ہوتی ہے
پیکرِ طرح دار میں گم صم

بارشوں نے نہال رکھا ہے
موسمِ برگ و بار میں گم صم

بزم ہے یہ اداس لوگوں کی
ہم ہوئے کس شمار میں گم صم

کون گزرا ہوا کے گھوڑے پر
دھول ہے رہ گزار میں گم صم

دل کی دنیا میں آن بیٹھے ہیں
خواہشوں سے فرار میں گم صم

خوف طاری ہے کیوں شکاری پر
کیا ہے ؟ کونجوں کی ڈار میں گم صم

پھر بھی کتنا سکون ملتا ہے
وحشتوں کے فشار میں گم صم

جبر کا خوف بھی ہے نادیدہ
شیر جیسے کچھار میں گم صم

ہم زمانے سے دور ہیں ہمدم
ہم ہیں اپنے ہی پیار میں گم صم

(م)

دل مچلتا ہے ، پیار میں گم صم
دم نکلتا ہے ، پیار میں گم صم

کوئی سایہ ہے ، چار سو میرے
ساتھ چلتا ہے ، پیار میں گم صم

قطرے قطرے سے پیاس بجھتی ہے
کیا پگھلتا ہے ، پیار میں گم صم

اک ستارا ہے ، دھوپ نگری میں
روز ڈھلتا ہے ، پیار میں گم صم

آنکھ زندہ ہے ، کس محبت میں
خواب پلتا ہے ، پیار میں گم صم

دل محبت میں بے خرد ہو کر
کب سنبھلتا ہے ، پیار میں گم صم

کتنے رنگوں سے ، نقش بنتا ہے
رخ بدلتا ہے ، پیار میں گم صم

یہ دھواں کیوں ہے ؟ برف زاروں میں
کچھ ابلتا ہے ، پیار میں گم صم

کتنا گہرا ہے ؟ یہ سمندر بھی
دل اچھلتا ہے ، پیار میں گم صم

ہجر کیا ہے ؟ دو کناروں پر
غم اگلتا ہے ، پیار میں گم صم

یہ جنوں کیا ہے ؟ یہ فسوں کیا ہے؟
جاں نگلتا ہے ، پیار میں گم صم

یہ سحر کیا ہے ؟ شام کیسی ہے؟
دن نکلتا ہے ، پیار میں گم صم

بے چراغی کے دور میں ہمدم
کون جلتا ہے ، پیار میں گم صم

(م)

آنکھوں میں اترتی ہے کوئی شام لبِ بام
کھلتا ہے ترا نام سر عام لبِ بام

ٹیرس پہ ہری بیل ہوئی، پھول کھلے ہیں
مہکی ہے کوئی بزمِ گل اندام لبِ بام

میں آخری دم تک تجھے دیکھوں گا مری جان!
پلکوں سے میں لکھوں گا ترا نام لبِ بام

آنکھوں میں مچلتا ہے ترے پیار کا موسم
تھمتا ہے ترے دم سے یہ ہنگام لبِ بام

چڑیوں کے چہکنے سے مری آہ وفغاں تک
پھیلا ہی چلا جاتا ہے کہرام لبِ بام

احساس کی دیوار پہ بیٹھے ہوئے پنچھی
کر لیتے ہیں دالان میں آرام لبِ بام

یہ رات اجالوں کو مٹا ہی نہیں سکتی
سورج نے دیا ہے یہی پیغام لبِ بام

لو شام ہوئی ، تھمنے لگی موجہ ء دوراں
ٹھہری ہے ذرا گردشِ ایام لبِ بام

تاریخ کی آنکھوں سے کوئی چھپ نہیں سکتا
کھلتے چلے جاتے ہیں کئی نام لبِ بام

تاریک دل وجاں ہوں کہ دیوار کے پتھر
جلتے ہیں چراغوں سے سیاہ فام لبِ بام

در کھلنے لگے، شمعیں جلیں، شہرِ ہوس میں
آباد ہوا کوچہ ء اصنام لبِ بام

یہ دل کے دیے ہیں کہ ستاروں کی چمک ہے
روشن ہیں دریچے میں ضیا فام لبِ بام

لگتا ہے کہ اب خلقِ خدا راج کرے گی
ہے جبر کی دیوار پہ دشنام لبِ بام

تعبیر دھندلکے میں دکھائی نہیں دیتی
ہے خواب کے امکان میں ابہام لبِ بام

بازار میں اخلاص کی قیمت نہیں لگتی
میں مفت میں ہو جاتا ہوں نیلام لبِ بام

یہ دل کی کہانی ہے عیاں ہو کے رہے گی
چھوٹے سے فسانے کا ہے انجام لبِ بام

رکھا ہے ہتھیلی پہ مقدر کا ستارا
ہمدم ہے اجالوں کا سفر خام لبِ بام

(م)

آنکھوں سے کوئی جام ! اے گردشِ ایام
گرتا ہوں ، مجھے تھام ! اے گردشِ ایام

فرصت کے حسیں پل ، ہیں آج نہیں کل
کچھ دیر تو آرام ! اے گردشِ ایام

کچھ زخم مرے نام ! کچھ زخم ترے نام
مٹتے نہیں آلام ! اے گردشِ ایام

پھر زادِ سفر کر ، خوش تاب سحر کر
اک خواب سرِ شام ، اے گردشِ ایام

گل داں میں سجا پھول ! یادوں سے ہٹا دھول
خوشبو بھرا پیغام ! اے گردشِ ایام

تجھ سے مرا آغاز ! تجھ سے مرا انجام
سب کچھ ہے ترے نام ! اے گردشِ ایام

لے ، موج ، نمو ، نم ، ہے پیار کی سرگم
اے رقصِ گل اندام ! اے گردشِ ایام

احساس ترا سوز ، ادراک تری آنچ
اے شعلہ ء ہنگام ! اے گردشِ ایام

یہ نقشِ کہن توڑ ! یہ دار و رسن چھوڑ
ٹوٹیں گے یہ اصنام ! اے گردشِ ایام

پھر چاک قبا کر ! خوشبو کو رہا کر
کچھ خار ہوں گلفام ! اے گردشِ ایام

زلفوں کے نہ بل کھول ! راتوں کے نہ پل کھول
رک جا ! ارے ! مادام ! اے گردشِ ایام

شعلوں کو نہ یوں چھیڑ ! موجوں کو نہ یوں چھیڑ
ہر سمت ہے کہرام ! اے گردشِ ایام

قطعہ

ہمدم کی ہے یہ لاگ ! ایسے نہ بجھا آگ
روشن ہے لب بام ! اے گردشِ ایام

(م)

دل و نظر سے کشیدہ کلام تیرے نام
مرا وجود، مرے صبح و شام تیرے نام

یہ میری پہلی محبت ہے جو سند کی ہے
لکھا ہے دل پہ وفا کا پیام تیرے نام

تو اپنے سوت کی اٹی سنبھال کر رکھنا!
بکے گا شہر میں تیرا غلام تیرے نام

میں خود کو میں نہیں کہتا، پکارتا ہوں تجھے
کیا ہے عشق میں اپنا بھی نام تیرے نام

ترے لیے سبھی دنیا کو چھوڑ آیا ہوں
کیا ہے خواب نگر میں قیام تیرے نام

وصال رت میں سجائے ہیں پھول تیرے لیے
صدائے موجۂ گل کا خرام تیرے نام

یہ دھڑکنوں کا ترنم ، ترا حسیں لہجہ
پون پون کا عروضی نظام تیرے نام

ترے بغیر تو میرا وجود کچھ بھی نہیں
ملا ہے جو بھی مجھے وہ مقام تیرے نام

مرے خیال کے سورج کی روشنی تو ہے
مرے شعور کا ماہِ تمام تیرے نام

مرے غزال مری شاعری ترے دم سے
درِ غزل پہ ہمکتا سلام تیرے نام

میں تجھ سے دور بھی رہ کر عجب نشے میں ہوں
تری نظر سے پیا ہے یہ جام تیرے نام

یہ بے خودی مجھے ہر پل نہال رکھتی ہے
لگے گا عشق میں اپنا بھی دام تیرے نام

یہ میرا شوق نہیں ہے مرا فریضہ ہے
کیا ہے عشق میں جینے کا کام تیرے نام

تو میرے دل کی گلی میں کبھی قدم رکھنا
کیا ہوا ہے سبھی اہتمام تیرے نام

ترے ہی دم سے مری زندگی سحر ہمدم
خیال و خواب میں شمعِ دوام تیرے بام

(م)

دنیا سے تو ایسے ہی گزرنے کے نہیں ہم
ہر عہد نبھائیں گے مکرنے کے نہیں ہم

ہم لوگ چراغوں کی ضیا بن کے جیئیں گے
ظالم! ترے ہاتھوں سے تو مرنے کے نہیں ہم

مشکل ہے تو مشکل سے نکلنے کا ہنر ہے
حالات کے منظر سے تو ڈرنے کے نہیں ہم

احساس کی جڑ دور تلک پھیل چکی ہے
جس دل میں سمائے ہیں اترنے کے نہیں ہم

ٹھہرے تو نئے خواب کی تعمیر کریں گے
کچھ دیر ترے شہر ٹھہرنے کے نہیں ہم

ہم سے تو کوئی کام ادھورا نہیں ہوتا
یہ کام کسی طور بھی کرنے کے نہیں ہم

خوشبو کی طرح گل سے نمودار ہوئے ہیں
خاشاک نہیں، یوں ہی بکھرنے کے نہیں ہم

ریشم کی طرح سینت کے رکھا تو رہیں گے
اک بار بکھرنے سے سنورنے کے نہیں ہم

ہم اپنی کہانی کو بدلنے نہیں دیں گے
بھولے گا نہیں کوئی بسرنے کے نہیں ہم

ہم تو کسی اپنے کی محبت میں جھکے تھے
اب اور کی دہلیز پہ دھرنے کے نہیں ہم

ہم زرد خزاؤں میں بھی خوش تاب رہے ہیں
سرسبز بہاروں میں نکھرنے کے نہیں ہم

ہم لوگ محبت میں بھی ہم درد ہیں ہمدم
وہ زخم ہیں سینے میں کہ بھرنے کے نہیں ہم

(م)

سحر کے خواب رکھے ہیں سر موج غزل ہمدم
سخن کے بام پر کھلتے رہیں تازہ کنول ہمدم

کسی گلشن میں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی
مجھے سرسبز رکھتا ہے مری رو ہی کا تھل ہمدم

تمامی عمر کٹتی ہے وفا کی بند گلیوں میں
بہت پر پیچ رستے ہیں محبت میں سنبھل ہمدم

میں جس کی موج میں جیتے ہوئے خوش تاب رہتا ہوں
ترے دم سے میسر ہے خوشی کا ایک پل ہمدم

مری تدبیر بھی تقدیر کے کاغذ پہ لکھی ہے
مرے ہاتھوں میں رہتا ہے مری محنت کا پھل ہمدم

مری دھڑکن تھمی کب ہے؟ کہ تیرے بن خیال آئے
مری آنکھوں نے کب دیکھا؟ ترا نعم البدل ہمدم

مجھے دیکھو، مجھے سمجھو، کہ میرا مسئلہ کیا ہے؟
نظر انداز کرنا تو نہیں مشکل کا حل ہمدم

قدم جو بھی اٹھاتا ہوں، تری جانب اٹھاتا ہوں
ترا آدھا سفر میں ہوں، مرے ہمراہ چل ہمدم

وہ بجھ کر بھی چراغوں کی زباں میں بات کرتے ہیں
وہ جن کا حوصلہ ہوتا نہیں دنیا میں شل ہمدم

ضرورت اور سہولت کے مطابق لوگ جیتے ہیں
محبت کون کرتا ہے کسی سے آج کل ہمدم

زمانے کے مسائل میں الجھ کر کچھ نہیں حاصل
سمے کی الجھنیں پیچاک ہیں فوراً نکل ہمدم

کسے ڈھونڈیں، کسے پائیں، کسے دیکھیں، کسے سمجھیں؟
کوئی تجھ سا نہیں ملتا جہاں میں بے مثل ہمدم

مرصع ساز آنکھوں میں مجھے رکھتا ہے کوزہ گر
کروں گا حسن معنی کو قرینے سے سجل ہمدم

(ن)

آئینہ ہے تیرا واصف اور میں ہوں انجان
دنیا تیرے حال سے واقف اور میں ہوں انجان

اندر کیا ہے؟ باہر کیا ہے؟ ہم دونوں کے بیچ
کھلنے لگے ہیں کتنے معارف اور میں ہوں انجان

میری مٹی، میرا گارا حرفِ کن؛ تخلیق
میرا مولا میرا عارف اور میں ہوں انجان

میرا کیس محبت ٹھہرا، کون کرے انصاف؟
کیسی گواہی؟ کیسا منصف؟ اور میں ہوں انجان

سب کا ساتھ نبھانے والا، اپنے آپ سے دور
میرا ہے ہم زاد مخالف اور میں ہوں انجان

مجھ کو پیار سے دیکھنے والے، گم کردہ کردار
گزری کہانی ہو گئے سالف اور میں ہوں انجان

عین و شین و قاف کا مطلب کیسے حفظ کروں؟
تجھ کو یاد ہیں کتنے صحائف اور میں ہوں انجان

رمز، کنایہ، ایما کیا؟ بھاؤ تاؤ کیا؟
دل کی خواہش ایک طوائف اور میں ہوں انجان

خوابوں کا بازار سجا ہے، ساگر کے اس پار
بکھرے پڑے ہیں کتنے لطائف اور میں ہوں انجان

حرفِ دعا سے ہوسکتا ہے، ہر مشکل کا حل
پڑھنے کو ہیں لاکھ وظائف اور میں ہوں انجان

غور سے چہرہ پڑھتا جائے، دھڑکن کا ہم راز
ایسا بھی ہے کوئی مصنف اور میں ہوں انجان

دھوپ نگر میں گھٹ جاتا ہے، ہوتا ہے لاچار
سایہ ہے سورج سے خائف اور میں ہوں انجان

دست و نطق پہ سنگ اٹھائے، جاہل چاروں سمت
شہر ہوا ہے گویا طائف اور میں ہوں انجان

شاہِ سخن ہوں، میری کنیزیں، غزلیں ہیں ہمدم
شعر ہوئے ہیں میرے کوائف اور میں ہوں انجان

(ن)

آنکھوں سے بولتا ہے محبت میں کم سخن
خاموش تو نہیں مری چاہت میں کم سخن

پھولوں سا کوئی لفظ، محبت کا ایک شعر
اترا ہوا ہے زہر سماعت میں کم سخن

میں جانتا ہوں اس نے منانا نہیں مجھے
مر ہی نہ جائے ہجر کی وحشت میں کم سخن

چپ لگ گئی لبوں کو ، نگاہیں خموش ہیں
کیا کیا نہیں سہے گا اذیت میں کم سخن

بولا نہیں جو جبر میں مارا گیا وہی
بے مول بک رہا ہے تجارت میں کم سخن

یہ ہجر بولتا ہے جدائی کے راگ میں
خاموشیوں کو توڑ ریاضت میں کم سخن

سب کچھ دکھا رہا ہے مگر بولتا نہیں
آئنہ ء جہاں ہے حقیقت میں کم سخن

احساس کی نمو سے مہکتا دکھائی دے
کس کیف اور جذب کی شدت میں کم سخن

خواہش کے آسمان سے اترا نہیں ابھی
ارضِ خیال و خواب کی جنت میں کم سخن

یہ رکھ رکھاؤ کیسی محبت کا راز ہے
کچھ اور بھی حسین ہے عادت میں کم سخن

سچ بولنے کی لت میں گرفتار ہو گیا
کیوں بولنے لگا ہے سیاست میں کم سخن

لہجے میں کیا مٹھاس ہے چکھی نہیں گئی
مجھ پر کھلا نہیں ابھی قربت میں کم سخن

خلجان کر نہ دے کہیں بے وقت گفتگو
پڑتا نہیں ہے گفتِ روایت میں کم سخن

آنکھوں سے دیکھنے کو بصارت نہیں رہی
تصویر ہو رہا ہے بصیرت میں کم سخن

کار جنوں میں سنگ بھی تیشہ نواز ہے
ڈرتا نہیں ہے عشق کی بیعت میں کم سخن

کم شعلگی میں نور سحر کا سراغ ہے
جلتا ہوا چراغ ہے ظلمت میں کم سخن

لایا ہے رنگ اپنی روایت نکال کر
ہمدم خیال یار ہے جدت میں کم سخن

(ن)

میں دشت قیس کو نکلا نہیں، دوانے سن !
مرا وجود یہیں ہے، مرے زمانے سن !

ترا مقام کوئی اور لے نہیں سکتا
مری جدائی میں روتے ہوئے نمانے سن !

میں آئنے کے جہاں سے یونہی نہیں نکلا
یہاں بھی نقش مرے ہیں سبھی پرانے سن !

مجھے تلاشنے والے مری زمین میں آ
چھپے ہوئے ہیں یہیں پر کئی خزانے سن !

ترے جمال پہ قرباں ، نثار آنکھوں پر
تری نظر پہ لگے ہیں سبھی نشانے سن !

یہ سرزمین کسی سے وفا نہیں کرتی
گزر چکے ہیں یہاں سے کئی یگانے سن !

جو باغ دل سے لگے گا وہ باثمر ہو گا
یہیں پہ سبز شجر ہیں یہیں پہ دانے سن!

محبتوں کی زمیں کا یہی تقاضا ہے
حسین خواب دکھاتے ہوئے ترانے سن!

یہی ہے وقت کی آواز دل کی دھڑکن میں
نئے سروں کے ترنم سے شادیانے سن!

مری نمود میں گاؤں کے پیڑ شامل ہیں
یہ دل کی بات ہے، دل سے ذرا سیانے سن!

سماعتوں میں جوانی کی یاد زندہ رکھ
سجا کے حلقۂ یاراں، پرانے گانے سن!

کھلی ہے سات سروں کے الاپ میں دنیا
پرانا راگ ہے لیکن کسی بہانے سن!

یہ شاعری نہیں ہمدم کی داستاں ہے پڑھ
لکھے ہوئے ہیں غزل میں کئی فسانے سن !

(ن)

فصل گل کا خراج ؛ ناممکن
کوئی خوشبو مزاج ؛ ناممکن

خارزاروں پہ پاؤں رکھتے ہوئے
سر پہ پھولوں کا تاج ؛ ناممکن

فکر جب لیر و لیر ہو جائے
چاک دامن پہ کاج ؛ ناممکن

اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل
ہائے ! ظالم سماج ؛ ناممکن

یہ روایت کبھی نہیں بدلی
وقت بدلے رواج ، ناممکن

ایک دوجے کی زندگی ہیں ہم
میں جیوں تیرے باج ؛ ناممکن

جز محبت کے اور چارہ گر
درد دل کا علاج ؛ ناممکن

وہ ہرے موسموں کا سوداگر
سب کو دے گا اناج ؛ ناممکن

ظلمتوں کا عروج ہے فی الحال
ہم چراغوں کا راج ؛ ناممکن

اب کوئی عہد ہی نہیں کرتا
لوگ رکھیں گے لاج ؛ ناممکن

خشک دریا ہے نیکیوں والا
بدلے چھلنی کے چھاج ؛ ناممکن

بے سہارا کے ساتھ کوئی نہیں
جیسے بیوہ کا داج ؛ ناممکن

زندگی کا ہے فلسفہ ہمدم
کل جو گزرا ہے آج ، ناممکن

(ں)

مرے ہم سخن! مرے ہم زباں! میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟
کوئی فاصلہ نہیں درمیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

کوئی خواب ہے نہ خیال ہے، نہ یقین ہے نہ گمان ہے
یہ سراب کیا ہے دھواں دھواں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

یہ دروں ہے کیا؟ یہ بروں ہے کیا؟ یہ فسوں ہے کیا؟ یہ جنوں ہے کیا؟
ذرا کھول دے یہ طلسمِ جاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

وہی سلسلے، وہی قربتیں، وہی دھڑکنیں، وہی رابطے
ہیں پون پون پہ رواں دواں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

تو جدھر جدھر، میں ادھر ادھر، تو جہاں جہاں، میں وہاں وہاں
وہ زمین ہو کہ ہو آسماں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

یہ جو روشنی کا ظہور ہے، مرے رنگ میں ترا نور ہے
یہ ہے مہر و ماہ کی کہکشاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

تو شجر شجر، میں نگر نگر، کبھی میرے گھر، کبھی تیرے گھر ﷺ
ترا آشیاں، مرا آشیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

کبھی اس گلی، کبھی اس گلی، ترے شہر میں، مرے شہر میں
وہی بام ہیں، وہی کھڑکیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

مرا جسم ہے، تری جان ہے، اسی ربط میں ہی امان ہے
یہ جو تھم نہیں رہیں ہچکیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

ترے رنگ سے مرا روپ ہے، تری چھاؤں سے مری دھوپ ہے
یہ محبتوں کی ہیں وادیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

تجھے ڈھونڈتا ہوں کہاں کہاں؟ تجھے دیکھتا ہوں کہاں کہاں؟
میں جہاں جہاں، تو وہاں وہاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

سر آئنہ ترا رنگ ہے، پس آئنہ مرا زنگ ہے
کبھی میں عیاں، کبھی تو عیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

مری زندگی کا چراغ ہے، تری زندگی کا سراغ ہے
میں سرورِ دل، تو وفورِ جاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

وہی راستے، وہی فاصلے، وہی ہجرتیں، وہی منزلیں
ہمیں جانتا ہے یہ کارواں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

وہی مے کدہ، وہی شام ہے، وہی اک نشہ، وہی جام ہے
وہی شوخیاں، وہی مستیاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

یہی کج رووں کا قصور ہے، یہی حاسدوں کا فتور ہے
نہیں جانتے یہ فلاں فلاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

یہ سرائے شام کی محفلیں ترے دم سے ہیں ترے نام سے
مرے ہم نشیں! مرے مہرباں! میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

کبھی سنگِ غالبِ خستہ جاں، کبھی آستانۂ میر پر
رہے ہم بھی ہمدمِ رفتگاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

یہ جو ہم سے دم کا وجود ہے ، یہ سپردگی کی نمود ہے
سو سمیٹتے ہیں یہ داستاں، میں کہاں نہیں؟ تو کہاں نہیں؟

(ں)

مجھ پہ کھلتا ہے محبت میں درِ ذوقِ جنوں
نام لیتا ہوں کسی کا بر سرِ ذوقِ جنوں

جوش رہنے کا نہیں یہ ہوش میں آنے کے بعد
کب سنورتا ہے بھلا کٹ کر پرِ ذوقِ جنوں

یہ پسینہ تو نہیں خونِ جگر کی آب ہے
میرے ماتھے پر چمکتا ہے زرِ ذوقِ جنوں

ماورائے چشم تو زنگار ہی زنگار ہے
آئنہ دکھلا رہا ہے پیکرِ ذوقِ جنوں

عشق کے آگے تمامی وحشتیں ناکام ہیں
کوئی جذبہ ہی نہیں ہے برترِ ذوقِ جنوں

کاٹتا ہے پتھروں کو غمزہ ء اہلِ وفا
تیشہ ء فرہاد ٹھہرا زیورِ ذوقِ جنوں

کیمرے کی آنکھ سے ہٹ کر نہیں دیکھا کبھی
ورنہ کیا کیا ہی بنا تا بتِ گرِ ذوقِ جنوں

آج پھر جگجیت کی آواز میں تجھ کو سنا
آج پھر برپا ہوا ہے محشرِ ذوقِ جنوں

چاک دامن سے کھلا دیوانگی کا مسئلہ
کیسی وحشت ہو گئی ہے مظہرِ ذوقِ جنوں

یہ فشارِ خون میرے جذب کا اظہار ہے
میری دھڑکن میں نہاں ہے جوہرِ ذوقِ جنوں

آنکھ رہتی ہے ہمیشہ سربلندی کی طرف
آسماں پر ہے کوئی تو اخترِ ذوقِ جنوں

نیند آتی ہے نہ مجھ کو چین پڑتا ہے کہیں
خواب نگری سے ورا ہے بسترِ ذوقِ جنوں

کیا تمنا پال رکھی ہے نگاہِ شوق میں
کاٹتا ہے (گر نہ دیکھوں) نشترِ ذوقِ جنوں

رک نہیں سکتے قدم دل کی طرف بڑھتے ہوئے
تو نے دیکھا ہی کہاں ہے تیورِ ذوقِ جنوں

ہر گھڑی مہمیز کرتی ہے مری رفتار کو
میری سانسوں میں مہکتی عنبرِ ذوقِ جنوں

برف زاروں میں نہاں آتش فشاں پھٹ جائے گا
چل پڑے گی ایک دن یہ صرصرِ ذوقِ جنوں

جذبہء دل رکھ دیا ہے مرمریں زنبیل میں
اوڑھ رکھی ہے سنہری چادرِ ذوقِ جنوں

کیا جبلت کام آتی ہے وفا کی جنگ میں
ٹوٹ پڑتا ہے عدو پر لشکرِ ذوقِ جنوں

غنچہء گل میں چٹکنے کی تڑپ کیا چیز ہے؟
پایا جاتا ہے کہاں یہ عنصرِ ذوقِ جنوں

مٹتے مٹتے زندگی یا تشنگی مٹ جائے گی
پی رہا ہوں میں نظر سے ساغرِ ذوقِ جنوں

سلسلہ دل کا جڑا ہے گردشِ ایام سے
عشق ٹھہرا ہے ہمارا محورِ ذوقِ جنوں

پاؤں رکتے ہی نہیں یہ آخری دھمال ہے
دل ہمارا ہو گیا ہے خوگرِ ذوقِ جنوں

بانٹتے ہیں قافلے میں ہم چراغِ زندگی
پڑ گیا ہے نام ہمدم رہبرِ ذوقِ جنوں

(ں)

یہ نہیں کہ دھرتی پر اپنی جان دیتے ہیں
ہم تو سانس لینے پر بھی لگان دیتے ہیں

کوئی کیا بتائے گا؟ عہد کیا، وفا کیا ہے؟
ہم وہی نبھاتے ہیں جو زبان دیتے ہیں

فرض ہو چکا ہے یوں قرض پاک مٹی کا
ہم زمین کے بدلے آسمان دیتے ہیں

نفرتوں کے سوداگر بیچتے ہیں مال اپنا
ہم تو بس محبت پر اپنا دھیان دیتے ہیں

دیکھتی ہی رہتی ہیں ، سیر ہی نہیں ہوتیں
یہ سراب آنکھوں کو کیا گمان دیتے ہیں

غم گسار لوگوں سے زندگی سنورتی ہے
حوصلہ محبت کا رازدان دیتے ہیں

ایسا وار کرتے ہیں سر اٹھا نہیں سکتا
ہر شکست دشمن کو نوجوان دیتے ہیں

دل میں رہنے والوں سے ساز باز کیا کرنا؟
پیار کے کرائے پر یہ مکان دیتے ہیں

عشق اور محبت میں سپلیاں نہیں ہوتیں
دل لگا کے پڑھتے ہیں ، امتحان دیتے ہیں

یہ پیام دھڑکن سے دھڑکنوں کو ملتا ہے
عشق والے مسجد میں کب اذان دیتے ہیں

وحشتوں کے ماروں کو یہ بھی سوچنا ہو گا
فاختہ کو جنگل میں کیوں امان دیتے ہیں

لال ہے حویلی کیوں ؟ سرخ رو وڈیرا کیوں؟
خون تو زمینوں کو یہ کسان دیتے ہیں

تلخیاں چھپانے سے ہم چھپا نہیں سکتے
دل پہ جو گزرتی ہے وہ بیان دیتے ہیں

باغ باں کچلتے ہیں حوصلہ پرندوں کا
کاٹتے ہیں بال و پر پھر اڑان دیتے ہیں

رسم ہے قبیلے کی ، رزق ہے محبت کا
باپ سے ملا ہے جو ماں کو مان دیتے ہیں

آستیں کے سانپوں سے پوچھنا تو بنتا ہے
دشمنوں کے ہاتھوں میں کیوں کمان دیتے ہیں

چلچلاتی سڑکوں پر کچھ شجر تو رہنے دو
دھوپ کے مسافر کو سائبان دیتے ہیں

جی رہے ہیں صدیوں سے اپنے ہی بھروسے پر
لوگ جانتے ہیں کیا حکمران دیتے ہیں

رخ بدل نہیں سکتے نارسا ہواؤں کا
کشتیوں کو موجوں کا بادبان دیتے ہیں

آؤ! رقم کرتے ہیں سلسلہ محبت کا
پھر نئے زمانے کو داستان دیتے ہیں

دشمنوں سے کیا شکوہ؟ دوستوں سے کیا لینا؟
یہ صلہ محبت کے قدردان دیتے ہیں

آئنے چمکتے ہیں خط و خال سے ہمدم
اک نظر میں لوگوں کی نسل چھان دیتے ہیں

حرف حرف لکھتے ہیں، شعر شعر میں ہمدم
درد جو محبت سے مہربان دیتے ہیں

(ں)

ڈھلی ہیں پتھر سے آئینے میں، سراب آنکھیں نئی نئی ہیں
ہزار چہرے، ہر ایک چہرے میں داستانیں کئی کئی ہیں

ہم اپنی مٹی کے پاک سونے کی قدر کب تک نہیں کریں گے؟
ہماری دھرتی پہ کتنی فصلیں ہیں سبز لیکن جبئی جبئی ہیں

یہ ظلمت شب گئے اجالوں کی داستانیں سنا رہی ہے
وہ صورتیں جو چراغ بن کر کبھی جلی تھیں، چھپی چھپی ہیں

ہمارے دل سے بڑا خزانہ کسی محل میں، کہیں نہیں ہے
بھری بھری یہ تجوریاں بھی محبتوں میں پٹی پٹی ہیں

وہ چاک پر سے گزار کر مجھ کو جانے کیا کیا بنا رہا ہے
مرے ملیدے میں کوزہ گر کی تمام سوچیں لئی لئی ہیں

یہ گرم ہوتی ہوئی رتوں میں ہے ہجر کا کرب ناک موسم
ابھی سے اپریل کی فضائیں اداس ہو کر مئی مئی ہیں

ہمیں اخوت میں ایک ہوتے ہوئے پیام وفا ملا تھا
تمام دنیا میں رہنے والے سبھی مسلماں بھئی بھئی ہیں

صدائے توحید ہے یہی کہ اسی کو ہر دم پکارنا ہے
خدا کے گھر میں خدا کے بندوں کی سب اذانیں حیٔ حیٔ ہیں

جو وقت گزرا کبھی پلٹ کر ہمیں دوبارہ نہیں ملے گا
تمام باتیں حسیں دنوں کی ہیں یاد پھر بھی گئی گئی ہیں

عجیب خانہ بدوش موسم ہماری دھرتی پہ آ گیا ہے
بکھر گئی ہیں تمام نسلیں، سبھی قبیلے زئی زئی ہیں

میں عام لفظوں میں دل کی باتیں بیان کرنے کی راہ پر ہوں
مرے قلم کے سفیر ہمدم حروف سارے رئی رئی ہیں

(ں)

ملنے جلنے کو بھی تہذیب بنا لیتے ہیں
ہم ملاقات کو تقریب بنا لیتے ہیں

جب ترا حسن قصیدے میں بیاں کرتے ہیں
مطلع ء جاں کو ہی تشبیب بنا لیتے ہیں

سچ تو دیوار کے چہرے پہ نظر آتا ہے
لوگ پاگل ہیں جو تکذیب بنا لیتے ہیں

وقت کی اینٹ سرِ خواب سرک جاتی ہے
روز تعمیر کو تخریب بنا لیتے ہیں

نقش کرتے ہیں فضاؤں میں سہانی یادیں
ہم تو حالات پہ تنصیب بنا لیتے ہیں

چاک پر میرے عناصر کی ضرورت کیا ہے؟
کیمیا گر بھی یہ ترکیب بنا لیتے ہیں

تیرا چہرہ ، تری خوشبو ، ترا لہجہ لے کر
پھول کھلنے کی بھی ترتیب بنا لیتے ہیں

کتنے سادہ ہیں؟ تری رمز و ادا کو صاحب!
ہم سمجھتے نہیں ترغیب بنا لیتے ہیں

تیری محفل میں نگاہوں سے سبق ملتا ہے
دل کے آداب کو تادیب بنا لیتے ہیں

بات کرتا ہوں محبت کی زباں میں ہمدم
میرے اشعار اسالیب بنا لیتے ہیں

(ں)

من پسند صورت کو دیکھ کر مچلتے ہیں
ہم تو بس محبت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

ساغر و سبو کیا ہے؟ مے کا رنگ، بو کیا ہے؟
مے کدے کی زینت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

کیا کہیں حکیموں سے اپنے دل کی کمزوری
دھڑکنوں کی عادت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

ساتھ ساتھ رستے پر بھیگنے کی خواہش میں
بارشوں کی شدت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

دل سے دل کے رشتے میں کچھ نشہ تو ہوتا ہے
بے قرار چاہت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

ساتھ چھوڑنے والے، جانے اب کہاں ہوں گے؟
گم شدہ مسافت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

پیاس اور بڑھتی ہے تجھ کو دیکھ لینے سے
خواب جنت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

بے خودی کے عالم میں، شاعری کے موسم میں
اپنے دل کی وحشت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

اب تو اپنے جینے کا آخری سبب یہ ہے
تیری شان و شوکت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

ہجر بڑھتے بڑھتے یوں دوریاں مٹاتا ہے
دل سے دل کی قربت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

پھول ہو کہ تارا ہو، تتلیاں کہ جگنو ہوں
کیسی کیسی نسبت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

ایک رنگ آتا ہے، ایک رنگ جاتا ہے
سرخ سرخ رنگت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

تجھ کو یاد کرنے کا راستہ نکلتا ہے
ہم بھی اپنی فرصت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

کچھ تو وقت ملتا ہے خود کو بھول جانے کا
بے خودی کی ساعت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

جدتوں کی خواہش نے راستہ دکھایا ہے
ہم نئ روایت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

تجھ سے پیار کرنے کا ایک پل غنیمت ہے
دو گھڑی کی مہلت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

تھک کے دل نہیں توڑا، حوصلہ نہیں چھوڑا
ہر نئ مصیبت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

کب ہوس کے مارے ہیں؟ ہم تو عشق میں ہمدم
زندگی کی دولت کو دیکھ کر مچلتے ہیں

(ں)

ایسا نہیں چمن میں ہرے ہی ہرے میں ہیں
کچھ زرد بھی خزاں کے سمے ہی سمے میں ہیں

کچھ کھو گئے کسی کی نگاہوں کے سحر میں
کچھ بن پیے شراب نشے ہی نشے میں ہیں

ثابت ہوا کہ ذہن پہ ظلمت کا راج ہے
فسطائیت پسند مزے ہی مزے میں ہیں

ہم سے بھی کم خیال تری آرزو رہے
کیسے کہیں خیال ترے ہی ترے میں ہیں

نا اہل ، نامراد بھی مسند پہ آ گئے
ایسا نہیں کہ لوگ بھلے ہی بھلے میں ہیں

چاروں طرف قطار میں منظر ہے ایک سا
آئینگی ہے یہ کہ دیے ہی دیے میں ہیں

اپنائیت بھری ہے تری تلخیوں کے بیچ
شکوے ترے حسین گلے ہی گلے میں ہیں

یہ کم خوشی نہیں کہ ترے ہاتھ سے ملے
نیلام ہو کے دام کھرے ہی کھرے میں ہیں

دریا سے پار عشق پہ کیا یقین ہے؟
سوہنی کے راستے بھی گھڑے ہی گھڑے میں ہیں

ہمدم غزل کا رنگ ہے میرے وجود میں
مصرعے مرے تمام مرے ہی مرے میں ہیں

(ں)

دلوں کے بیچ محبت ہی تال میل نہیں
یہ عشق جان کا سودا ہے کوئی کھیل نہیں

لکھا ہے نام ترا ، اپنے نام سے پہلے
کہ درج بالا محبت ہے ، درج ذیل نہیں

فرار ہو نہیں سکتا ، اسیر ہوں تیرا
یہ زندگی ہے مری جان! کوئی جیل نہیں

یہ دور ہجر ہے مشکل اسے دراز نہ کر
جو تیرے بس میں نہیں ہے وہ درد جھیل نہیں

میں تیری آنکھ کے دریا میں ڈوب سکتا ہوں
کہ میری پیاس تو پانی ہے ، کاک ٹیل نہیں

نہ کوئی ہاتھ ، نہ سیٹی ، نہ پیڑ برگد کا
کھڑا ہوں کب سے سٹیشن پہ کوئی ریل نہیں

مقام مسل نہیں سکتا تجھے کوئی سوہنی !
ہمارے چھچھ میں اگر تیرے سر پہ چھیل نہیں

وفا میں صفر بھی ہوتا ہے لاکھ بعض اوقات
اس امتحاں کے نتیجے میں فیل فیل نہیں

ترے وجود سے ہٹ کر مرا وجود کہاں ؟
خوشی خوشی ہی نہیں جو ترے طفیل نہیں

ڈرا رہا ہے ہمیں آئنہ نجانے کیوں؟
نگارِ ظلمت شب ہے ، کوئی چڑیل نہیں

ہمارے بام پہ بس خار دار تاریں ہیں
ہمارے لان میں پھولوں کی کوئی بیل نہیں

رواں دواں ہے ابھی کاروانِ دشت خیال
ملا ہے شتر تخیل ابھی نکیل نہیں

خدا کا شکر گنوائے نہیں پرندوں پر
ہمارے ہاتھ میں پتھر تو ہیں غلیل نہیں

ہمارے خواب کی دھرتی کو یوں نکیل نہ ڈال
یہ داشتہ نہیں ظالم ، تری رکھیل نہیں

یہ روشنی کا سفر یوں نہیں کٹا ہمدم
ہمارا خون جلا ہے دیے میں تیل نہیں

(و)

زندگی خواب ہے، اس خواب کی تعبیر ہے تو
میرے کمرے میں سجی آخری تصویر ہے تو

فرض کر میں نے تجھے پا ہی لیا ہے آخر
فرض کر میں ترا رانجھا ہوں، مری ہیر ہے تو

تیرے احساس کی خوشبو سے مہکتا ہوں میں
میری آنکھوں سے جھلکتی ہوئی تنویر ہے تو

باندھ رکھا ہے ہمیں جس نے محبت اندر
جسم سے روح کے مابین وہ زنجیر ہے تو

دل سے لکھتا ہوں تجھے دل سے غزل کرتا ہوں
دل کے کاغذ پہ محبت بھری تحریر ہے تو

کون جانے یہ مرا ناز، یہ نخرہ کیا ہے؟
اس خرابے میں مرا مان ہے، توقیر ہے تو

میں نے بس تجھ سے محبت کی عبادت کی ہے
کیا کہوں میری دعاؤں میں بھی تاثیر ہے تو

کیسے جنجال میں ہم دونوں الجھ بیٹھے ہیں
میں نہ صیاد نہ میرے لیے نخچیر ہے تو

تیری نسبت ہے میسر تو مجھے کیا غم ہے؟
بامِ امید پہ رکھی ہوئی تدبیر ہے تو

تیرے آنسو ہیں کہ جلتے ہوئے انگارے ہیں
دل سلگتا ہے مری جان کہ دل گیر ہے تو

دن گزارا ہے ترے ساتھ کہ تنہا ٹھہرا
رات کاٹی ہے ترے سنگ کہ شب گیر ہے تو

وقت کا ہاتھ گریباں کی گرہ کھولے گا
دل پہ جو نقش ہوئی جاتی ہے تقدیر ہے تو

دست بستہ ہوں، مجھے در پہ کھڑا رہنے دے
مرشدی! چشمِ کرم! مجھ پہ؛ مرا پیر ہے تو

تو نے سینے میں عجب حشر بپا رکھا ہے
جو دکھائی نہیں دیتا ہے وہی تیر ہے تو

قتل ہونے کو کئی جان بچھائے ہوئے ہیں
بے نیامی میں چمکتی ہوئی شمشیر ہے تو

لوگ کہتے ہیں محبت کی زباں بولتا ہوں
میرے لہجے میں بسی پیار کی تاثیر ہے تو

تیرے ہوتے ہوئے دنیا سے الجھ بیٹھا ہوں
میرا جذبہ، مرا نعرہ، مری تقریر ہے تو

کس قرینے سے شہید ہو کے یہاں تک پہنچا
میں مجاہد ہوں، مری جنتِ کشمیر ہے تو

آج بھی کرب و بلا سے یہ صدا آتی ہے
عشق پر جان لٹاتا ہوا شبیرؓ ہے تو

کھل ہی جائے گی کبھی رمز و ادا میں ہمدم
نامکمل ہے مگر عشق کی تفسیر ہے تو

(و)

تجھ کو دیکھوں ، نظر ہو نہ ہو
تو ملے تو سحر ہو نہ ہو

دل کی دھرتی پہ بس تو رہے
زندگی پھر بسر ہو نہ ہو

تیری خوشبو مری سانس ہے
کوئی برگ و ثمر ہو نہ ہو

میری منزل تری آرزو
سامنے رہ گزر ہو نہ ہو

بے خودی میں تجھے دیکھ لوں
مجھ کو اپنی خبر ہو نہ ہو

کوئی دریا نہ ہو بیچ میں
میں ادھر تو ادھر ہو نہ ہو

تیرا سایہ ہے کافی مجھے
راستے میں شجر ہو نہ ہو

نام تیرا ہے میرا سخن
شعر میں حرف تر ہو نہ ہو

دل پرندہ ہے اڑ جائے گا
عشق میں بال و پر ہو نہ ہو

دل کا سودا خسارہ سہی
میری دولت گہر ہو نہ ہو

جو بھی کرنا ہے کر لیجیے
یوں نہ ہو پھر ہنر ہو نہ ہو

سچ کہا جائے گا دار پر
چاہے شانوں پہ سر ہو نہ ہو

حسن ذوق نظر اور ہے
کوئی رشکِ قمر ہو نہ ہو

ہر گھڑی ، ہر قدم ساتھ ہیں
تو مرا ہم سفر ہو نہ ہو

دل کی نگری میں ہم تم جیے
میرا گھر ، تیرا گھر ہو نہ ہو

ایک دوجے کی جانب چلیں
فاصلہ مختصر ہو نہ ہو

ہم سر آئنہ یوں ملیں
بیچ دیوار و در ہو نہ ہو

دل سے دل تک ہے سیدھی سڑک
کوئی زیر و زبر ہو نہ ہو

میں ترا تھا ، ترا ہی رہوں
تو مرا چارہ گر ہو نہ ہو

شعر کہتا ہوں تیرے لیے
تجھ پہ ہمدم اثر ہو نہ ہو

(و)

خیال و خواب میں شامل نوائے اللہ ہو
صریر خامہء جاں ہے صدائے اللہ ہو

بس ایک نام مری دھڑکنوں کا نغمہ ہے
بنا ہوا ہے مرا دل برائے اللہ ہو

اسی کے دم سے فروزاں ہیں میرے چودہ طبق
چہار سمت ہے سر پر قبائے اللہ ہو

یہ سبز رنگ لبادہ قبائے حسن ازل
یہ میری سبز خیالی ردائے اللہ ہو

مری رگوں میں رواں ہے شعورِ صوم و صلواۃ
مری تمام عبادت ادائے اللہ ہو

مری زبان حسیں ذائقے سے واقف ہے
مرے لبوں پہ رہی ہے دعائے اللہ ہو

صدائے حق سے مکمل وجود کا موسم
فضائے عشق کا مطلب فضائے اللہ ہو

بھرے ہیں وہم وگماں سے لگے ہوئے گھاؤ
مریضِ عشق نے پائی شفائے اللہ ہو

مرے خمیر میں شامل ہے نقشِ کوزہ گر
وجودِ ہست سے رکھی وفائے اللہ ہو

سوائے حق مرے کاسے میں کچھ نہیں رکھا
کسی فقیر نے دی ہے گدائے اللہ ہو

یہ رقص رمزِ نہاں آشکار کرتا ہے
صدائے مست قلندر دکھائے اللہ ہو

یہی تو بحرِ کرم ہے مرے لیے ہمدم
تمام عمر ملی ہے عطائے اللہ ہو

(و)

دل کے مصرعے پہ تازہ غزل تو کہو
ہم سخن شعر کوئی سجل تو کہو

کوئی لمحہ مرے نام روشن رکھو
میری صدیوں کو تم ایک پل تو کہو

ڈس رہی ہے مجھے بے حسی کی ادا
بات کوئی کبھی بر محل تو کہو

استعارہ نیا ، کوئی تشبیہ نئی
حسن کا کوئی نعم البدل تو کہو

جبر میں بے زبانی سے کیا فائدہ؟
ہر عمل کا ہے رد عمل تو کہو

خود بخود سارے کردار کھل جائیں گے
جو چول ہے اسے تم چول تو کہو

میں تمھارے لیے کتنا آسان ہوں
میری مشکل کا ہے کوئی حل تو کہو

خشک تالاب میں کوئی غنچہ نیا
جھیل میں کوئی کھلتا کنول تو کہو

تم سلجھتے گئے میں الجھتا گیا
رہ گیا ہے اگر کوئی بل تو کہو

میں قفس میں تراشا ہوا شخص ہوں
ہو گئے بال و پر میرے شل تو کہو

دھڑکنوں سے نمودار ہوتی ہوئی
یہ محبت دلوں کا ہے پھل تو کہو

رمز کھل جائے گی عکس بن جائے گا
نقش اول کو حسن ازل تو کہو

بے مثل نقش ہمدم نظر آئے گا
کچھ سر آئنہ بے مثل تو کہو

(و)

الفاظ کی خوشبو ہے کہ قرطاس کی خوشبو
مہکی ہے کتابوں میں جو احساس کی خوشبو

پھر یاد کے آنگن میں نئے پھول کھلے ہیں
دالان میں پھیلی ہے ہری گھاس کی خوشبو

چاہت بھرے لفظوں سے مہکتا ہوا لہجہ
لہجے سے نمایاں ترے انفاس کی خوشبو

دھڑکن مرے سینے میں سمائی نہیں جاتی
سانسوں میں سمائی ہے کسی خاص کی خوشبو

ہر سانس پہ پھولوں کی حقیقت نہیں کھلتی
عکس گل جاں ہے کسی حساس کی خوشبو

منظر یہ کسی آنکھ سے دیکھا نہیں جاتا
تصویر میں ہے دیدۂ عکاس کی خوشبو

ترشے ہوئے پتھر کے خد و خال نہیں ہیں
رنگوں میں فروزاں نہیں الماس کی خوشبو

پھولوں میں نہاں کوئی حسیں ناچ رہا ہے
کلیوں کی لہک ہے کسی رقاص کی خوشبو

کچھ اور مہکتا ہے مرے قریہء جاں میں
ہے آس کی خوشبو نہ ترے پاس کی خوشبو

اس طور بھی کچھ پھول دکھاتی ہے چمن میں
چہروں سے جھلکتے ہوئے افلاس کی خوشبو

لوہے کی چمک ہے مرے ماتھے کا پسینہ
کھلیان کی رونق مرے اجناس کی خوشبو

وہ آج بھی دنیا میں وفا بانٹ رہا ہے
ورثے میں ملی ہے جسے عباسؑ کی خوشبو

یہ فصل سخن دل سے نمودار ہوئی ہے
ہمدم ہے مری بات میں اخلاص کی خوشبو

(و)

محبت کا آغاز ، تمہید تم ہو ، مری عید تم ہو
نئ زندگی ، میری تجدید تم ہو ، مری عید تم ہو

تصور میں احساس پر بس تمھاری محبت سجی ہے
کئی سال سے میری خوش دید تم ہو، مری عید تم ہو

سبھی استعارے، کنائے، نظارے تمھارے لیے ہیں
سر آئنہ حسن تجرید تم ہو ، مری عید تم ہو

غم جاں، غم ہجر، تنہائیاں، وحشت دل ہے تم بن
ہر اک غم کی بس ایک تردید تم ہو، مری عید تم ہو

کئی لوگ ایسے ہیں جن کو بھلانے کی خواہش ہے لیکن
نہیں جس پہ کوئی بھی تنقید تم ہو، مری عید تم ہو

تمھیں جب سے دیکھا، تمھیں جب سے چاہا، تمھیں جب سے پایا
ہوئی دھڑکنوں سے یہ تاکید تم ہو، مری عید تم ہو

نہیں کوئی منزل تمھارے سوا اور کوئی نہیں ہے
محبت کے رستے پہ تقلید تم ہو، مری عید تم ہو

تمھاری نظر سے زمانے کے شام و سحر دیکھتا ہوں
مری روشنی، ماہ و خورشید تم ہو، مری عید تم ہو

محب اور محبوب میں مشترک ایک رشتے کی صورت
محبت کی "ب" پر جو تشدید تم ہو، مری عید تم ہو

یہی شاعری ہے مری ہم سخن، ہم زباں جان ہمدم
غزل کی سحر، چشم ناہید تم ہو، مری عید تم ہو

(ہ)

مسکراتا ہوا حسیں لہجہ
پھول جیسا ہے دل نشیں لہجہ

مسکراتی ہیں بولتی آنکھیں
پیار جیسا کوئی نہیں لہجہ

شکریہ ! حرف کا بھرم رکھا
آرزوؤں کا ہے امیں لہجہ

لڑکھڑاتی نہیں زبانِ دل
بات سچی ، مرا یقیں لہجہ

شاعری ہے کہ رمز کی باتیں
کس کنائے پہ ہے نگیں لہجہ

اپنی خوشبو کا رنگ گھولتا ہے
دھڑکنوں کے بہت قریں لہجہ

کیا غزل کی حسین بندش ہے
تان دیپک ہے ، بھیروں لہجہ

یہ محبت کا استعارہ ہے
پھول لکھا جہاں وہیں لہجہ

لفظ احساس میں اترتے ہوئے
ہے سماعت میں جا گزیں لہجہ

کون اردو زبان بولتا ہے
کس نے پایا حسیں تریں لہجہ

بات اچھی سہی مگر پھر بھی
دل جلاتا ہے آتشیں لہجہ

زہر آلود ہے فضا تو کیا؟
مجھ کو امرت ہے انگبیں لہجہ

جیسے پھولوں پہ پڑ رہی شبنم
کتنا نازک ہے ، نازنیں لہجہ

آہ سے واہ تک پہنچتا ہے
کتنا گہرا ہے نکتہ چیں لہجہ

بات دل میں اترنے لگتی ہے
اور کیا ہو گا بہتریں لہجہ

عام لفظوں کو خاص کرتا ہے
نغمگی کی ہے سرزمیں لہجہ

گفتگو ہے کہ موجۂ گل ہے
خوب صورت ہے مہ جبیں لہجہ

کوئی غزل سناتا ہے
بولتا ہے کہیں کہیں لہجہ

شاعری ہم کلام ہے ہمدم
آفریں شعر ! آفریں لہجہ

(ہ)

عکس کھلنے لگا زاویہ زاویہ
میں سمٹنے لگا دائرہ دائرہ

خود کو دیکھے گیا تیری آنکھ سے
زندگی ہو گئی آئنہ آئنہ

قافلے سے ملا دل بھٹکتا ہوا
منزلیں مل گئیں راستہ راستہ

دشت آنکھوں سے دل کا سمندر ملا
طے کیا ہے سفر مرحلہ مرحلہ

احترامِ وفا ہے مقامِ وفا
دل کا آئین ہے ضابطہ ضابطہ

ہوتے ہوتے محبت مکمل ہوئی
یہ عمارت بنی منزلہ منزلہ

دھڑکنیں ایک لے میں مچلنے لگیں
دل غزل ہو گیا قافیہ

فون ، پیغام ، کال اور ملاقات تک
ہم بھی ملتے گئے رابطہ رابطہ

عقل سے ماورا عشق ہونے لگا
پیار بڑھنے لگا معجزہ معجزہ

فارعہ تو کسی اور کی ہو گئی
جون کہتا رہا فارعہ فارعہ

رسمِ حرفِ سخن رائگاں تو نہیں
ہم سنے جائیں گے تذکرہ تذکرہ

فلسفہ عشق کا ہم نے سائنس کیا
معتبر ہو گئے تجربہ تجربہ

ایسے ملنے سے بہتر، بچھڑ جائیں ہم
چھوڑیے ! جائیے ! تخلیہ ! تخلیہ !

ہم نے جدت کو اپنی روایت کیا
شاعری ہو گئی ریختہ ریختہ

کیا ہوا اشک آنکھوں میں لہرا گئے
بات بڑھتی گئی قہقہہ قہقہہ

ہاتھ میں ہاتھ لے کر مسافر چلے
کارواں بن گیا قافلہ قافلہ

ہر قدم گردشِ غم سے پالا پڑا
مشکلیں حل ہوئیں مسئلہ مسئلہ

ایک وحشی نے سرحد پہ حملہ کیا
امن کہتا رہا فاختہ فاختہ

اپنے بارے میں دشمن سے بھی رائے لی
خود کو پڑھتا گیا حاشیہ حاشیہ

بات سے بات نکلی فسانہ ہوئی
داستاں ہو گئی واقعہ واقعہ

صبح سے شام تک عمر ڈھلتی رہی
وقت کٹتا رہا ثانیہ ثانیہ

دل میں آئی جو ہمدم وہی بات کی
ہم نے کھیلا نہیں فلسفہ فلسفہ

(ہ)

آخری رہ گزر ، آخری راستہ
روشنی کا سفر آخری راستہ

تیری آنکھ سے میری پہلی نظر
اور پیشِ نظر آخری راستہ

تیری جانب اٹھا میرا پہلا قدم
چل مرے ہم سفر ، آخری راستہ

میرا عزمِ سفر ، میرا پختہ یقیں
منزلوں کی ڈگر ، آخری راستہ

میری منزل نے دل سے پکارا مجھے
چھوڑنا ہے مگر آخری راستہ

گم رہی کے ہزاروں نشاں ہیں مگر
راہِ لعل و گہر ، آخری راستہ

روشنی کیا کھلی ، چاندنی ہو گئی
دیکھ رشکِ قمر ! آخری راستہ

دیکھتے دیکھتے ، آگہی مل گئی
جستجو کا ثمر ، آخری راستہ

تھام لینا مرا ہاتھ بھی جانِ جاں
دیکھ لینا اگر آخری راستہ

ہم نے منزل کی الجھن رفو کی مگر
کیوں ہے زیر و زبر آخری راستہ

زندگی ختم ہے سانس کے موڑ پر
ڈھونڈ لے بے خبر آخری راستہ

گر چکی ٹوٹ کر آخری تیغ بھی
ڈھونڈتی ہے سپر آخری راستہ

وحشتِ دل ہے، ظلمت ہے، آسیب ہے
الحذر ! الحذر ! آخری راستہ

ہم بھٹکتے ہوئے راہ میں کھو گئے
اب دکھائے خضر، آخری راستہ

لکھ رہا ہوں کہانی میں انجام سے
میرا پہلا ہنر آخری راستہ

خواب زاروں نے آنکھوں کو دھوکہ دیا
کوئی آئے نظر آخری راستہ

میری تخریب سے میری تعمیر ہے
وقت کا ہے کھنڈر آخری راستہ

میرا پہلا پڑاؤ ہے دارالاماں
اور جنگِ بدر آخری راستہ

سیڑھیاں چڑھ رہی ہیں فلک کی طرف
ہے زمیں سے مفر آخری راستہ

مشکلیں کاٹ کر مجھ پہ عقدہ کھلا
اتنا آسان تر آخری راستہ

ایک ٹیڑھی گلی زندگی کا سفر
ایک بوڑھا شجر آخری راستہ

دل کی ناؤ گھری موجِ عشق میں
بیچ دریا بھنور آخری راستہ

دل مچلنے لگا خواب کے بام پر
اے چراغِ سحر ! آخری راستہ

آدمیت کا کوئی ٹھکانہ نہیں
ڈھونڈتا ہے بشر آخری راستہ

جبر کی ان فصیلوں میں جائیں کہاں؟
کس گلی ؟ کس نگر ؟ آخری راستہ

زندگی کا سفر اتنا مشکل نہ تھا
کر لیا مختصر آخری راستہ

دل کی ویران گلیوں میں کوئی نہیں
اے مرے چارہ گر ! آخری راستہ

واپسی کا سفر مجھ سے ممکن کہاں؟
لے اڑا بال و پر آخری راستہ

خواہشوں کی گلی پر بھروسہ نہیں
رہ گیا معتبر آخری راستہ

کتنی گلیوں کو طے کر کے چھوڑ آئے ہیں
رہ گیا منتظر آخری راستہ

بے خودی کا سفر بے خبر کٹ گیا
اختیاری سفر آخری راستہ

لوگ اپنا ہنر آزماتے رہے
طے ہوا بیش تر آخری راستہ

کٹتے کٹتے شبِ ہجر بھی کٹ گئی
طے کیا چشمِ تر ، آخری راستہ

شہرِ دل بند گلیوں پہ تعمیر ہے
ہیں یہی بام و در آخری راستہ

سب نے طے کر لیا ممکنہ فاصلہ
آ گیا میرے سر آخری راستہ

بند پنجرے سے باہر تھا صیدِ زبوں
مر گیا توڑ کر آخری راستہ

رکھ دیا آئنہ وقت نے بیچ میں
رہ گیا آنکھ بھر آخری راستہ

ہجرتوں کے سفر میں نہ بھولا مگر
وہ گلی ، میرا گھر ، آخری راستہ

بیچ ہمدم کوئی بھی کنارہ نہیں
ہے ادھر اور ادھر آخری راستہ

(ہ)

نئے چراغ جلانے کا واقعہ ہے یہ
سحر کے بام پہ آنے کا واقعہ ہے یہ

حسین وقت گزارا تھا ایک ساتھ کبھی
حسین یاد دلانے کا واقعہ ہے یہ

یہی تو ہے جو مرے پیار کا اثاثہ ہے
کسی سے آنکھ ملانے کا واقعہ ہے یہ

کنارِ آب محبت سے دیکھنا ایسا
دلوں کی پیاس بجھانے کا واقعہ ہے یہ

بھلا دیا تھا گزرتے ہوئے زمانے کو
پرانے نقش مٹانے کا واقعہ ہے یہ

حسین یاد کے جھونکے نہال کرتے ہیں
فراق و ہجر گھٹانے کا واقعہ ہے یہ

نجانے کب مری سانسوں کی ڈور کٹ جائے
چلے بھی آؤ ! کہ آنے کا واقعہ ہے یہ

مری تھمی ہوئی دھڑکن بحال رکھتا ہے
نظامِ قلب چلانے کا واقعہ ہے یہ

بدن سے روح تلک انتظار ہے تیرا
دل ونظر کو بچھانے کا واقعہ ہے یہ

اسی سے شعر کو حسنِ خیال ملتا ہے
پرانے گیت سنانے کا واقعہ ہے یہ

بس ایک پل میں ہوئے تھے تمام راز ونیاز
دلوں کا حال بتانے کا واقعہ ہے یہ

پھر اس کے بعد کوئی ڈوب کر نہیں نکلا
کسی کے دل میں سمانے کا واقعہ ہے یہ

یہ زخم سب کو دکھانے سے بھر نہیں سکتا
پرانا درد چھپانے کا واقعہ ہے یہ

کسی کے پیار نے دنیا بدل کے رکھ دی تھی
جہانِ خواب دکھانے کا واقعہ ہے یہ

نہ میرے دل نے محبت میں خودکشی کی ہے
نہ اپنا آپ گنوانے کا واقعہ ہے یہ

ہمارے دل بھی ہوئے تھے نثار آنکھوں پر
کسی پہ جان لٹانے کا واقعہ ہے یہ

کسی نے پیار سے کھولا تھا دل کا دروازہ
اجاڑ گھر کو بسانے کا واقعہ ہے یہ

جبیں پہ ہونٹ رکھے اور دل سے چوم لیا
وفا کی مہر لگانے کا واقعہ ہے یہ

نگاہیں بول رہی تھیں گداز لہجے میں
محبتوں کو بڑھانے کا واقعہ ہے یہ

دل و نظر میں کسی کا چراغ جلتا ہے
کہ اپنے آپ کو پانے کا واقعہ ہے یہ

ہتھیلیوں پہ محبت کا خواب رکھا تھا
دعا میں ہاتھ اٹھانے کا واقعہ ہے یہ

چھڑا کے ہاتھ نہ جاؤ ! کہ یاد تو ہو گا
ملا کے ہاتھ نہ جانے کا واقعہ ہے یہ

بس ایک دن جو مری زندگی کا حاصل ہے
کسی سے عہد نبھانے کا واقعہ ہے یہ

کوئی ہماری طرح یوں نہیں جیا ہو گا
سنا نہیں نہ سنانے کا واقعہ ہے یہ

یہ داستانِ محبت بھری کہانی ہے
ہمارے بیچ فسانے کا واقعہ ہے یہ

کسی گلاب نے چوما تھا پیار سے ہمدم
غزل میں پھول سجانے کا واقعہ ہے یہ

(ہ)

مری زندگی، مرا فلسفہ، مرا مسئلہ
کوئی ناتمام سا دائرہ، مرا مسئلہ

ترا مسئلہ کوئی اور ہے مرے ہم سخن
کوئی اور ہے مرے ہم نوا، مرا مسئلہ

کوئی کرب ہے نہ ملال ہے، غمِ ہجر میں
ترے میرے بیچ ہے فاصلہ، مرا مسئلہ

مری دھڑکنیں تری دھڑکنوں سے الگ نہیں
نئی قربتوں کا ہے مرحلہ، مرا مسئلہ

میں ہوں شاخِ گل سے ملا ہوا نہ کھلا ہوا
گئے موسموں سے ہے رابطہ، مرا مسئلہ

کبھی حالِ دل تو سنا ہی دے مجھے پیار سے
تری داستاں کا ہے واقعہ، مرا مسئلہ

کبھی نبض چھو کے دکھاؤں گا اسے کیا ہوا ؟
ہے مریضِ غم کا یہ عارضہ، مرا مسئلہ

ترا نام لے کے چھپا سکوں نہ محبتیں
سرِ عام ہے ترا تذکرہ ، مرا مسئلہ

میں ترے حصار سے آج تک نہ نکل سکا
سرِ خواب ہے وہی رتجگا ، مرا مسئلہ

مجھے فکر ہے کہ سحر نہیں مرے سامنے
یہ لٹا لٹا سا ہے قافلہ، مرا مسئلہ

مری روشنی ، مری صبحِ نو کہیں اور ہے
شبِ غم نہیں ہے چراغ سا، مرا مسئلہ

کہیں تیر ہے کوئی تاک میں، کہیں سانپ ہیں
ہے ڈری ڈری ہوئی فاختہ، مرا مسئلہ

مجھے لکھ سکا نہ کوئی کسی بھی کتاب میں
نہیں کھینچتا کوئی حاشیہ ، مرا مسئلہ

دلِ گم شدہ ، مجھے اپنی آپ تلاش ہے
مرے پاس ہے مرا تخلیہ، مرا مسئلہ

مرے پاس کچھ، ترے پاس کچھ، نہیں اور کچھ
یہی کچھ نہ کچھ کا ہے سلسلہ ، مرا مسئلہ

میں خلوصِ دل سے رفو کروں گا یہ الجھنیں
تری کش مکش ، ترا مسئلہ ، مرا مسئلہ

یہ عجیب سی کوئی جنگ ہے جو وجود میں
یہی خیر و شر کا ہے معرکہ، مرا مسئلہ

تو یہاں بھی ہے، تو وہاں بھی ہے، مرے ہم سفر
نہیں درمیاں کوئی دوسرا ، مرا مسئلہ

مجھے جاننے کا جو دکھ ملا ، مرا روگ ہے
مری خامشی میں ہے ان کہا، مرا مسئلہ

مرے ہاتھ میں کوئی نقش ہے نہ لکیر ہے
یہ ادھر ادھر کا ہے زاویہ ، مرا مسئلہ

میں ہوں ہمدم سرِ آئنہ ، پسِ آئنہ
مری آگہی کا ہے راستہ ، مرا مسئلہ

(ہ)

الجھ گیا ہوں زمانے کے ساتھ خواہ مخواہ
جڑا ہے نام فسانے کے ساتھ خواہ مخواہ

مرے خرد نے کہیں کا مجھے نہیں چھوڑا
چلا ہوں ایک دوانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ کون لوگ مجھے قیمتی سمجھتے ہیں
گنیں گے مجھ کو خزانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ جنگ میری نہیں تھی، نہ ہے، نہ ہوگی مگر
نظر ملی ہے نشانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ انفراد ملا ہے مجھے محبت میں
یونہی نہیں ہوں یگانے کے ساتھ خواہ مخواہ

محبتوں میں تکلف کی کیا ضرورت ہے
ملا ہوں تجھ سے بہانے کے ساتھ خواہ مخواہ

جو آگ توپ سے نکلی ہے دل جلائے گی
دھواں اٹھا ہے دہانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ زندگی کا سفر ہے کہیں نہیں رکتا
کھڑا ہوا ہوں ٹھکانے کے ساتھ خواہ مخواہ

صدا جو دل سے نکلتی ہے دل پہ لگتی ہے
میں رقص کرتا ہوں گانے کے ساتھ خواہ مخواہ

بہل رہا تھا تری واپسی کے وعدے سے
تڑپ اٹھا ترے جانے کے ساتھ خواہ مخواہ

ہوا کا ہاتھ مری روشنی سمجھتا ہے
جلا چراغ جلانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ دو دلوں کی کسک ہے یونہی نہیں جاتی
بڑھا ہے درد گھٹانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ عاجزی کی روایت بھی اک تقاضا ہے
جھکا ہوں دل کو جھکانے کے ساتھ خواہ مخواہ

یہ چور لوگ کسی اژدھے سے کم تو نہیں
پڑا ہے سانپ خزانے کے ساتھ خواہ مخواہ

مرا سخن مرے دل کی زبان ہے ہمدم
کھلا ہے شعر سنانے کے ساتھ خواہ مخواہ

(ہ)

دیارِ جاں میں ہمارا ، کھلا ہے دروازہ
کسی نے دل سے پکارا ، کھلا ہے دروازہ

دیا جلا ہے کہیں ہجر میں کواڑوں بیچ
چمک رہا ہے ستارہ ، کھلا ہے دروازہ

کہ اب تو روشنی چھننے لگی ہے آنکھوں سے
دکھا رہا ہے نظارہ ، کھلا ہے دروازہ

یہ کس نے کھینچ کے زنجیر میں زباں رکھ دی
مٹا ہے کس کا اجارہ ، کھلا ہے دروازہ

لگی ہے آگ برابر ، بجھائے کون اسے؟
ادھر ادھر ہے شرارہ ، کھلا ہے دروازہ

کوئی چراغ بجھایا نہیں گیا ہے ابھی
سمجھ گیا ہوں اشارہ ، کھلا ہے دروازہ

کسی نے پھر سے منانے میں پہل کر دی ہے
ہمارے دل پہ دوبارہ ، کھلا ہے دروازہ

ہمارے بس میں نہیں تھا کہ روکتے خود کو
رہا نہیں کوئی چارہ ، کھلا ہے دروازہ

ترس گئی تھی سماعت حسین دستک کو
کسی کے ہجر کا مارا ، کھلا ہے دروازہ

مرے خلوص نے کھولے ہیں طاقچے دل کے
جبیں نے در کو سنوارا ، کھلا ہے دروازہ

نظر کے بام پہ آیا ہے کون کھڑکی سے
کہ اب تو سارے کا سارا، کھلا ہے دروازہ

رہائی موجب ء گل کو بھی مل گئی آخر
صبا نے باغ نکھارا ، کھلا ہے دروازہ

وگرنہ کون خزاؤں کے پاس آتا ہے؟
چمن کو ہم نے بہارا ، کھلا ہے دروازہ

کواڑ کھلتے گئے اور سبیل ہوتی گئی
جو کھڑکیوں کو شمارا ، کھلا ہے دروازہ

گلہ نہیں ہے ہمیں شہر کی فصیلوں سے
نہیں ہے دوش تمھارا ، کھلا ہے دروازہ

ترس گئی ہیں نگاہیں ترے نظارے کو
چلے بھی آؤ ! خدارا ! کھلا ہے دروازہ

کھلے نہیں تھے کبھی اپنے سائے پر بھی ہم
انا کا بوجھ اتارا ، کھلا ہے دروازہ

چراغ بجھنے لگے تھے اندھیر نگری میں
ہوا کے ہاتھ سے ہارا ، کھلا ہے دروازہ

ہمارے بیچ کا دریا ہمیں ملائے گا
نہیں ہے دور کنارہ ، کھلا ہے دروازہ

کسے بساط اجالوں کو روک لے ہمدم
درون شب ہے خسارا ، کھلا ہے دروازہ

(ی)

دل میں رکھی ہوئی ہیں دلیلیں نئی نئی
جینے کے واسطے ہیں سبیلیں نئی نئی

کیا فیصلہ ہوا ہے محبت کے باب میں
دائر ہوئی ہیں مجھ پہ اپیلیں نئی نئی

کس جبر کی فضا ہے تحفظ کے نام پر
چاروں طرف کھڑی ہیں فصیلیں نئی نئی

جب سے شکاریوں کو نئے بال و پر لگے
اڑنے لگیں فضاؤں میں چیلیں نئی نئی

منظر ادھر بھی ہے تو نظارا ادھر بھی ہے
آنکھوں کے آر پار ہیں جھیلیں نئی نئی

کانٹے ہیں خوش نما، کہیں پھولوں میں خار ہیں
چبھتی ہیں میرے پاؤں میں کیلیں نئی نئی

آنکھوں میں پیار، پیار کے اندر بھری ہوئی
کچھ بوتلیں شراب کی پی لیں نئی نئی

آؤ! کہ جبر و ہجر کی دنیا کو چھوڑ کر
جو زندگی ملی ہے وہ جی لیں نئی نئی

صدقے میں دے رہے ہیں محبت سمیٹ لیں
دل سے کشید کر کے ابھی لیں نئی نئی

ہمدم قبائے حرف پہ زخموں کے پھول ہیں
پوشاک کوئی اور بھی سی لیں نئی نئی

(ی)

سفید کو تم سیاہ کر دو ، تمھاری مرضی
جسے بھی چاہو تباہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھارے ہاتھوں میں ظلمتوں کا نظام سارا
چراغ بھی روسیاہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھارے پاؤں میں پھول بھی خار ہو رہے ہیں
بہار بھی بے سراہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمام مہرے تمھاری انگلی پہ ناچتے ہیں
غلام کو بادشاہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھاری ساری کرشمہ سازی منافقت ہے
ثواب سارے گناہ کر دو، تمھاری مرضی

تمھیں تو اپنوں سے دشمنی کا سبق ملا ہے
جھکا کے سر کج کلاہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھارے ابرو کے اک اشارے کے منتظر ہیں
بتوں کو اپنی سپاہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھاری بولی تو گنگ پتھر بھی بولتے ہیں
جو مدعی ہیں گواہ کر دو تمھاری مرضی

منافقت کے تمام قصے تمھارا ورثہ
عدو سے چاہے نباہ کر دو، تمھاری مرضی

تمھاری صف میں ہیں میر جعفر و میر صادق
جہاں پناہ ! بے پناہ کر دو، تمھاری مرضی

تمھاری مرضی کہ پیش منظر بدل کے رکھ دو
یہ آئنے کم نگاہ کر دو ، تمھاری مرضی

تمھاری گفتار سے بدلتی ہے بات ساری
سیاہ شب کو پگاہ کر دو ، تمھاری مرضی

سبھی لٹیروں کے راز تم پر عیاں ہوئے ہیں
جو راہ زن سر براہ کر دو ، تمھاری مرضی

عدو کا ڈر بیچنا تمھارا ہی مشغلہ ہے
قدم قدم انتباہ کر دو ، تمھاری مرضی

یہ سامراجی اصول تم بھی تو جانتے ہو
لکیر کو شاہ راہ کر دو ، تمھاری مرضی

مری زمیں کے خداؤ ! تم ہی تو راہبر ہو
سراب گہرے گپھاہ کر دو، تمھاری مرضی

تمھاری ٹھوکر پہ آ گئے سو ہماری قسمت
ہماری جاں سنگ راہ کر دو ، تمھاری مرضی

محبتوں کا نصاب ہمدم کا آسرا ہے
یہ رزم گاہ ، درس گاہ کر دو ، تمھاری مرضی

(ی)

سائے جدا ہوئے تو قیامت گزر گئی
جب ہم خفا ہوئے تو قیامت گزر گئی

کچھ بھی نہ کہہ سکا میں شکایت کے باوجود
شکوے عطا ہوئے تو قیامت گزر گئی

بے بال و پر کسی بھی قفس میں نہ رہ سکے
پنچھی رہا ہوئے تو قیامت گزر گئی

اک موڑ زندگی کا فسانہ بدل گیا
رستے انا ہوئے تو قیامت گزر گئی گئی

لج پال دوستی کا زمانہ گزر گیا
دل بے وفا ہوئے تو قیامت گزر گئی

چارہ گروں نے ہاتھ اٹھایا تھا اور بس
غم لا دوا ہوئے تو قیامت گزر گئی

دستار گر پڑی ہے تکبر کے بام پر
سر کج ادا ہوئے تو قیامت گزر گئی

جلتے ہوئے چراغ بجھے اپنی آگ سے
شعلے ہوا ہوئے تو قیامت گزر گئی

کیا نماز عشق میں وقت قیام تھا
سجدے قضا ہوئے تو قیامت گزر گئی

موجِ فرات فکر میں ایسا وفور تھا
غم کربلا ہوئے تو قیامت گزر گئی

اک سرسری سلام وتعارف کے بعد ہم
جب آشنا ہوئے تو قیامت گزر گئی

یہ ارتقائے نفس بھی محشر سے کم نہیں
پتھر خدا ہوئے تو قیامت گزر گئی

دونوں ہتھیلیوں پہ کوئی مدعا نہ تھا
آنسو دعا ہوئے تو قیامت گزر گئی

شہرِ منافقت میں عجب معجزہ ہوا
وعدے وفا ہوئے تو قیامت گزر گئی

اپنے بھی کہہ رہے تھے انھیں مار دیجیے
ہم پارسا ہوئے تو قیامت گزر گئی

ہم کب سے جل رہے تھے محبت کی آگ میں
سورج نما ہوئے تو قیامت گزر گئی

مضراب دل پہ ہاتھ لگانے کی دیر تھی
سرگم کی سا ہوئے تو قیامت گزر گئی

اک راہ کھل رہی تھی کواڑوں کے بیچ میں
در نیم وا ہوئے تو قیامت گزر گئی

ہمدم کسی کو حال سنانے کے واسطے
نغمہ سرا ہوئے تو قیامت گزر گئی

(ی)

حسین نظر کے تبسم سے دل کی بات بنی
مجھے لگا تری آنکھوں سے کائنات بنی

پگھل رہا تھا کوئی چاند میرے آنگن میں
مرے چراغ کے دم سے حسین رات بنی

مرے شعور کو منزل تو مل گئی آخر
مگر جو خواب کی تعبیر تیرے ساتھ بنی

ہمارے بعد کسی کو عروج کیا ملتا؟
محبتوں کی علامت ہماری ذات بنی

اتر رہی تھا کوئی روشنی کے زینے سے
مری زمین ستاروں بھری پرات بنی

مجھے خزاں کی خبر ہے نہ زرد لوگوں کی
مری بہار تو گلشن میں پات پات بنی

تری خوشی ہے مقدم ، سو ہار جاتا ہوں
یہی شکست کئی بار میری مات بنی

تمام عمر سرِ آئنہ تجھے دیکھا
ترے خیال کی تصویر شش جہات بنی

ترے مدار کے اندر ہے دائرہ میرا
مری حیات کا محور تری حیات بنی

میں اپنی ماں کی دعاؤں سے کامیاب ہوا
قدم قدم مری جنت ، مری نجات بنی

میں صفر ہو کے نمایاں ہوا کسی کے ساتھ
نفی ہوئی تو مری ذات بھی ثبات بنی

کبھی کبھی مری قسمت نے ایسا ساتھ دیا
چراغ بجھنے لگے تو ہوا کے ہاتھ بنی

تری جبیں سے نمودار شاعری ہمدم
مری غزل میں تخیل کی واردات بنی

(ی)

دل پر کسی بھی رنگ حقیقت نہیں کھلی
کہتا ہے کون مجھ پہ محبت نہیں کھلی

ایسا نہیں کہ ذوق تماشا نہیں رہا
ایسا نہیں کہ چشمِ بصیرت نہیں کھلی

میں نے قدم قدم تری جانب سفر کیا
کیسے کہوں کہ خواب کی جنت نہیں کھلی

کس جبر کی فضا نے اسیرِ انا رکھا
تازہ ہوا کے ہاتھ لگی چھت نہیں کھلی

کتنے ہی خوش مزاج مرے ہم سفر ہوئے
لیکن کسی کے ساتھ طبیعت نہیں کھلی

فطرت چھپا رہی ہے محبت کے راز کو
اکیسویں صدی میں بھی عورت نہیں کھلی

تحقیق و جستجو سے بھی ثابت نہ ہو سکی
عصرِ جدید میں بھی روایت نہیں کھلی

کیسے دلوں پہ نقشِ جہاں کھل نہیں سکا
کن جاہلوں پہ رمزِ ہدایت نہیں کھلی

مرشد! ہمارے ساتھ الگ معجزہ ہوا
مرشد! ہمارے دل پہ کرامت نہیں کھلی

کوئی مثال ہی نہ تھی حسنِ خیال کی
پھولوں کے سامنے بھی نزاکت نہیں کھلی

دو اجنبی ملے تو سفر میں بچھڑ گئے
انجان راستوں میں رفاقت نہیں کھلی

ہم بھی کسی لکیر کے اندھے فقیر تھے
ایسی روایتیں تھیں کہ جدت نہیں کھلی

دنیا مرے خرد سے تو واقف رہی مگر
شہرِ جنوں میں کھل کے بھی وحشت نہیں کھلی

دل نے بیانِ حسن میں سو سو جتن کیے
پھر بھی کسی خیال کی وسعت نہیں کھلی

دل کے قریب ہو کے بچھڑنا پڑا ہمیں
قربت کے باوجود بھی قسمت نہیں کھلی

سب راز کھل رہے ہیں زمانے کے ساتھ ساتھ
ہوتی ہے کیا؟ دلوں پہ حکومت نہیں کھلی

چپ چاپ جل رہے ہیں جدائی کی آگ میں
ہم پر گزر گئی جو قیامت نہیں کھلی

لفظوں کا انگ انگ تغزل کیا مگر
ہمدم غزال حرف کی صورت نہیں کھلی

(ے)

سجتی ہے ترے دم سے مری خواب سرائے
احساس کی دنیا ہے یہی خواب سرائے

اوقات سے بڑھ کر میں تمنا نہیں کرتا
کافی ہے مجھے آنکھ بھری خواب سرائے

سمجھا ہوں میں اب علت و معلول کے معنی
تم سامنے آئے تو سجی خواب سرائے

میں نے بھی کڑی دھوپ کے آثار سہے ہیں
مجھ کو بھی کوئی شام ، کوئی خواب سرائے

ہم نیند کی دنیا سے نکل ہی نہیں پائے
ملنے کو ملی ایک یہی خواب سرائے

شب بھر نہ کسی یاد کے جھونکے میں تڑپ تھی
جب آنکھ کھلی ، جاگ اٹھی خواب سرائے

تصویر کے پیکر میں سمٹنا نہیں اچھا
کھل جائے حقیقت میں کبھی خواب سرائے

برفاب چناروں سے پھسلتا ہوا منظر
کہسار کے سینے میں ندی خواب سرائے

خوشبو کے دریچے سے اترتی ہوئی تتلی
مہکانے لگی دل کی کلی خواب سرائے

کھلتے ہیں مرے پھول تری باد صبا سے
رکھی ہے ترے دم سے ہری خواب سرائے

پانی میں کئی دیپ جلے دیکھ رہا ہوں
لگتی ہے مجھے بارہ دری خواب سرائے

تعبیر کا در اور کہیں دور کھلے گا
رہ جائے گی پلکوں پہ دھری خواب سرائے

جو تیری حقیقت ہے، تجھے دل سے مبارک
منظور مجھے کھوٹی کھری خواب سرائے

میں شام سے ہوتا ہوا پہنچا ہوں سحر تک
رستے میں کئی بار پڑی خواب سرائے

تعبیر کا منظر تھا حقیقت کی گلی میں
در پیش بڑی دیر رہی خواب سرائے

بس ایک ہی چہرہ تھا فروزاں مرے دل سے
آنکھوں کے دریچے سے چھنی خواب سرائے

تکیے سے لپٹتا ہوں کبھی سایۂ جاں سے
اک پیڑ کی صورت ہے گھنی خواب سرائے

پھر نیند مری آنکھ میں پڑتی نہیں ہمدم
کھلتی ہے شبستاں میں تری خواب سرائے

بس ایک محبت کا اثاثہ ہے یہ ہمدم
آنکھوں کی ضرورت نہ کمی خواب سرائے

(ے)

دھوپ کی علامت سے دل کا درد کہنا ہے
سرخ ظلمت کو زرد زرد کہنا ہے

مورتیں بناتے پل، کیسی کش مکش میں ہوں؟
کس کا سر اٹھانا ہے کس کو مرد کہنا ہے

ظلم سہنے والے سب اک وجود رکھتے ہیں
بے اماں قبیلے کو ایک فرد کہنا ہے

آئنے سے لپٹی ہیں کرب سے بھری آنکھیں
اشک اشک پانی کو نقش گرد کہنا ہے

ہر نظام الٹا ہے داد رس ہواؤں کا
گرم گرم سانسوں کو آہِ سرد کہنا ہے

کربلا حوالے سے ایک راہ پر ہیں ہم
حق پرست لوگوں کو ہم نبرد کہنا ہے

حاشیہ نگاروں نے لکھ دیا کتابوں میں
ہم نے باد صر صر کو باد برد کہنا ہے

خوف کے اسیروں نے ہر غلام گردش میں
پل رہے جوانوں کو بھی امرد کہنا ہے

جبر آشنا ہمدم صبر کا تقاضا ہے
خارزارِ ہستی کو گل نورد کہنا ہے

(ے)

یہ آئنے کا تماشا خرید سکتا ہے
کوئی تو ہے جو زمانہ خرید سکتا ہے

کسی کسی کو اجازت ہے دل کی دنیا میں
کوئی کوئی یہ کھلونا خرید سکتا ہے

میں شاملاتِ محبت کا ایک ٹکڑا ہوں
کوئی بھی اہلِ علاقہ خرید سکتا ہے

سجی ہوئی ہیں دکاں پر اسی لیے آنکھیں
وہ میرا خواب جزیرہ خرید سکتا ہے

فریب دے کے مجھے آب دار منظر کا
سرابِ دشت بھی دریا خرید سکتا ہے

محبتوں سے بھرا دل کوئی کباڑ نہیں
گہر شناس ہی مہنگا خرید سکتا ہے

وہ بت نہیں ہے جو نیلام ہو نہیں سکتا
اسے تو عام سا بندہ خرید سکتا ہے

وہ ناخدا مجھے طوفاں سے کیا بچائے گا
جو ناؤ بیچ ، کنارا خرید سکتا ہے

زمین پر بھی اسے آفتاب کہتے ہیں
جو کہکشاں سے ستارا خرید سکتا ہے

وہ میرے پیار کی دولت سے خرچ کرتا ہوا
زمانے بھر کا خزانہ خرید سکتا ہے

اسے یہ حق ہے مرا دل خرید لے ہمدم
وہ پیار دے کے یہ سونا خرید سکتا ہے

(ے)

دو لفظوں کی دو دھاری تلوار سے خطرہ ہے
شاعر کو اب اپنے ہی اشعار سے خطرہ ہے

یہ گھاؤ بھر جائے بھی تو جان نہ چھوڑے گا
دل پر ہونے والے پہلے وار سے خطرہ ہے

کٹتے ہوئے سر کو بھی جو گرنے ہی نہیں دیتی
اونچے شملے والوں کو دستار سے خطرہ ہے

میرے ساتھ نہ چلنے سے گھوڑے مر جائیں گے
شاہ سواروں کو میرے انکار سے خطرہ ہے

میرے چپ رہنے سے اپنی موت نہ مر جائے
خاموشی سے میرے اندر غار کو خطرہ ہے

تند ہواؤں پر اپنے در کھول بھی سکتی ہے
گھر میں رہنے والوں کو دیوار سے خطرہ ہے

کھوٹ ملا کر بیچنے والا لوٹ بھی سکتا ہے
دنیا کے سوداگر کو کردار سے خطرہ ہے

کب تک پیتل چہروں کو سونا پہنائے گا
سرخی بننے والوں کو اخبار سے خطرہ ہے

زرد رتوں میں پلنے والے سبز نہیں ہوں گے
اس دھرتی کو مصنوعی اشجار سے خطرہ ہے

اپنوں پر تو دشمن سے بھی بڑھ کر وار کیا
حیرت ہے ظالم کو کیوں اغیار سے خطرہ ہے

سچ کا زہر پیالہ ان کو اندھا کر دے گا
جھوٹے لوگوں کو میرے افکار سے خطرہ ہے

حد سے بڑھ کر عشق مرا ناکام نہ ہو جائے
مجھ کو تو بس اپنے گھر کے پیار سے خطرہ ہے

جن پیڑوں پر پھل آ جائے، پتھر آتے ہیں
اس گلشن کو اپنے برگ و بار سے خطرہ ہے

فرعون و ہامان و قاروں کھلتے جاتے ہیں
طاغوتی کرداروں کے اظہار سے خطرہ ہے

راہ زنوں پر پہنچ رہے ہیں زادِ سفر بھی منزل بھی
قافلے والوں کو اپنے سالار سے خطرہ ہے

شعر میں دل کی بات نہ کی تو مر جاؤں گا میں
مجھ کو ہمدم اپنے ہی معیار سے خطرہ ہے

(ے)

کہتے ہیں زندگی کا پرانا رواج ہے
جینا تو آدمی کا پرانا رواج ہے

دیوار و در گرے ہیں مکینوں کے ہاتھ سے
اس گھر میں خودکشی کا پرانا رواج ہے

مر مر کے جی رہے ہیں جو خانہ بدوش ہم
دنیا میں بے گھری کا پرانا رواج ہے

کچھ بھی نہ جاننے سے سوا جاننے کا دکھ
یہ کرب آگہی کا پرانا رواج ہے

عورت کو اپنے دل میں بسانے کے واسطے
مردوں میں دل لگی کا پرانا رواج ہے

مجھ کو تو خیر دل بھی محبت بھرا ملا
رسماً بھی عاشقی کا پرانا رواج ہے

ٹھہری نہ روشنی کے مقابل کبھی مگر
بے کار تیرگی کا پرانا رواج ہے

دل کے معاملے میں زمانوں کے بعد بھی
بے ربط بے کلی کا پرانا رواج ہے

پیتے ہیں ایک گھاٹ سے بکری بھی شیر بھی
جنگل میں آشتی کا پرانا رواج ہے

شہروں میں آ کے لوگ روایت بدل چکے
گاؤں میں دوستی کا پرانا رواج ہے

پتھر تو آئنے میں بہت بعد میں ڈھلے
پانی میں روشنی کا پرانا رواج ہے

وہ دل نہیں جو پیار میں پاگل نہ ہو سکے
دھڑکن میں بے خودی کا پرانا رواج ہے

ساقی ! ترے وجود سے پہلے بھی لوگ تھے
آنکھوں سے مے کشی کا پرانا رواج ہے

شعر و سخن کے دم سے ہے رستہ کھلا ہوا
کیوں پھر بھی خامشی کا پرانا رواج ہے

ملتا نہیں ہے بھول بھلیوں میں راستہ
یہ موڑ ہر گلی کا پرانا رواج ہے

جو دل کہے وہ دل سے سنا دینا چاہیے
ہمدم یہ شاعری کا پرانا رواج ہے

(ے)

پڑھنے لگے تو کتنے سرابوں میں کھو گئے
ہم لوگ زندگی کی کتابوں میں کھو گئے

صحرا سے پار کیا ہے؟ دکھایا گیا ہمیں
ہم اپنی آگہی کے عذابوں میں کھو گئے

سورج کو دیکھنا تھا اندھیرے کی اوٹ سے
چشمہ لگا کے دھوپ کا خوابوں میں کھو گئے

مے خانۂ حیات نے سرشار کر دیا
کچھ اور ہی طرح کی شرابوں میں کھو گئے

خوشبو بکھر گئی مرے کالج کے لان میں
زیر نقاب پھول حجابوں میں کھو گئے

پتھر کی آنکھ سے بھی نظارہ نہ کر سکے
لگتا ہے آئنے بھی نقابوں میں کھو گئے

بارش میں بھیگنے کی تمنا ہی اور تھی
ہم سے زمین زاد سحابوں میں کھو گئے

مضمون عشق لازمی رکھنا پڑا ہمیں
دل پر لکھے پرانے نصابوں میں کھو گئے

دل کے معاملے میں کوئی شک نہیں رہا
ہم اپنے طور حسابوں میں کھو گئے

کشتی ہمارے ساتھ کنارے نہ لگ سکی
بہتے ہوئے مکان حبابوں میں کھو گئے

دامن کے چاک سے تھی نمایاں برہنگی
سب کچھ دکھا کے پھر بھی حجابوں میں کھو گئے

ہم کو فضول بحث میں الجھا دیا گیا
چبھتے ہوئے سوال جوابوں میں کھو گئے

لب پر دلوں کی بات اتاری نہ جا سکی
لہجے کے اضطراب حجابوں میں کھو گئے

لفظوں کی خوشبوؤں سے مہکنے کے شوق میں
ہمدم ہمارے شعر گلابوں میں کھو گئے

(ے)

دنیا سے لیا ہے نہ زمانے کو دیا ہے
جو وقت ملا ہے وہ ترے سنگ جیا ہے

دل تیرے سوا اور کی خواہش نہیں رکھتا
بے کار تمنا کا گلہ گھونٹ دیا ہے

یادوں کے شبستاں میں بسیرا ہے ہمارا
ہجراں میں بھی قربت کا جہاں ڈھونڈ لیا ہے

کس شہرِ تمنا کو بہم دیکھ رہے ہیں
دل بیچ کی دیوار پہ بجھتا سا دیا ہے

مشکل سے رفو کی ہیں الجھتی ہوئی سانسیں
دامن کو سنبھالا نہ گریبان سیا ہے

دشمن سے بھی اوقات مطابق ہی ملا ہوں
جو پیار کے قابل تھا اسے پیار کیا ہے

اس جبر میں خاموش تو رہنے کے نہیں ہم
سچ بول کے مرنے کا ارادہ تو کیا ہے

عزت سے یہاں موت بھی ملتی نہیں، دیکھا
مرتے ہوئے لوگوں نے بھی الزام لیا ہے

ہر سانس گزرتی ہے اذیت میں ہماری
حالات کے ہاتھوں سے عجب زہر پیا ہے

ہمدم نظر آتا ہے جو خوش تاب سحر میں
احساس کا سورج ہی محبت کا دیا ہے

(ے)

احساس کے سفر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟
اک خواب کی سحر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

اک آئنہ ہے تیرا، اک آئنہ ہے میرا
تیری مری نظر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

یہ لیت و لعل چھوڑو! دل کے معاملے میں
ایسی اگر مگر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

کس کس نگر سے گزرے؟ کیسی فضا میں ٹھہرے؟
اس فصلِ بال و پر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

کچھ راستوں کو موڑا، کچھ پتھروں سے الجھے
بے ڈھنگ سی ڈگر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

یوں ہی لگی نہیں ہے دل کو لگن ہماری
اس دیر پا اثر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

کیوں آتشِ دل و جاں بجھتی نہیں کسی سے؟
رقصِ جنوں، شرر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

دل کی زمین چمکی، آنکھوں کے آسماں پر
تقریبِ نو قمر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

ٹک ٹک سنا رہی ہے دل کی گھڑی کا نغمہ
گزرے پہر پہر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

بے کار دھوپ اوڑھی چھاؤں کی آرزو میں
ہم سایۂ شجر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

ڈوبے جو اس کنارے، ابھرے وہ اس کنارے
موجوں تلے بھنور میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

گھر کا بھرم رکھا ہے جلتے دیے نے ورنہ
دیوار اور در میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

بنیاد کس نے توڑی؟ دیوار کس نے باندھی؟
کیسے بتائیں گھر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

ہمدم غزل ہے، خونِ جگر کشیدہ
تشکیلِ حرفِ تر میں کیا گیا نہیں ہوا ہے؟

(ے)

خوش تابیِ نظر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟
خوابوں کی رہ گزر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

صیقل کیے ہوئے ہے یہ گردش زمانہ
گنجینہء گہر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

رنگ اور بور آیا خوش بو میں، ذائقے میں
ہر خوشہء ثمر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

تنکوں کے گھونسلے میں گزرا ہے وقت سارا
ایسی گزر بسر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

صدیاں سنا رہی ہیں تہذیب کا فسانہ
تاریخ بحر و بر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

کتنے ہی زرد چہرے سرسبز ہو رہے ہیں
اخبار کی خبر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

دشمن پہ وار کرتے ، اپنوں کا وار سہتے
تلوار کیا، سپر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

یوں ہی نہیں ملے ہیں بچھڑے ہوئے ستارے
اس شیر اور شکر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

تقسیم ہو رہا ہے انسان کس عدد سے
مخلوط سی کسر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

گزرے ہوئے جہاں کی آواز سن رہا ہوں
ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

آنکھیں بتا رہی ہیں جبر و ستم کا نوحہ
اس کانپتے نگر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

آڑھت میں کٹ رہا ہے محنت کا پھل زیادہ
ترسیل مال وزر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

تازہ ہوا کا جھونکا ، شہر عدو سے آئے
ہائے ! مرے نگر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

انسانیت کی منزل دیکھی نہیں ابھی تک
تشکیک خیر و شر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

تخلیق آرزو میں تجدید کیا دکھائیں؟
ہمدم ہنر ہنر میں کیا کیا نہیں ہوا ہے؟

(ے)

کتنے سرسبز ہیں اشجار خزاں سے پہلے
موسم گل میں ہیں سرشار خزاں سے پہلے

ہر نئی رت کے بدلنے کا پتہ دیتے ہیں
زرد ہوتے ہوئے گل زار خزاں سے پہلے

کون ادراک کرے؟ باغ کی ویرانی کا
کون دیکھے؟ در و دیوار خزاں سے پہلے

یوں ہی کھلتے ہیں، مہکتے ہیں، بکھر جاتے ہیں
پھول رکھتے ہیں یہ معیار خزاں سے پہلے

سرخ چہروں پہ گلابی سا نکھار آئے گا
رنگ بدلیں گے کئی بار خزاں سے پہلے

خارزاروں پہ بھی شہ سرخی مہک اٹھے گی
پھول لکھے گا جو اخبار خزاں سے پہلے

رت بدلتے ہی خد و خال بدل جائیں گے
کون کرتا ہے یہ اقرار خزاں سے پہلے

کتنے کھلتے ہوئے چہروں کی تمنا کرتے
کتنے موسم ہیں طلب گار خزاں سے پہلے

یہ سمجھتے ہیں کہ ان پر بھی نکھار آئے گا
خار پھولوں سے ہیں پیکار خزاں سے پہلے

اب تو کچھ اور ہی لہجے میں بہار آئے گی
اب کے کچھ اور ہیں آثار خزاں سے پہلے

کوئی جھونکا جو مرے کوچہء جاں سے گزرا
دل پہ کھل جائیں گے اسرار خزاں سے پہلے

دل میں سرسبز کناروں کی طلب ہے لیکن
ہم ہیں اس پار نہ اس پار خزاں سے پہلے

سرخ ہوتے ہوئے ہونٹوں پہ بھی پیار آتا ہے
کتنے خوش تاب ہیں رخسار خزاں سے پہلے

کیا ستم ہے کہ وہی کاٹ دیے جاتے ہیں
جو بھی ہوتے ہیں ثمر بار خزاں سے پہلے

لوگ پڑھتے ہیں دسمبر میں محبت ہمدم
کون سمجھے ترے اشعار خزاں سے پہلے

(ے)

ساتھ چلتے ہیں کڑی دھوپ کے سائے، ہائے!
کون سورج سے مری جان چھڑائے، ہائے!

کوئی سایہ ہو مرا شام سے پہلے پہلے
دھوپ نگری میں مرا ساتھ نبھائے، ہائے!

کوزہ گر کون ہوا چاک گھمانے والا
نقش مٹی سے اٹھائے نہ بنائے، ہائے!

دیکھنا دور، تجھے سوچ نہیں سکتے ہم
کم رسا خواب ترا دیکھ نہ پائے، ہائے!

تیرے ہونے سے یہ تقریب سجا کرتی تھی
تو نہیں ہے تو کہاں؟ خواب سرائے، ہائے!

اب تو کچھ اور ہواؤں نے روش بدلی ہے
ظلمت شب میں عجب دیپ جلائے، ہائے!

اک ستارا ہی کبھی ٹوٹ گرے رستے میں
رمز کوئی مجھے منزل کی دکھائے ، ہائے!

کوئی جگنو ہو نمودار تری آنکھوں سے
دل کی اندھیر فضاؤں کو ضیائے، ہائے!

کوئی موسم مری آنکھوں کی اداسی بدلے
کوئی مسکان مرا درد بھلائے ، ہائے!

جس کو دیکھوں وہی ویران نظر آتا ہے
کون اجڑی ہوئی بستی کو بسائے ، ہائے!

در بناتے ہوئے دیوار بنا دیتے ہیں
کون پتھر مرے رستے سے ہٹائے، ہائے!

ہائے ! کس دور میں نیلام ہوا جاتا ہوں
لینے والا نہ کوئی دام لگائے ، ہائے!

جز ترے اور کوئی دھیان میں رہتا ہی نہیں
کوئی جچتا ہی نہیں تیرے سوائے ، ہائے!

میں تو بس حسن تکلم پہ ہی مر جاتا ہوں
جب وہ کہتا ہے مجھے پیار سے بائے ! ہائے!

اپنے ہاتھوں سے گنوائے ہیں اجالے ہمدم
اب سحر کون در و بام پہ لائے ، ہائے!

کھا گئی کس کی نظر اپنی محبت ہمدم
ہم ہوئے اپنی نگاہوں میں پرائے ، ہائے!

(ے)

غزل سرا ہے وہ شیریں مقال ، کیا کہنے
نہال ہونے لگے ہیں غزال ، کیا کہنے

وہ جس کے حسن تکلم سے پھول کھلتے ہیں
سخن وری میں ہے وہ باکمال ، کیا کہنے

کسی نے دل سے پکارا ہے آنکھوں آنکھوں میں
نہیں رہا ہے کوئی بھی ملال ، کیا کہنے

وہ خوش کلام کھلا ہے حسین لہجے میں
لبوں پہ بول رہا ہے گلال ، کیا کہنے

سماعتوں میں اترتی ہے پیار کی خوشبو
زباں کا حسن ہے ، حسن خیال ، کیا کہنے

ترے وجود کے مضراب سے ہے سر سنگیت
یہ دھڑکنوں کا ترنم ، یہ تال ، کیا کہنے

ترے لیے کوئی تشبیہ و استعارہ کہاں؟
یہ نقش، رنگ، تصور، خیال، کیا کہنے

یہ شاعری ہی نہیں زندگی کا چہرہ ہے
غزل کے ہونٹ، یہ آنکھیں، یہ گال، کیا کہنے

کمال مصرعہء تر کی نشست و آرائش
کمال! حرفِ مکرر! کمال! کیا کہنے

ترے لبوں کی نزاکت، گداز حرف جدا
حسین تر ہے یہ لفظوں کا جال، کیا کہنے

سرور و کیف، یہ مستی، صدائے ہاؤ ہو
سجی ہے بزم طرب، حال و قال، کیا کہنے

عجب ترنگ سے کھلنے لگے ہیں نقش ترے
کہ انگ انگ ہوا خوش جمال، کیا کہنے

ہم اہلِ دل ہیں محبت سے بات کرتے ہیں
ہمارے دم سے ہوئے دل نہال ، کیا کہنے

کلام دل نے کیا تھا ، جنون پاؤں پڑا
ہوئے ہیں رقص میں ایسے نڈھال ، کیا کہنے

بس ایک بار سنی تھی کوئی حسیں آواز
صدائے دل ہے مری بے مثال ، کیا کہنے

چلا ہوں میں کسی پازیب کے تعاقب میں
کٹیں گے یوں ہی مرے ماہ و سال کیا کہنے

ترے سکوت نے دشتِ سوال سبز کیا
جواب ہونے لگے خود سوال ، کیا کہنے

میں تیری یاد ملاقات ہی سمجھتا ہوں
جدائیوں میں یہ حرف وصال ، کیا کہنے

وہ خوش خیال غزل ہے کہ نظم ہے ہمدم
وہ شاعری ہے سراپا جمال، کیا کہنے

(ے)

غلام عہد میں آزاد بھی تڑپتا ہے
وہ جبر ہے کہ ستم زاد بھی تڑپتا ہے

لہو سے ہم نے جلائے چراغ بجھتے ہوئے
ہماری لو سے درِ باد بھی تڑپتا ہے

یہ وہ مقام ہے جس کی طلب رلاتی ہے
در خودی پہ انا زاد بھی تڑپتا ہے

کٹے گا دار پہ آخر سکوں ملے نہ ملے
سر جنوں ہے جو بے داد بھی تڑپتا ہے

کچھ ایسا موڑ ہے شامل مرے فسانے میں
کہانی پڑھ کے طبع زاد بھی تڑپتا ہے

نظر ملا کے میں چلتا ہوں گرم سورج سے
سفر کی دھوپ میں ہم زاد بھی تڑپتا ہے

قفس میں قید پرندہ ہے مطمئن ایسا
کہ اس کو دیکھ کے صیاد بھی تڑپتا ہے

نجانے کیا ہے سمندر کے وصل سے آگے
کہ دشت ہجر میں آباد بھی تڑپتا ہے

یہ صرف بانجھ زمینوں کا اضطراب نہیں
یہاں تو صاحب اولاد بھی تڑپتا ہے

خزاں کے ہاتھ نمو کا خراج دیتے ہوئے
کٹے شجر تو ثمر زاد بھی تڑپتا ہے

سبق ملا جنھیں منزل کا وہ کہاں پہنچے ؟
یہ حال دیکھ کے استاد بھی تڑپتا ہے

کسی کو سنگ میسر نہ تیشہ ء درماں
دیارِ عشق میں فرہاد بھی تڑپتا ہے

بنا کے ہاتھ سے جنت بھی سرخ رو نہ ہوا
ہمارے عہد کا شداد بھی تڑپتا ہے

عوام کو ہی میسر نہیں یہ نوحہ گری
یہاں تو ملک خداداد بھی تڑپتا ہے

برائے ضبط مری آنکھ بھی سلگتی ہے
برائے غم دل برباد بھی تڑپتا ہے

ہمارا خواب تھا کیا؟ اور ہم نے کیا دیکھا؟
ہمارے غم پہ پری زاد بھی تڑپتا ہے

گلی گلی میں لہو کی زبان بولتی ہے
یہاں تو کوچہ ء فریاد بھی تڑپتا ہے

شعور دست تخیل پہ کرب ہے ہمدم
اسیر حرف سخن زاد بھی تڑپتا ہے

(ے)

مشرقی حسن کا انداز الگ رکھا ہے
اس نے ساڑھی میں چھپا راز الگ رکھا ہے

حسن سو رنگ بدلتا ہے نظر ٹھہرے کہاں؟
انتہا اور ہے آغاز الگ رکھا ہے

اس کی آواز کا جادو ہے کہ موسیقی ہے
اس نے لہجے کو الگ، ساز الگ رکھا ہے

خال و خد کھینچ لیے حسن کی پرکار کے ساتھ
نقش میں رمز بھرا ناز الگ رکھا ہے

سبز آنچل پہ ستارے کی دکھائی ہے پھبن
اپنی تہذیب کا غماز الگ رکھا ہے

رنگ پہنا ہے محبت کا جو معیار بنے
دل میں رہنے کا بھی اعزاز الگ رکھا ہے

ادھ کھلی دھوپ میں خوش تاب نظر نے خود کو
منفرد رہ کے بھی ممتاز الگ رکھا ہے

کوئی بھی روپ نہیں دل سے اترنے والا
اس نے ہر شکل کا اعجاز الگ رکھا ہے

مسکرانے کی ادا میں بھی حیا پرور نے
عشوہ وغمزہ و انداز الگ رکھا ہے

اور ہی رنگ دکھایا ہے سجا کر ہمدم
دل دھڑکتا ہوا دم ساز الگ رکھا ہے

(ے)

غزل بھری بہار ہے، بہار ہی بہار ہے
سخن پہ جو نکھار ہے، بہار ہی بہار ہے

یہ خوش خیال، خوش نظر قرار یوں نہیں ملا
دل و نظر میں پیار ہے، بہار ہی بہار ہے

کھلی کھلی سی دھوپ ہے، حسین رنگ روپ ہے
جو خوش نما حصار ہے، بہار ہی بہار ہے

یہ کس نمود کا سرود ہے مرے وجود میں
پون پون قرار ہے، بہار ہی بہار ہے

عجیب سی ترنگ ہے محبتوں کے رنگ میں
خمار ہی خمار ہے، بہار ہی بہار ہے

جنوں سے چاک ہو گیا ہے برف کا لباس بھی
کلی کلی چنار ہے، بہار ہی بہار ہے

قبائے گل میں کس نے رنگ اضطراب رکھ دیا
صبا بھی بے قرار ہے، بہار ہی بہار ہے

عروسہ ء خیال نے مزاج ہی بدل دیا
کھلا کھلا دیار ہے ، بہار ہی بہار ہے

یہ کس کا رنگ چھا گیا ہے میرے گرد و پیش میں
فضا بھی خوش گوار ہے، بہار ہی بہار ہے

محبتوں کی رہ گزر پہ ہم سفر سحر ہوئی
گلوں کی خواب شار ہے، بہار ہی بہار ہے

وصال رت کی روشنی مٹا رہی ہے ہجر کو
دلوں کی یہ پکار ہے ، بہار ہی بہار ہے

یہ کس جمال رنگ نے مجھے نہال کر دیا
خیال ابر و بار ہے ، بہار ہی بہار ہے

گلاب کھل اٹھے سبھی، چراغ جل اٹھے سبھی
یہ کس کا انتظار ہے، بہار ہی بہار ہے

محبتوں کا خاص دن ہے فروری کے ہاتھ میں
وفا کی یادگار ہے ، بہار ہی بہار ہے

حصار جبر سے نکل کے میں نے آج سانس لی
خزاؤں سے فرار ہے، بہار ہی بہار ہے

یہ گلستان حرف جاں کہ ہمدم خیال ہے
جہان لالہ زار ہے ، بہار ہی بہار ہے

(ے)

ہم نے لگائے دام تو کھوٹے کھرے ہوئے
جو زرد ہو چکے تھے وہ پھر سے ہرے ہوئے

احساس کی نمو نے سمندر کیا مجھے
نکلے ہیں دل کے دشت سے دریا بھرے ہوئے

دستک ہوا کے ہاتھ سے ہونے کی دیر تھی
کتنے چراغ جل اٹھے در پر دھرے ہوئے

ہر تان، سر، الاپ میں دل کی پکار تھی
جب راگ چھڑ گیا تو عجب انترے ہوئے

یخ بستگی کی آنچ، دسمبر کی دھوپ ہے
جلتے ہیں سرد آگ میں سائے ٹھٹھرے ہوئے

لگتا ہے کوئی زلزلہ آئے گا شہر میں
دیکھے ہیں آس پاس پرندے ڈرے ہوئے

بوڑھے شجر ہیں اب انھیں کٹ جانا چاہیے
کہتے ہیں لوگ بوجھ ہیں جیتے مرے ہوئے

حیرت ہے پھر بھی ہم کو مٹایا نہ جا سکا
کھیلے گئے ہیں کھیل ، کئی پینترے ہوئے

کشتی چلا رہا ہوں میں بس اس کے نام پر
ڈوبے نہ جس کے دم سے سفینے ترے ہوئے

تحقیق ! اہل عشق کے روشن مزار ہیں
مقبول میرے شہر میں جو مقبرے ہوئے

شاعر تھے چند لوگ ہی جو شعر کہہ گئے
باقی جو رہ گئے ہیں سبھی مسخرے ہوئے

موسم خیالِ یار کا کتنا حسین تھا
بادل برس برس کے یہاں ڈونگرے ہوئے

رقصِ جنوں پہ آج بھی پہلی بہار ہے
مدت گزر گئی ہے محبت کرے ہوئے

پندار ٹوٹتے ہی جدائی نے آ لیا
وہ بھی انا پہ اڑ گئے ہم بھی پرے ہوئے

ہم کو فلاں نہ کہو، خاص لوگ ہیں
ہم دوسرے ہوئے نہ کبھی تیسرے ہوئے

تب جا کے آئینے سے محبت قبول کی
ہمدم دل و نظر میں کئی مشورے ہوئے

(ے)

ایک دوجے کو ہم کتنے پیارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے
عشق دریا ہوا ہم کنارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

اپنی اپنی زمیں، اپنا اپنا جہاں، دیکھتے رہ گئے، ڈھونڈتے رہ گئے
ایک ہی کہکشاں کے ستارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

دل کا سودا ہوا، بات پکی ہوئی، نام لکھے گئے، دستخط ہو گئے
آنکھوں آنکھوں میں کیسے اشارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

روح مچلنے لگی، دل دھڑکنے لگا، اپنے ہونے کا احساس ہونے لگا
آسماں سے زمیں پر اتارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

مصرع وشعر میں رمز حسن غزل، بندش حرف میں نقش نظم وسخن
شاعری کے حسیں استعارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

موج بادصبا سے لہکتے ہوئے، غنچہء جاں فزا سے مہکتے ہوئے
پھول کھلتے ہیں جیسے نکھارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

آ گہی مل گئی ، روشنی مل گئی ، ہر خوشی مل گئی ، زندگی مل گئی
دھڑکنوں کی زباں سے پکارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

رنگ، تتلی، کلی، برگ، خوشبو، صبا، چہچہے، کو، پون، شبنمی، پیراہن
موسم گل کی صورت بہارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

پیاس دونوں طرف تھی، سمندر ہوئے ، جیسے بچھڑے ہوئے دو کنارے ملے
یوں ملے دو محبت کے مارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

آستاں مل گیا، آشیاں مل گیا ، جیسے خوشیوں کا سارا جہاں مل گیا
پرسکوں ہو گئے بےقرارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

پیش منظر نگاہوں میں بھرنے لگا، جسم وجاں میں نشہ سا اترنے لگا
خوب صورت جہاں کے نظارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

ہم سخن ہو گئے ، ہم زباں ہو گئے ، ہم نظر ، ہم قدم ، ہم رہاں ہو گئے
آئینے کے جہاں سے گزارے ہوئے ،تم ہمارے ہوئے ، ہم تمھارے ہوئے

آنکھ سے آنکھ، دھڑکن سے دھڑکن ملی، جان و دل مل گئے، فیصلہ ہوگیا
ایک پل میں سبھی استخارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

خواب ٹوٹے ہوئے، پھر سے جڑنے لگے، رنگ بکھرے ہوئے، پھر سمٹنے لگے
کون کہتا ہے ہمدم خسارے ہوئے، تم ہمارے ہوئے، ہم تمھارے ہوئے

(ے)

یہ کس نے مجھ پہ محبت کا دم کیا ہوا ہے
کہ اپنے آپ سے ملنا بھی کم کیا ہوا ہے

ہم اپنی اپنی محبت میں سانس لیتے ہیں
یہ زندگی ہے اسی نے بہم کیا ہوا ہے

مرے شعور کی خوش تابیاں اسی سے ہیں
کسی کے نام کو زیبِ قلم کیا ہوا ہے

مرے وجود کی کھیتی ہری بھری رکھنا
حسیں خیال کے موسم سے نم کیا ہوا ہے

مری کتاب محبت سے لوگ پڑھتے ہیں
کہ میں نے دل کا فسانہ رقم کیا ہوا ہے

وگرنہ میں تو دلوں سے اتر گیا ہوتا
رہِ وفا نے مجھے محترم کیا ہوا ہے

مرے لیے یہ محبت نئی نئی ہے مگر
یہ کام دل سے خدا کی قسم کیا ہوا ہے

جگر کے خوں سے نکلتا ہے راستہ دل کا
اسی لکیر کو نقشِ قدم کیا ہوا ہے

اسی سراغ سے کتنے سراب چھٹتے ہیں
غبارِ دشت جہانِ عدم کیا ہوا ہے

نہیں ملے گا کسی کم رسا کو میرا دل
کسی کے در پہ عقیدت سے خم کیا ہوا ہے

اسی ترنگ سے چہرے پہ رنگ آتا ہے
بدن میں حسن کے آہو نے رم کیا ہوا ہے

یہ چند شعر مری ذات کا حوالہ ہیں
چراغِ حرفِ سخن کو بھرم کیا ہوا ہے

نہیں رہی ہے من و تو کی کوئی گنجائش
یہی تو عشق ہے ہمدم جو "ہم" کیا ہوا ہے

(ے)

دل و نگاہ کا رشتہ بہم کیا ہوا ہے
ترا وجود خیالوں میں ضم کیا ہوا ہے

کرم کی آنکھ میں رہتا ہوں ، ناز کرتا ہوں
مرے حضور نے ایسا کرم کیا ہوا ہے

سنا تھا عشق مصیبت ہے، قہر ہے، غم ہے
سو اپنی جان پہ کارِ ستم کیا ہوا ہے

مرے نصیب کی دنیا اسی جہاں تک ہے
مرا مقام ازل سے عدم کیا ہوا ہے

پھٹے گا خود بھی مجھے بھی شہید کر دے گا
دلِ تباہ نے خود کو ہی بم کیا ہوا ہے

ہمارا ظرف کہ قطرے کو بحر کہتے ہیں
جو سینکڑہ بھی نہیں ہے پدم کیا ہوا ہے

نظامِ جبر سے ہم نے بغاوتیں کی ہیں
غریبِ شہر کو ذی محتشم کیا ہوا ہے

ہمارے دل کی تمنا ہے بس حسینؑ کا غم
غمِ جہان سے کہہ دو کہ غم کیا ہوا ہے

ہمارے سبزہ ء خط پر لہو کی بوندیں ہیں
صدائے دل کو نوائے قلم کیا ہوا ہے

تراشتے ہیں جو پتھر اسی کو پوجتے ہیں
صنم کدے کو بھی ہم نے حرم کیا ہوا ہے

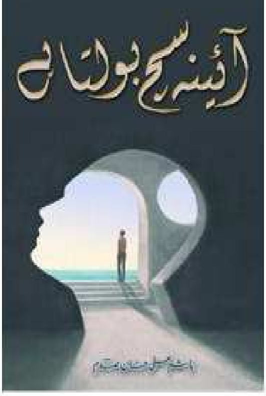
وہی تو قابلِ تقلید ہے زمانے میں
وہ جس نے علم و عمل کو دھرم کیا ہوا ہے

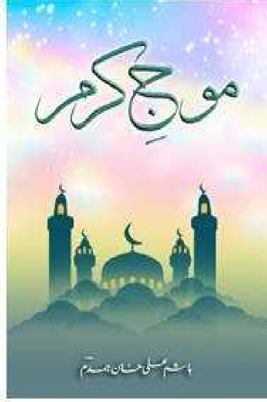
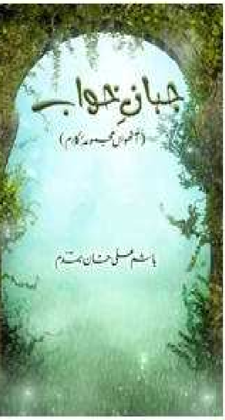
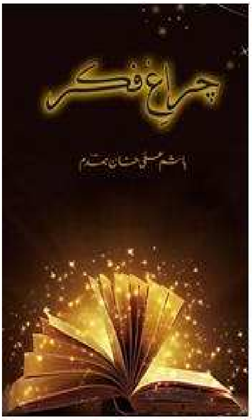
صدائے حرف کی معراج ہے یہی ہمدم
صلیبِ فکر کو اپنا علم کیا ہوا ہے

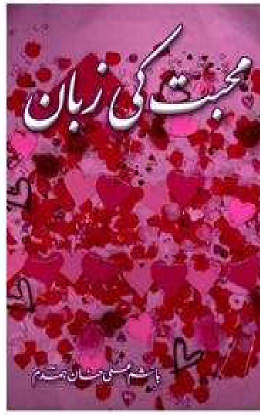
ہاشم علی خان ہمدم کا سرمایہ ءشعر و سخن

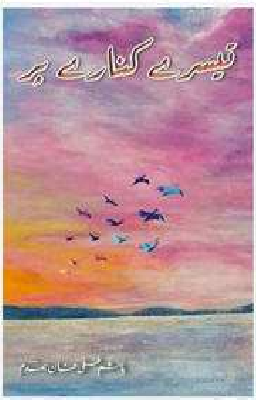
موج کرم (حمد ونعت)	نمودسحر (طرحی غزلیات)
پانچواں موسم (غزلیات)	آخری چراغ (غزلیات)
آئینہ سچ بولتا ہے (غزلیات)	چراغ حرف (غزلیات)
موج غزل (طرحی غزلیات)	غزل پوش (غزلیات)
محبت کی زباں (طرحی غزلیات)	سبیل کرم (حمدونعت)
دھوپ کی دیوار (طرحی غزلیات)	دم (دیوان)
چراغ فکر (طرحی غزلیات)	طیبہ ءجاں (نعت کے 63 رنگ)
جہان خواب (طرحی غزلیات)	خواب سراب (نظمیں)
چشم تماشا (طرحی غزلیات)	روشنی کے پھول (سلام ومناقب)
سراب سے آگے (طرحی غزلیات)	سیلفیاں (طنزومزاح)
تیسرے کنارے پر (طرحی غزلیات)	حبل متیں (حمدونعت)
آدھا سفر (طرحی غزلیات)	خوش تاب (غزلیات)

مکتبہ ءارمغان ابتسام


موجِ غزل
ہاشم علی خان ہمدم

آئینہ سچ بولتا ہے
ہاشم علی خان ہمدم

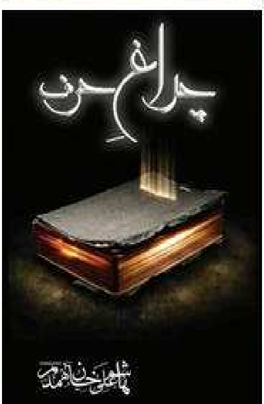
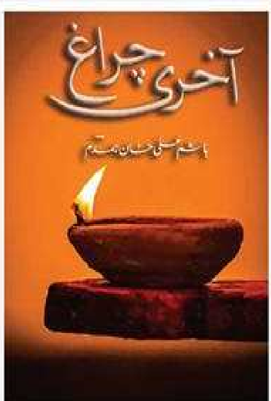
پانچواں موسم
ہاشم علی خان ہمدم

موجِ کرم
ہاشم علی خان ہمدم

جہانِ خواب
ہاشم علی خان ہمدم

چراغِ فکر
ہاشم علی خان ہمدم

دھوپ کی دیوار
ہاشم علی خان ہمدم

محبت کی زبان
ہاشم علی خان ہمدم

آدھا سفر
ہاشم علی خان ہمدم

تیسرے کنارے پر
ہاشم علی خان ہمدم

سراب سے آگے
ہاشم علی خان ہمدم

چشمِ تماشا
ہاشم علی خان ہمدم

غزل پوش
ہاشم علی خان ہمدم

چراغِ سحر
ہاشم علی خان ہمدم

آخری چراغ
ہاشم علی خان ہمدم

نمودِ سحر
ہاشم علی خان ہمدم